بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ دیباچہ کتاب

انجم دعا ہے فیض امام انام ہو
تصنیف یہ شہید کی مقبول عام ہو

حمد کی دلکشا ہوائیں اور ثنا کی جانفزا بہاریں جو نسیم ایمان کے چلنے اور آب اطاعت کے بہنے کی جگہ سے نکلکر چمن رنگا رنگ ولی و خضرا اور مجلس ستارہ ہائے روشن و منور کو سرسبز و معطر کرتی ہیں۔ اسی ذات واجب الوجود کے چمنستان وجود کے لیے مختص ہیں کہ جس نے حضرت رسول مختار کی متابعت اور انکی آل اطہار کے دامن سے تمسک کرنے والونکی امیدوں کو جلوہ گاہ وصال تک پہونچانے میں مدد دی اور انکے نخل آرزو کو بارور کیا اور اپنے گلستانِ رحمت افضال میں داخل ہونے کی اجازت عطا فرمائی اور انکے آئینۂ دل کو غبار محبت اغیار سے پاک کیا اور مخالفین بے بصیرت و معاندین شیطان سیرت کو چند روزہ مہلت و فرصت دینے کے بعد بسبب ان کے راہ ضلال و اضلال اختیار کرنے کے عذاب ابدی او عقاب دائمی میں ڈالدیا اور

درود و تسلیم کی معطر نسیم اور تحیۃ و تکریم کی گلشن آرا شمیم کہ جو جبین طرہ یقین اور سحاب فیض آفرین فَمَن یَاتِیکُم بِمَآءٍ مَعِین سے ہویدا ہو کر محل انس و الفت کی ہوا اور عالم قدس کی فضا کو معنبر و خوش منظر کر دے لائق و سزاوار ہے واسطے روضۂ رضوان قریب گلدستہ چمن رسالت اور شگوفۂ بستانِ جلالت معتکف بزم خلوت لِی مَعَ اللّٰہ صاحب کرامت مَن یُطِعِ الرَّسُولَ فَقَد اَطَاعَ اللّٰہ مقصود ایجاد تکوین مطلوب خطاب طٰہٰ و یٰس عنقائے قلۂ قاف قبول ہمائے ہوائے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُول اور انکی آل بے مثال کے جو طہارت و عصمت ازلی کے ساتھ مخصوص اور نص امامت کے ساتھ منصوص ہیں اور وصایت و کرامت کی صفوف میں ایسے ثابت قدم ہیں کہ گویا بنیان مرصوص ہیں علی الخصوص وصی حقیقی اور خلیفہ تحقیقی امیر کل امیر وصی روز غدیر ولی سید مختار قسیم جنت و نار معرکۂ لافتیٰ کے سرگذار میدان ھل اتیٰ کے شہسوار خطیب منبر سلونی صاحب منزلت رفیعہ ہارونی باب مدینۂ علم لنگرگاہ کشتی حلم مراد "الذین اٰمنوا و ھاجروا" مظلوم ظلم الذین اٰمنوا ثم کفروا منسوب نص سلموا علی علیٍ بامرۃ المومنین معزول خبر وَاِن اَمَّر تُم علیاً و لا اراکم فاعلین محسود الذین یحسدون الناس علی ما اتٰکم قاتلان باغیان تعصب جیش قائل اللّٰھم انی استمد بک علی قریش والی دعائے وال من والاہ راز دار ما نجیتہ و لٰکن اللّٰہ انتجاہ آفتاب عالمتاب رَفَعنَاہُ مَکَاناً عَلِیّاً بدر عالیقدر وجعلناہ للمتقین اماماً و ولیاً یعنی وہ بزرگوار کہ جسکے بارے میں رسول مختار نے ارشاد فرمایا کہ جس دل پر اسکی محبت کا سکہ نہو وہ روز بازار ازل و ابد مردود ہے اور جو بدسرشت اسکی خاک پا کو اپنی سربلندی کا درۃ التاج نہ بنائے وہ روز قیامت پامال عذاب موبد ہو

نظم

تو از برائے سر خویشس تاج زریں ساز | زخاک پائے جوان مرد وال من ولاہ
زدل عداوت او دور دار تا نہ خوری | زتیغ لفظ نبیؐ زخم عادِ مَن عاداہ
گواہ پاکیِٔ اصلت ولائے شاہے داں | کہ بر کمال معالیش حل اتی ست گواہ

ترجمہ نظم بنظم

او سیکی خاکِ قدم سے بنا تو سر کا تاج
نبیؐ نے حق میں کہا جس کے والِ من والاہ

مٹا دے دل سے عداوت کو اس ولی کی تو | کہ تا لگے نہ کہیں زخم عادِ مَن عاداہ
گواہ اپنی اصالت کا جان اُسکی ولا | کمال فضل یہ ہے جسکے حل اتی سا گواہ

امّا بعد صاحبان معرفت اور اصحاب بصیرت کے دلہائے مُصفّا پر پوشیدہ نہ رہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت کے زمانے سے لیکر سلاطین صفویہ کے ظہور سلطنت تک اہل تشیع میں بلائے تقیہ کا ایسا زور رہا کہ اپنے مذہب کو بالکل ظاہر نہیں کرسکتے تھے اور نہ اپنے اصول و فروع کی ترویج ہی ممکن تھی - بلکہ علمائے و فقہائے معتزلہ و اشاعرہ کے اصول و فروع پر ظاہر میں عمل رہا کرتا تھا اسی سبب سے مخالفین کے مختلف فرقوں میں تو اپنے بزرگوں کے حالات مشہور کرنے میں بڑی بڑی کوششیں کیں اور بہت سی کتابیں اس فن میں تصنیف ہوئیں لیکن علمائے شیعہ بسبب سالہا سال مظلوم اہل شتقار ہنے کے گوشۂ تقیہ میں چھپے رہتے تھے اور اپنے کو شافعی یا حنفی ظاہر فرماتے تھے اس سبب سے اپنے اکابر کے حالات نہ لکھ سکے بلکہ شہرت دینا کیسا ؟ چھپانے کی ضرورت تھی صرف احادیث رسولؐ اور اخبار آئمہ کے راویوں کے نام اور حالات میں کتابیں لکھی ہیں اور اپنے فضل کو چھپانے کی غرض سے اجمال و اختصار سے کام لیا ہے باوجود اسکے اُن کتابوں سے اکثر کتابیں دشمنوں کے جلا دینے اور دھو ڈالنے سے مفقود ہوگئیں اور بہت سی کتابیں بادشاہان

ظلمہ کے خوف سے زمین کی تہوں اور مکانات کے گوشوں میں چھپا دی گئیں اور مرورِ زمانہ کے سبب سے دیمکوں کی نذر ہو گئیں انہیں امور کی بنا پر گذارش ہے کہ اس زمانہ میں خداوندمناں کی بے انتہا عنایت شاملِ حالِ مومنین ہے کہ اسنے دولتِ صفویہ کو ظاہر فرما کر ایمان کی پشت پناہی فرمائی۔ اور انکے دلوں کو ایسا قوی اور سلطنت کو ایسا وسیع کیا کہ ایوان عدوان اکاسرۂ عدوی اور قصر طغیان قیاصرۂ عثمانی و اموی میں زلزلہ پڑ گیا لہذا اس خاک پائے مومنین اثنا عشری اور تربیت یافتۂ سلطنت صفوی نے اسی دولت ابد مدت کی مدد سے بلائے تقیہ سے نجات پا کر زبانِ قلم کی گرہ کو کھولا اور بعض مشاہیر شیعہ اور مجتہدین شریعہ وصحابۂ مرضیہ وتابعان طریقۂ مرتضویہ اور مجتہدین احکام اور راویانِ احادیث سید الانام اور حکمائے اسلام اور بزرگانِ ائمہ کلام وتمام علمائے اعلام وصوفیہ کرامت مقام وسلاطین صاحب اقتدار ووزرائے مملکت مدار اور امرائے عظام وشعرائے فصیح الکلام کے حالات لکھنے کا اہتمام کیا **نظم حافظ**:-

شد آنکہ اہلِ نظر برکنارہ می رفتند   ہزار گونہ سخن بر زبان ولب خاموش
زصوتِ چنگ بگوئیم آن حکایتہا   کہ از نہفتن آن دیگ سینہ می زد جوش
شراب خانگی از ترس محتسب خوردہ   بروے یار بنوشیم وبانگ نوشانوش

بہر حال بعد استخارہ کرنے اور فیض حضرت امیر المومنین ع سے مدد حاصل کرنے کے اس کتاب کے مرتب کرنے کا عزم بالجزم کر لیا اور **مجالس المومنین** نام رکھا اور اسکی قدر بڑھانے کے لئے بنام نامی حجت پروردگار امام روزگار قطب عوالم ہدایت خاتم سلسلہ ولایت خلیفۃ الرحمٰن صاحب العصر والزمان علیہ وعلیٰ ابائہ السلام سے معنون کیا۔ الحمد للہ کہ مثل قلوب اہل محبت ازدحام اغیار سے خالی اور مثل بہشت بریں کے ہر طرح کی نعمتوں سے مالا مال وممتلی ہے۔

اسکی ہر ہر مجلس حقیقت کے غنچوں اور ظرافت کے پھولوں سے رشک باغ جنان

اور غیرت دہ روضۂ رضواں ہے۔ یہ انہیں ارواح مقدسہ اور انفاس قدسیہ کی برکت ہے کہ جنکے حالات اسمیں مندرج ہیں۔

مثنوی

گلشنے از حقائق است الحق — چمنے بر شقائق است الحق

غنچہائے حدیقۂ ناز است — تازہ گلہائے گلشن راز است

شعلۂ شوق جاں گداز انست — زادۂ طبع پاک باز انست

آفتابیست چشم بد زو دور — آسمانیست پر کواکب و نور

نازنیں شاہدے بری از عیب — جلوہ گر آمدہ ز عالم غیب

یارب ایں نخل زندگانی را — تازہ رس میوۂ جوانی را

کہ بخونناب دیدہ پروردہ است — آب از جویبار دل خوردہ است

چوں نفس روح پرورش داری — تا ابد سایہ گسترش داری

امید ہے کہ یہ مجالس پرنور جو مثل بزم سرور و چمن غلمان و حور جلوہ گاہ سادہ رویاں شور انگیز و سیر گاہ ماہ رویاں بے تقیہ و پرہیز ہیں ناظرین کے لئے موجب یادآوری طریقۂ اثنا عشری و باعث یادگاری خاک نشین آن قوم **نور اللہ** ابن **شریف الحسینی** المرعشی الشوستری ہوں اور سبب دعائے مغفرت گستری قرار پائیں ومن اللہ التوفیق والامداد وبیدہٖ ازمۃ الہدایۃ والسداد

فاتحہ

تحقیق میں مطلق شیعہ و شیعۂ امامیہ اثنا عشریہ کی تعریف میں ہے چونکہ تقسیم بمنزلہ تعریف ہے لہذا مناسب معلوم ہوا کہ ایسی تقسیم کیجائے کہ اصول مذاہب اہل اسلام کے لئے ضابطہ قرار پائے اور اس تقسیم سے پہلے ایک مقدمہ کا لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جسمیں تمام بنی آدم کے مذاہب مختلفہ اختیار کرنیکی کیفیت درج ہو اور حاصل اس

مقدمہ کا وہی ہے جو محمد شہرستانی نے کتاب ملل ونحل میں لکھا ہے کہ یہ عالم انواع واقسام کے بنی آدم کے رہنے کی جگہ اور ہر بیش وکم پر اُنکے جھگڑنے کا میدان قرار پایا ہے اور معلوم ہے کہ ایک چیز کی محبت انسان کو اندہا اور بہرا کردیتی ہے ہر شخص اپنی خواہش کے موافق اپنے لئے ریاست وحکومت کا خواہشمند رہتا ہے اور اپنی خواہش کے مقابلہ میں دوسرے کی ضرورتوں کو کچھ نہیں سمجھتا اپنے مطلوب کے پانے کے لئے طرح طرح کے شبہے اور خودسری کے دلائل پیش کرتا ہے چنانچہ پہلا شبہہ جو عالم میں پیدا ہوا وہ شبہہ ابلیس کا تہا اُسکا باعث بہی وہی خودسری تہی کہ خدا کے حکم صریح کے مقابلہ میں اُسنے اپنے مادہ کی بہتری کا قیاس کیا اور کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں مجھکو تونے آگ سے اور اُن کو مٹی سے پیدا کیا اُسکے اس تکبر سے سات شبہے پیدا ہوئے بعد اس واقعہ کے تمام خلائق میں شبہات پہیل گئے چنانچہ ہر نبی کے انتقال کے بعد بعض علمار امت میں شبہے ظاہر ہوتے رہے کہ جس چیز کی اُن علمار کو محبت ہوئی اُسکو اُنہوں نے اختیار کرلیا اور اپنے دل کے گڑہے ہوئے دلائل سے خلائق پر ثابت کردیا یہانتک کہ دلائل عقلیہ ونقلیہ سے کتب خانے بہر دئے اور کلام پیمبر سے جو انکی رائے کے موافق نہ تہا اُسکی تاویلیں کرنے لگے اور جسکی تاویل نکرسکے اُسکا نام متشابہ رکہا اور یہ اختلاف ہمارے پیغمبر کی امت میں بہ نسبت دوسری اُمتوں کے زیادہ ہوا یہانتک کہ بمقتضاے حدیث ستفترق الخ ۷۳ فرقے ہوگئے چنانچہ جب آفتاب رسالت غروب ہوا لوگوں کے مزاجوں اور دلوں میں انحراف اور مخالفت کا مادہ فوراً پیدا ہوگیا اور جس قدر عہد رسالت سے بُعد ہوتا گیا حُب جاہ اور سلطنت کی آرزوئیں اور امامت اور بادشاہی کے ولولے دلوں میں زیادہ ہوتے گئے صاحبان عصمت وطہارت سے تو پہلے ہی خلاف ہوچکے تہے اب آپس میں بہی اختلاف پیدا ہوا اور جدال وقتال کی نوبت آئی اور طرح طرح کے مذہب مثلاً جبریہ وقدریہ

معتزلہ ماتریدیہ - حشویہ - وغیرہم ظاہر ہوئے اور تفصیل اُن شبہات کی کہ جنکے
سبب سے گمراہوں کو اشتباہ پیدا ہوا اہل کتاب کی کتابوں میں نیز مصنفات
علماء اسلام میں معہ رد اُن شبہات کے مذکور ہے واضح رہے کہ جیسے پہلا شبہہ
عالم کا شبہۂ ابلیس تھا کہ نص الٰہی کے مقابلے میں اس نے خودسری کی اُسی
طرح سے اسلام کا پہلا شبہہ شبہۂ عمر ابن الخطاب ہے کہ اُس نے بھی
نص رسالت پناہی کے مقابلے میں جب آپؐ نے دوات اور کاغذ مانگا ہے
خودسری کی اور کہا ان الرجل لیھذی حسبنا کتاب اللہ اور روایات میں بجائے
لیھذی کے لیھجر ہے مآل دونوں روایتوں کا یہی ہے کہ یہ مرد ہذیاں بک رہا ہے
ہمکو کتاب خدا کافی ہے اُنکے لکھنے کی حاجت نہیں ہے ہر سمجھدار بخوبی سمجھ سکتا
ہے کہ سوا اس خوف کے مبادا حضرت روز غدیر کی ولی عہدی کو ضبط تحریر میں
نہ لے آویں کوئی دوسری وجہ اس بے ادبی اور خودسری کی نہ تھی چنانچہ
مولانا فاضل عارف قطب الدین انصاری شافعی نے اپنی کتاب مکاتیب میں
ذکر کیا ہے کہ راہ بے رہبر کے نہیں ملسکتی اور یہ کہنا کہ جب کتاب خدا اور احادیث
رسول ہمارے پاس موجود ہیں اسمیں کسی مرشد کی کیا حاجت ہے مثل اُس بیمار کے قول
کی ہے کہ جو کہے کہ کتابیں طب کی موجود ہیں پھر ہمیں کسی طبیب کی طرف رجوع کرنیکی
کیا ضرورت ہے یقیناً یہ قول غلط ہوگا اسلئے کہ ہر شخص کو کتب طب کا سمجھنا اور
تشخیص مرض کرنا اور استنباط مسائل کر لینا ناممکن ہے یہی حالت احکام خدا کی
ہے اُنکی تحقیق کیلئے بھی اہل استنباط کی طرف رجوع کرنا لازم ہے جیسا کہ خدا فرماتا
ہے وَلَوْ رَدُّوہُ اِلَی الرَّسُولِ وَاِلٰی اُولِی الْاَمْرِ مِنْہُمْ لَعَلِمَہُ الَّذِیْنَ
یَسْتَنْبِطُوْنَہٗ مِنْہُمْ - اور کتاب حقیقی اہل علم کے سینے میں ہے جیسا کہ اللہ تعالے
فرماتا ہے - بَلْ ھُوَ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ - نہ کاغذ

کے اوراق میں جیسا کہ امیرالمومنین کا قول ہے کہ میں کلام اللہ ناطق ہوں اور یہ کلام اللہ صامت ہے فاضل مذکور کا کلام اس جگہ تک ختم ہوا اور اہل انصاف پر ظاہر ہے کہ اگر اُس قول مذکور کی رکاکت اور جناب پیغمبر خدا کی نسبت ہذیان کی تہمت سے قطع نظر ہی کیجائے باوجودیکہ تمام انبیا خصوصاً حضرت کسی شرعی حکم میں کہ منجملہ اُن کے امام کا قرار دینا بھی ہے بغیر وحی خدا کے کلام نہیں کرتے تھے جیسا کہ آیہ شریفہ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی اس پر دال ہے جب بھی یہ قرینہ عقلی کیا نہیں موجود ہے کہ اگر اُسکو فتنہ و فساد کی خواہش نہ تھی تو چاہیے تھا کہ بموجب ارشاد فوراً کاغذ و دوات حاضر کر دیتا بلکہ اگر کوئی دوسرا شخص حارج ہوتا تو اُنکو اُسکے خلاف ہوکر پوری کوشش کرتا اور حضرت کی تحریر حاصل کر لیتا تا کہ فاروقِ حق و باطل کا پورا مصداق ہو جاتا چہ جائے کہ مانع ہو اور پیغمبر خدا کے ساتھ اس بے ادبی اور بدتہذیبی سے پیش آیا کہ جسکا ذکر فریقین نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے چنانچہ اہل سنت کی صحاح ستہ میں موجود ہے کہ جب آنحضرت نے دوات و کاغذ طلب فرمایا اور عمر نے ایسی بدتہذیبی کے الفاظ کہے کہ جو لوگ موجود تھے اُنمیں نزاع ہونے لگی بعض کہتے تھے کہ کاغذ و دوات ضرور حاضر کرنا چاہیے اور بعض عمر کے موافق ہو گئے اور نہ لانے دیا یہانتک آوازیں بلند ہوئیں کہ آنحضرت کو آخر وقت ایسی اذیت و تکلیف پہونچی کہ اُس کوہ حلم اور دریائے خلق پر قہر و غضب کے آثار نمایاں ہوئے اور بالآخر یہ فرمایا کہ میرے پاس سے دور ہو یہاں پر جھگڑنے کا مقام نہیں ہے حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب اس واقعہ کو یاد کرتے تھے سیل اشک آنکھوں سے جاری ہو جاتی تھی اور اس قدر روتے تھے کہ سامنے کی زمین تر ہو جاتی تھی اور فرماتے تھے کہ بڑی مصیبت وہی تھی کہ رسول اللہ کو وصیت نامہ نہ لکھنے دیا کہ امت گمراہی سے بچ جاتی درحقیقت اُسوقت سے لیکر اب تک جتنے فسادات و گمراہیاں کہاں

امت میں ظاہر ہوئیں یہانتک کہ واقعہ مصیبت خیز کربلا ان سب کی علت و سبب یہی واقعہ تھا اور اُس شخص کے لئیے یہ گناہ عظیم عدم نجات کو کافی ہے اور جو کچھ اُسکے تابعین نے اس لفظ ہذیان کی تاویل کی ہے بعینہ مانند شبہات ابلیس کے ہے کہ کم عقل لوگ دہو کا کہا جائیں اسی طرح سے تمام اقوال و افعال اُن لوگوں کے جال و فریب سے بھرے ہوئے ہیں مثلاً لفظِ آل کی تاویل کرنا اور اسمیں تمام اُمت یا اصحاب کو داخل کرنا اور اُن آیات قرآنی اور احادیث نبوی کو جو آل اطہار کے فضائل میں وارد ہیں اپنی طرف منسوب کرنا یا اپنے بڑوں کے فضائل میں حدیثیں گڑھ لینا۔ یا بعض احادیث شریفہ کی اپنے مطلب کے موافق تاویل کرنا عاقل کے لیے جائے تعجب نہیں ہے جو شخص کہ نور ہدایت آئمہ اطہار سے مستفیض ہو چکا ہے اور اُن حضرات کی تاویل و تفسیر اور احادیث سے واقف ہے دہوکا نہیں کہا سکتا اس گروہ کے جتنے دلائل و براہین ہیں وہ سب مثل حجاج ابن یوسف کے وزیر کی تاویلوں کے ہیں کہ جب حجاج مرنے لگا تو بہت رو رہا تھا وزیر نے سبب دریافت کیا۔ جواب دیا کہ چونکہ میں نے اہلبیت اطہار اور آلِ رسول مختار پر بہت مظالم کئے ہیں اسی سے رو رہا ہوں۔ وزیر نے کہا کہ جو کچھ آپنے اپنی عمر میں کیا دلیل قائم کر کے کیا ہے سب جانتے ہیں کہ کوئی کام آپ کا بلا حجت و دلیل نہ تہا حجاج نے کہا کہ اگر روز قیامت بھی میں بادشاہ اور تو وزیر ہوا تو کام چل جائیگا۔ لیکن تامل کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وزیر اور امیر دونوں عذاب الیم جہنم میں مبتلا ہوں گے اور سب حجتیں و دلیلیں رکھی رہ جائینگی۔ حاصل کلام اِن لوگوں کی تمام دلیلیں اور تاویلیں ایسی ہی ہیں اور اس سبب سے ہیں کہ اسلام کی وقعت اُنکے دلوں میں جاگزین نہیں ہوئی تھی اور صریحی کفر کے اظہار کرنے کی حالت میں اُنکو سلطنت اور غلبہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا اس لئے کہ عام مسلمان ساتھ چھوڑ دیتے اور قریب کی سلطنتیں جو اسلام کے

مذہبی جوش کو دیکھ کر مرعوب ہوگئیں تھیں حملہ آور ہو جائیں لہذا عوام کو بہکا کر اپنا مطیع
بنانے کے لئے یہ تاویلیں اور دلیلیں ایجاد کی گئیں چنانچہ ہر عاقل و منصف پر واضح ہے
کہ آنحضرت کے زمانہ میں بھی یہ لوگ یہی انتظار کر رہے تھے کہ کب موقع پائیں اور اپنے
دل کے کینے نکالیں ادہر انکی آنکھ بند ہوئی اُدہر انہوں نے علم مخالفت اہلبیت بلند کیا
اور جو کچھ اُنکے بارہ میں آنحضرت کو فرماتے سُنا تھا اسکو بُھلا دیا اور لباس اتقیا اور
خلعت خلفا سے اپنے کو آراستہ کرکے ضعیف العقل جاہلوں کو اپنا مطیع بنا لیا اور
امر خلافت کو جو بعد مرتبۂ نبوت کے ہے حقداروں سے غصب کر لیا امت کے بہت سے
ضعیف العقول اور جاہل تو یہی دیکھکر دہوکا کھا گئے کہ چونکہ بہت سے لوگ انکی طرف
ہیں اور انہیں اپنا مقتدا اور پیشوا سمجھتے ہیں لہذا معلوم ہوتا ہے کہ حق انہیں کیطرف
ہے اور بہت سے لوگوں نے دہوکا نہیں کھایا بلکہ محبت مال و جاہ دنیا نے اُنہیں
اطاعت پر مجبور کیا اور بہتوں کو زمانہ حضرت رسول ہی میں علیؑ ابن ابیطالب علیہ السلام
سے کینۂ دیرینہ تھا جسکا سبب بعضوں میں محض حسد تھا جو عموماً ایک مقرب سلطان
سے ہوا کرتا ہے۔ اور بعضوں میں خاندانی عداوت اسکا سبب واقع ہوئی جو بسبب
بنی اُمیّہ اور بنی ہاشم کی قدیم رقابت درباب تولیت خانۂ کعبہ و ریاست قریش کے تھی
یا اس وجہ سے کہ حضرت نے بعض صحابہ کے ممبران خاندانی کو جہاد میں قتل فرمایا تھا
چنانچہ یہی عداوت مدت العمر باقی رہی یہانتک کہ جب حضرت کو خلافت ظاہری حاصل
ہوئی اُس وقت بھی بعضوں نے بیعت نہیں کی اور بعضوں نے بیعت کرنے کے بعد
فسخ کردی اور طلحہ اور زبیر اور معاویہ کے ہمراہ ہوگئے اور آپ سے جنگ و جدل پر
آمادہ ہوئے چنانچہ کُتب سیر میں مذکور ہے کہ قریش کے اٹھارہ قبیلوں میں سے صرف
پانچ قبیلے حضرت کے ساتھ اور تیرہ معاویہ کے ہمراہ تھے۔
اب وہ حضرات غور فرمائیں کہ جنہیں تعجب ہوتا ہے کہ اکثر مسلمان اور جمہور صحابہ امر باطل کیطرف

کیونکر ہو گئے امیر المؤمنین علیہ السلام چوتھی خلافت بنابر قواعد اہل سنت بھی حق ہے پھر اس حق کو چھوڑ کر تیرہ قبائل قریش نے باطل کا ساتھ کیوں دیا جس طرح سے کہ آخر میں صحابہ نے حق کو ناپسند کیا اور باطل کو پسند کر لیا اگر ایسا ہی واقعہ اوائل میں ہوا تو کیا تعجب ہے اس سے بھی واضح تر ملاحظہ ہو کہ تمام مسلمانوں کو اسکا علم تھا اور ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام جناب پیغمبر خدا کے محبوب نواسے تھے اور انکا قتل کرنا خدا اور رسول کی ناگواری کا باعث تھا مزید بر اں ذریت رسول کا اسیر کرنا گناہ عظیم تھا باوجود اسکے اکثر اولاد صحابہ اور مشاہیر تابعین نے دنیائے چند روزہ کے لئے اس گناہ عظیم کو اپنے سر لے لیا اور ہتک حرمت رسول کی کچھ پرواہ نہ کی انکے بزرگوں نے جن مظالم کی ابتدا کی تھی وہ انہوں نے انتہا تک پہونچا دئے (اگر پدر نتواند پسر تمام کند) اگرچہ بعض اُن میں کے خود قائل تھے کہ یہ گناہ عظیم موجب عذاب ابدی ہے۔ چنانچہ عمر ابن سعد ابن وقاص کے اشعار پورے طور پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ اس گناہ کی سزا میں عذاب ابدی کا قائل تھا اسکے اشعار مع ترجمہ نذر ناظرین ہیں۔

فواللہ ادری وانی مصادق	افکر فی امری علی خطرین
اتترک ملک الری والری منیتی	ام اصبح ماثوما بقتل حسین
وفی قتلہ النار التی لا طیقھا	ولکن لی فی الری قرۃ عینی
وثقلیتی للری ملک معجل	وما عاقل باع الوجود بدین

کسی نے ان اشعار کا ترجمہ فارسی میں نظم کیا ہے وھو ہذا

نظم

گشت واقع بمن ز حادثہ دہر دو کار	کہ ازیں ہر دو بفکرم بخدائے کونین
آن یکے تولیت وسلطنت ملک رے	آن دگر اثم عقاب وخطر قتل حسین
قتل آن موجب نارست ومرا طاقت آن	نبود لیک زرے ہست مرا قرۃ عین
آتش قتل حسین نسیہ ورے دولت نقد	ہیچ عاقل ندہد دولت موجود بدین

جبکہ ہم دنیا کے مذاہب مختلفہ کا سبب اختلاف بیان کر چکے تو اب ایک ایسا

ضابطہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جسمیں تمام مذاہب اسلامیہ کی تقسیم ہو سکے واضح ہو کہ جو گروہ محسوس و معقول کا قائل ہے اور احکام عقلیہ کو معتبر سمجھتا ہے اور تمام انبیا کی شریعتوں کا معہ شریعت جناب ختمی مآب معتقد ہے اور اس امر کا بھی اعتقاد رکھتا ہے کہ شریعت آنحضرت کی تمام شرائع سابقہ کی ناسخ ہے اُس گروہ کو مسلمان کہتے ہیں۔

پھر مسلمانوں میں سے۔ ایک جماعت ایسی ہے جو معرفت الہی حاصل کرنے کے لئے غور و فکر اور عقل سے کام لیتی ہے اور ایسے لوگوں کو متکلم کہتے ہیں اور دوسری جماعت تحصیلِ معرفت میں ریاضت اور تصفیہ باطن کو اپنا شیوہ قرار دیتی ہے اور اس گروہ کو صوفی کہتے ہیں۔ پھر ان دونوں گروہوں کی ہمارے زمانہ میں دو قسمیں ہیں ایک شیعہ اثنا عشری دوسرے سُنی۔ اور سُنیوں کی کئی قسمیں ہیں۔ اشعری اور ماتریدی اور معتزلی علاوہ اسکے اور فرقے شیعہ اور سُنی میں تھے وہ تقریباً تین سو سال سے نیست و نابود ہو گئے ہیں اس زمانہ میں انکا کوئی نام و نشان باقی نہیں رہ گیا۔[۱]

شیعہ اُسے کہتے ہیں کہ جو جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ کے بعد حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو خلیفہ بحق جانیں۔ اور سُنی وہ ہے کہ جو ابو بکر کو خلیفہ حق مانے امامیہ اثناعشریہ اثنا عشریہ وہ لوگ ہیں جو بنا بر تفصیل جو بعد میں مذکور ہوگی بارہ اماموں کی امامت کے قائل ہوں اور انکا قول ہے کہ چونکہ اس عالم میں مختلف قومیں آباد ہیں اور اُن سب کے خیالات ایک دوسرے کے مخالف ہونے کی وجہ سے آئے دن جھگڑے اور فسادوں کے باعث ہو سکتے ہیں لہذا اس عالم کو ایک حجۃ خدا سے خالی نہ رہنا چاہیئے

۱؎ چونکہ مصنف علیہ الرحمہ شاہانِ صفویہ کے عہد میں تھے بہت ممکن ہے کہ اُس زمانہ میں ملک ایران سوائے شیعہ و سنی کے فرقہائے مذکورہ اور فرقوں سے خالی رہا ہو اور چونکہ ذرائع آمد و رفت اور وسائل اطلاع اُس زمانے میں بہ نسبت زمانہ حال کے بہت کم تھے لہذا مصنف علیہ الرحمۃ کا مطلع نہ ہونا قابل اعتراض نہیں ہے
سید محمد شبیر

خواہ وہ حجت خدا نبی ہو یا وصی نبی اور بعد حضرت خاتم النبیین کے سوا اُن حضرت کے
اوصیا کے اور دوسرا حافظ شریعت نہیں ہو سکتا خواہ وہ ظاہر ہوں یا غائب تاکہ
کتابِ خدا اور دین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی حفاظت کرتے رہیں اور یہ نہایت صاف
دلیل اس امر کی ہے کہ ہر زمانہ میں ایک امام معصوم کا وجود ضروری ہے چنانچہ مولانا
قطب الدین شیرازی انصاری نے اپنی بعض تحریرات میں اعتراف کیا ہے کہ جب
بابِ نبوت بند ہو گیا اور وحی منقطع ہو گئی تو زمین نے خداوند عالم سے شکایت کی۔
جناب باری نے زمین پر وحی نازل فرمائی کہ ساکن رہ اگر میں نے تجھ پر نبی نہیں رکھا
تو ایسے لوگوں کو تجھ پر رکھونگا جنکے دل مثل نبیوں کے دل کے ہونگے حدیث میں
وارد ہے کہ زمین کہتی ہے کہ مجھ سا کون ہے درحالیکہ علیؑ میری پشت پر چلتے ہیں حجت
خدا زمین سے منقطع نہیں ہو سکتی ہمیشہ زمین پر ایک نور آسمانی کا ہونا ضروری ہے
کہ جس طرح سے (دابۃ الارض) کے ذریعہ سے مومن و کافر کا امتیاز ہوتا ہے اسیطرح
اُسکے ذریعہ سے فرمانبردار اور نافرمان کا امتحان ہوتا رہے یہی وجہ تھی جو علی علیہ السلام
نے فرمایا کہ میں دابۃ الارض ہوں انتہی کلامہ جب دلائل عقلیہ اور اعتراف خصم سے
ثابت ہو چکا کہ ایک حجت خدا کا وجود ہر زمانہ میں ضروری ہے تو ہم کہتے ہیں کہ بعد ہمارے
پیغمبرؐ کے امامت بارہ شخصوں میں بدلائل عقلیہ و نقلیہ منحصر ہے منجملہ اُن دلائل عقلیہ
کے ایک وجوب عصمت امام ہے تاکہ اُسکی اطاعت ہر امر و نہی میں کیجا سکے اگر ایسا
نہوا تو اُس امام کی اصلاح کے لئے دوسرے امام کی ضرورت ہوگی۔ اور اگر وہ امام بھی معصوم
نہوا تو تیسرے کی ضرورت ہوگی اور اسیطرح یہ تسلسل غیر متناہی ہو جائیگا جو قطعاً
باطل ہے لہذا امام کے معصوم ہونیکی ضرورت ہوئی اور سوائے ہمارے بارہ اماموں کے اور
کوئی معصوم نہ تھا۔ اور دلیل نقلی کہ جسمیں اس انحصار کی تصریح ہے وہ جناب پیغمبر خدا
کا قول ہے جسکی روایت مسلم اور حمیدی اور انکے علاوہ بہت بڑے بڑے محدثین

اہل سُنت نے کی ہے جسکا ترجمہ نذر ناظرین ہے (**روایت اوّل**) بتحقیق کہ یہ امر نہ ختم ہوگا جب تک کہ ان میں ایسے بارہ خلیفہ کہ جو سب قریش سے ہوں نہ گذرلیں (**روایت دوم**) ہمیشہ یہ امر قائم رہے گا یہانتک کہ قیامت آوے اور ان میں بارہ خلیفہ ہوں جو سب قریش سے ہوں (**روایت سوم**) اسلام غالب و عزیز رہے گا بارہ خلیفہ تک جو سب قریش سے ہوں گے ۔

اسکے علاوہ اسی مضمون میں اہل سُنت کی اور بہت سی احادیث ہیں کہ جن میں موافق عقائد امامیہ کے تصریح ہے کہ خلفا اور ائمہ بعد جناب رسالتمآب کے بارہ ہیں اور یہ بھی ہے کہ بارہویں امام کی عُمر اسقدر طولانی ہوگی کہ جبتک زمانۂ تکلیف باقی ہے یعنی جبتک واجبات محرمات رہیں گے وہ حضرات بھی زندہ رہیں گے یہانتک کہ قیامت آوے اور خلاصہ اس دلیل کا یہ ہے کہ جب احادیث اہل سُنت میں اس امر کی تصریح ہے کہ بارہ اماموں کا قریش سے ہونا اور انکا قیامت تک رہنا ضروری ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ سوائے گروہ امامیہ اثنا عشریہ کے اور کوئی فرقہ بارہ اماموں میں امامت کے منحصر ہونے کا قائل نہیں ہے صرف یہی فرقہ ایسا ہے جو امامت کو بارہ ائمہ معصومین میں جو قریشی بھی تھے اور ذرّیت حضرت رسول تھے منحصر قرار دیتا ہے بلکہ سوائے اُن بارہ کے اور کسی میں امامت منحصر نہیں ہوسکتی اس لئے کہ امام کا معصوم ہونا عقلاً ضروری ہے ۔ اور سوائے ان حضرات کے کسی دوسرے کی عصمت کا کسی نے دعوےٰ بھی نہیں کیا چہ جائیکہ اثبات ۔ اور فرقہ شیعہ اثنا عشریہ کی کتابوں میں بہت سی احادیث صحیحہ اور روایات صریحہ اس باب میں موجود ہیں ۔ اور کسی عاقل منصف پر پوشیدہ نہیں رہ سکتا کہ احادیث مذکورہ اہل سُنت سے شیوخ ثلثہ اور حضرت امیر علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام کو شامل کرکے دیگر سات شخصوں کو بنی امیہ میں سے مراد لیکر بارہ کا عدد پورا کرنا سخت غلطی ہے بلکہ موجب کفر و عناد ہے اگرچہ کتاب فصل الخطاب

اور تاریخ الخلفا میں شیخ جلال الدین سیوطی نے اور انکے علاوہ اور کتابوں میں دیگر علماء اہل سُنت نے ایسا ہی لکھا ہے لیکن یہ کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا اس لئے کہ خود اہلِ سُنت سوائے چاریار کے کسی کو خلیفہ نہیں کہتے اور بعض امام حسن علیہ السلام کو بھی خلیفہ مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بعد اِنکے پھر بادشاہت ہے اور راسیطرح سے بظاہر کوئی مسلمان اسکا قائل نہو گا کہ یزید پلید شراب خوار خلیفہ برحق اور امام اُمّت تہا درحالیکہ اُس ملعون نے جو جو ظلم حضرت امام حسین علیہ السلام اور اہلبیت اور اصحاب آنحضرت پر کئے کہ جنمیں صحابہؓ اور تابعین دونوں طرح کے لوگ تہے ظاہر ہیں اور اسی طرح سے بعد امام حسین علیہ السلام کے شہید کرنے کے اہلبیت رسولؐ کو قید کرنا اور دربدر پہرانا اور سر دربار کُھلانا پہر مدینہ طیبہ کا لوٹنا اور اہل مدینہ کو قتل و اسیر کرنا مسجد نبوی کی ہتک حرمت اور حضرت امیر علیہ السلام پر سب و شتم کا حکم برسر منبر دینا یہ سب مظالم ایسے تہے کہ مسلمانوں کا کیا ذکر ہے انصاف پسند کفار بہی ایسے شخص کو نفرت کی نگاہ سے دیکھینگے اور خلیفہ رسولؐ و امام اُمّت ہونا تو درکنار بادشاہ دینوی بہی قرار نہ دینگے اور ولید ابن یزید زندیق کہ جس نے کلام مجید کو پھاڑ ڈالا شیخ جلال الدین سیوطی کا بارہواں خلیفہ ہے کیا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ یزید و ولید ایسے اشخاص سے اسلام کی عزت باقی رہی۔ اور اگر ترتیب کا اعتبار نہ کریں اور بقیہ سات خلفا کو سلاطین بنی اُمیہ و بنی عباس میں سے قریب بصلاحیت دین دیکھکر منتخب کریں تو یہ اُس سے بہی زیادہ غلطی ہوگی اسلئے کہ احادیث رسولؐ سے خلفا کا پے درپے ہونا ظاہر و متبادر ہوتا ہے چنانچہ ان تاویلات کے فاسد ہونے کے سبب سے خود ملا فصیح دشت بیاضی نے باوجودیکہ وہ متعصبین اہل سنت سے ہیں بعض کتابوں میں اس طرف اشارہ کیا ہے اور کہا ہے (ھذا اما قالوہ ولکن لا مقنع فیہ) یعنی یہ لوگوں نے کہا ہے لیکن اس میں کوئی تسکین وہ بات نہیں ہے۔ اور دلیل اس امر پر کہ مراد خلیفہ قریشی سے

احادیث رسولؐ میں وہ قرشی ہاشمی ہے کہ جو اہلبیت رسولؐ سے ہو نہ وہ لوگ کہ جنہیں اہل سنت کہتے ہیں یہ ہے کہ احمد ابن حنبل نے کہ جو اہل سنت کے چار اماموں میں سے ایک امام ہیں حضرت عباس ابن عبد المطلب سے روایت کی ہے کہ مجھ سے رسول اللہ نے فرمایا کہ اے چچا میری اولاد سے بارہ خلیفہ مالک ہونگے پھر خروج کریگے میری اولاد سے مہدیؑ کہ جنکے کام کو اللہ ایک ہی رات میں درست کردیگا اور شیخ ابن حجر نے کتاب صواعق محرقہ میں روایت کی ہے کہ ہر زمانہ میں امت کے لئے عادل لوگ ہوا کرینگے میرے اہلبیت سے جو اس دین سے گمراہونکی تحریف اہل باطل کی جھوٹی نسبتوں اور جاہلوں کی تاویلوں کو دور کرتے رہیں گے آگاہ ہو کہ ...... یقیناً تمہارے آئمہ خداوند عالم کی خدمت میں تمہارے سفیر ہیں پس غور کرو کہ تم کس کو اپنا سفیر بناتے ہو اور اسی قبیل سے ہے وہ حدیث مشہور کہ جسکی صحت کے فریقین قائل ہیں کہ فرمایا آنحضرتؐ نے کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ جب تک تم اس سے تمسک کروگے گمراہ نہو گے اور وہ کتاب خدا اور میرے اہلبیت ہیں اور یقیناً یہ دونوں ہرگز کبھی ایک دوسرے سے جُدا نہو نگے یہانتک کہ میرے پاس حوض پر وارد ہوں اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی زمانہ اہلبیت رسولؐ کے ایک ایسے شخص سے کہ جو حافظ کتاب خدا ہو یعنی اسکے الفاظ و معانی کی پوری حفاظت کرے خالی نہیں رہسکتا اور ایسا ہی شخص امام ہے اور امامیہ اثنا عشریہ کے یہاں تو بہت سی احادیث صحیحہ اس بارہ میں موجود ہیں کہ خلفائے رسولؐ سوائے ان بارہ ائمہ کے جو ذریت رسولؐ سے ہیں کوئی اور نہیں ہوسکتا منجملہ ان روایات کے وہ روایت ہے جسکو جناب زین الملۃ والدین علی ابن عبد الحمید الحسینی النجفی قدس سرہ نے شرح مصباح المجتہدین مقتدار انام شیخ ابو عبد اللہ محمد مفید رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے اور شیخ مفید ممدوح نے امام ہمام بحر الحقائق جعفر ابن محمد الصادق علیہ السلام سے روایت کی ہے

کہ حضرت نے فرمایا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ والہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے جبرئیلؑ نے
جناب رب العزت جل جلالہ کی طرف سے بیان کیا کہ اسنے فرمایا ہے جو شخص جان لے کہ سوا میرے کوئی خدا نہیں
ہے اور محمدؐ میرے بندہ اور میرے رسولؐ ہیں اور علیؑ ابن ابیطالب میرے خلیفہ ہیں اور ائمہ انکی اولاد سے
میری حجتیں ہیں تو میں اسکو جنت میں داخل کرونگا اور اپنی عفو کے سبب سے اسکو جہنم سے نجات دونگا اور اپنی
ہمسائیگی اسکے لیے مباح کرونگا اور اپنی امت اسکے لیے واجب کرونگا اور اپنی نعمت اسپر تمام کرونگا اور اپنے خاص
اور خالص لوگوں میں قرار دونگا اور اگر وہ مجھے پکاریگا لبیک کہونگا اور جو دعا کریگا قبول کرونگا اگر مجھسے سوال کریگا
عطا کرونگا اور اگر وہ خاموش رہیگا تو میں خود ابتدا کرونگا اگر گناہ کریگا تو میں اسپر رحم کرونگا اور اگر مجھسے بھاگے گا تو
میں خود اسے بلاؤنگا اور اگر میری طرف رجوع کریگا تو میں اسے قبول کرونگا اور اگر میرا دروازہ کھٹکھٹائیگا کھول دونگا اور
جو شخص میری وحدانیت کی شہادت نہ دے یا شہادت دے اور اسکی شہادت نہ دے کہ
کہ محمدؐ میرے بندہ اور رسول ہیں یا (اسکی بھی) شہادت دے اور (اسکی) شہادت نہ دے کہ علیؑ
ابن ابیطالب میرے خلیفہ ہیں یا (یہ بھی) شہادت دے اور (اسکی) شہادت نہ دے کہ
آئمہ میری حجت ہیں تو اسنے میری نعمت کا انکار کیا اور میری عظمت کو جھوٹا کیا اور میری آیات
اور کتب کا کفر کیا اگر وہ میرا قصد کریگا تو میں اسے روک دونگا اور اگر مجھ سے سوال کریگا تو
میں اسکو محروم کر دونگا اور اگر وہ مجھے پکاریگا میں اسکی آواز نہ سنونگا اور اگر مجھ سے دعا کریگا
میں اسکی دعا قبول نہ کرونگا اور اگر مجھ سے امید کریگا میں اسے ناامید کر دونگا اور یہ اسکی
جزا ہے میری طرف سے اور میں بندوں پر ظلم کرنیوالا نہیں ہوں - پس جابر ابن عبداللہ انصاری
نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ یا رسولؐ اللہ اولاد علیؑ ابن ابیطالب علیہ السلام میں سے آئمہ
کون ہیں پس حضرت نے فرمایا کہ حسنؑ اور حسینؑ جو سردار ہیں جوانان اہل بہشت کے پھر اپنے
زمانہ کے عبادت گزاروں کا سردار علیؑ ابن الحسینؑ - پھر باقر محمد ابن علیؑ اے جابر تم
عنقریب ان تک پہونچو گے پس جسوقت انکے پاس پہونچنا میری طرف سے انکو سلام کہنا -
پھر جعفر ابن محمدؑ الصادق پھر الکاظم موسیٰ ابن جعفرؑ - پھر الرضا علیؑ ابن موسیٰ - پھر التقی محمدؑ ابن علیؑ -

پھر النقی علیؑ ابن محمدؑ- پھر الزکی الحسنؑ ابن علیؑ- پھر اُنکا فرزند جو حق کے ساتھ قائم ہوگا اور میری امت کا مہدیؑ ہوگا زمین کو عدل و قسط سے ایسا ہی بھر دیگا کہ جس طرح سے جور و ظلم سے بھر گئی ہوگی اے جابر یہی لوگ میرے خُلفا اور میرے خالص لوگ اور میرے اولیا اور میری عترت ہیں جس نے انکی نافرمانی کی تو اُسنے میری نافرمانی کی اور جس نے انئیں سے ایک کا بھی انکار کیا تو اُسنے میرا انکار کیا اُنہیں کے سبب سے آسمان زمین پر گرنے سے تھما رہے گا لیکن باذن خدا انہیں کے سبب سے زمین اپنے اہل کو متنزلزل کرنے سے رُکی ہوئی رہیگی اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ جس نے انکی ولایت ہمیں عطا کی اور اُنکا پیرو بنا کر ہم پر احسان کیا اور ہمیں یہ یقین عطا فرمایا کہ حق اُنہیں کا ہے اور اُنہیں کے ساتھ ہے اور اُنہیں میں ہے اور اُنہیں کے پاس ہے اے اللہ درود و سلام بھیج اُن پر اور اُنکی کشائش کا زمانہ جلدی لا اور ہمکو اُنکے انصار اور اعوان میں قرار دے اور اُنہیں کی محبت پر ہمکو زندہ رکھ اور اُنہیں کی مودت پر موت دے اور اُنہیں کے گروہ میں ہمیں محشور فرما واسطہ اُنکے حق اور حرمت کا جو تیرے نزدیک ہے اور تیرے حق و حرمت کا جو اُنکے نزدیک ہے آمین یارب العالمین منجملہ اُن احادیث کے وہ حدیث متواتر اور مشہور بھی ہے کہ جو جناب رسالتمآبؐ نے امام حسینؑ کیطرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ میرا فرزند امام ہے بیٹا امام کا ہے بھائی امام کا ہے والد ۹ نو اماموں کا ہے جنمیں کہ نویں انکے قائم ہیں اور مراد قائم سے امام اور پیشوائے زمان محمد ابن الحسن المہدی ہیں کہ جو خاتم اوصیاے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ ہیں اور حضرت زندہ اور قائم ہیں اور بہت سی ایسی حکمتوں اور مصلحتوں کی وجہ سے کہ جنمیں کی بہت کم مصلحتیں لوگوں پر ظاہر ہیں اور بقیہ مصالح مخفی ہیں کہ جنکا تصور نہیں ہو سکتا۔ حضرت غائب ہیں لیکن باوجود غائب ہونیکے شریعت اسلام کے محافظ ہیں کہ کسی طرح کا خلل احکام مذہبی میں نہیں پڑ سکتا یعنی کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ تمام علماء مذہب کسی حکم باطل پر اجماع کرلیں یہی وجہ ہے کہ جو ابتک باوجود کثرت مخالفین کے مذہب حق میں

کسی قسم کا نقص نہیں واقع ہوا اور اجماع فقہا اسی وجہ سے حجت ہے کہ اگر وہ باطل ہوتا تو امام علیہ السلام کسی نہ کسی صورت سے اسکے خلاف قول بحجت و دلیل ظاہر فرما دیتے چنانچہ بارہا ایسا فرمایا بھی ہے اسیوجہ سے بعض ائمہ کرام سے منقول ہے کہ زمانہ غیبت مہدی موعود میں لوگونکو وہی فائدہ ہوگا جو روز ابر میں آفتاب سے چنانچہ مولوی روم نے مثنوی معنوی میں اسیطرف اشارہ کیا ہے **بیت**

در بشر روپوش آمد آفتاب ــــــ فہم کن واللہ اعلم بالصواب

منجملہ اُن حِکَم و مصالحہ کے جو آنحضرت کے غیبت میں ہیں ایک یہ مصلحت ہے کہ مومنین صاحب یقین صلب کافران بیدین و منافقان و مخالفان معاندین سے پیدا ہولیں جیسا کہ اکثر ہوتا رہتا ہے اسلیے کہ حضرت شمشیر کے ساتھ ظہور فرمائیں گے اور ہر اُس شخص کو جو پہلے سے ایمان نہ لاچکا ہو قتل فرمائیں گے جیساکہ آیہ کریمہ یوم یاتی بعض آیات ربک لا ینفع نفساً ایمانہا سے ظاہر ہوتا ہے پس اگر حضرت ابھی ظہور فرمائیں تو وہ مومنین جو کافروں کی صلب میں ہیں پیدا نہ ہوسکیں گے الغرض حضرت کی غیبت میں بھی بڑے بڑے منافع ہیں جو کم از کم ایک قریشی فقیر جاہل محض (جسکو نہ کوئی اختیار ہے نہ کوئی حشمت و جاہ نہ اُسکا حکم ہی کوئی مانتا ہے) کے حضور سے بڑھکر ہیں کہ جسکی بیعت کو شارح مقاصد نے واجب جانا ہے اور کہا ہے کہ انکی بیعت کے سبب سے انسان حدیث مشہور (من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتة الجاهلیه) کے مصداق ہونے سے بچ جاتا ہے اور اسکے سبب سے ہمارے ائمہ کے اوپر اعتراض نہیں وارد ہوسکتا اسلیئے کہ وہ خداوند عالم کی طرف سے خلیفہ و حاکم مقرر ہوئے تھے اگر کسی نے انکا حق غصب کرلیا تو انکی شان میں کوئی کمی نہیں واقع ہوئی انکی مثال بعینہ انبیا کی مثال ہے امتوں نے انکی تکذیب کی ہزار طرح کی ایذا رسانی کی یہانتک کہ بہت سے انبیا مظلوم ہوکر شہید ہوگئے جس پر کہ کلام مجید شاہد ہے لیکن ان باتوں سے کسی نبی کی نبوت نہیں باطل ہوئی اس لیئے

کہ حکم خدا سے تھی اسیطرح سے آئمہ اثنا عشر علیہم السلام کی اقامت بھی چونکہ حکم خدا سے ہے مظلوم ہونے سے اُنمیں کوئی نقص نہیں پڑتا چنانچہ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مظلوم ہونیسے مومن کے لیے کوئی بُرائی نہیں ہے جب تک کہ اُسے اپنے دین میں شک نہو اور اپنے یقین میں تزلزل نہو اور حضرت عمار ابن یاسر رحمہ اللہ روز جنگ صفین فرماتے تھے۔

اور یہ امر کہ معاندین متابعت شریعت شریفہ کی نہیں کرتے اسکا گناہ اُنہیں کی گردن پر ہے اُنکا یہی عناد ایک بڑا سبب حضرت کی غیبت کا ہے اور اکثر انبیا اور اوصیا کے زمانہ میں ایسے ہی امور واقع ہوئے ہیں اور وہ لوگ اپنی امت سے غائب ہو گئے ہیں اور مدتوں غائب رہے ہیں اور اُنکی قوم نے اُنکے احکام پر عمل نہیں کیا ہے اور یہ اعتراض کرنا کہ ایک شخص کی عمر اسقدر طولانی کیونکر ہو سکتی ہے محض عناد کے سبب سے ہے اسلیئے کہ خود مخالفین بعض انبیا کے متعلق اس سے بھی زیادہ طول عمر کے قائل ہیں مثلاً حضرت نوحؑ کی عمر ڈہائی ہزار برس کی تھی اور حضرت خضرؑ کے متعلق قائل ہیں کہ جناب موسیٰؑ کے زمانہ سے اسوقت تک زندہ ہیں اسیطرح سے بعض اور انبیا بھی ہیں کہ جنکے طول عمر کا حال ہماری اور اُنکی دونوں کی کتب اور روایات میں مذکور ہے اور انبیا کے متعلق اور اُنکی طول عمر ہونے کی نسبت جو وجوہ اور دلائل وہ بیان کرینگے وہی وجوہ اور دلائل بلکہ اُس سے بہتر اور اہم حضرت صاحب العصر علیہ السلام کے متعلق بیان کر سکتے ہیں نیز یہ روایت بھی متفق علیہ فریقین ہے کہ جناب رسالت مآب نے فرمایا کہ جو کچھ گلی امتوں میں ہوا ہے میری امت میں بھی ہوگا جس طرح سے کہ ایک جوتی کا تلہ دوسری جوتی کے تلہ پر ایک تیر تمار دوسرے تیر تمار پر پورا پورا منطبق ہو جاتا ہے پس لازم ہوا کہ اس امت میں بھی کچھ اشخاص کی عمریں طولانی ہوں اور جسطرح سے پچھلی اُمتوں میں مشاہیر اور سرداران خلق کے لیے یہ بات حاصل ہوئی اسیطرح سے اس اُمت کے مشہور اور سردار کے لیے بھی یہ امر

ہو۔ اور جناب صاحب الزماں سے بڑھکر کون مشہور ہے اور اُن سے زیادہ کس کو سروادی
حاصل ہے علاوہ بریں مخالفین کی بنار شکوک خود اُنہیں کی اُس روایت سے منہدم ہوتی ہے
جو اُنہوں نے دجّال کے متعلق اپنی کتابوں میں نقل کی ہے کہ دجّال صیاد یہودی کا بیٹا
حضرت رسالت پناہ کے زمانہ میں پیدا ہو چکا تھا اور اب تک بعض جزیروں میں زندہ موجود
ہے اور وقت کا منتظر ہے جبکہ ایک شخص باطل اتنے زمانہ تک موجود ہے اور انتظار کر رہا ہے
تو ایک شخص حق کے زمانۂ طولانی تک موجود و قائم رہنے میں کونسا استبعاد ہے بلکہ ہر باطل
کے مقابلہ میں ایک حق کا وجود اسقدر ضروری سمجھا گیا ہے کہ مثل مشہور ہوگئی۔ ہر فرعونے
را موسیٰ۔ الغرض مخالفین کے شکوک اور استبعادات کوئی وقعت نہیں رکھتے خصوصًا
ایسی حالت میں کہ جب حضرت کی طول عمر پر بکثرت دلائل عقلیہ و نقلیہ موجود ہیں اب رہی
یہ بات کہ ائمہ بارہ ۱۲ ہی کیوں ہیں اسکا جواب سابق کی احادیث و روایات سے جو متفق علیہ
فریقین ہیں معلوم ہو چکا اور یہ بھی ظاہر ہو چکا کہ کوئی زمانہ امام سے خالی نہیں رہ سکتا۔ اور یہ
بھی معلوم ہے کہ گیارہ امام یکے بعد دیگرے گذر چکے ہیں اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ بارھویں
امام کی عمر طولانی ہوگی اور تا قیام قیامت حضرت زندہ رہیں گے پس ضروری ہوا کہ تعداد ائمہ
کی بارہ سے زیادہ نہو علاوہ اسکے خداوند حکیم کی مصلحتوں سے کوئی واقف نہیں ہے کہ اُسنے
کیوں بارہ ۱۲ کے عدد کو پسند فرمایا اسکے متعلق ہم جو دلائل بیان کر سکتے ہیں بہت ممکن ہے کہ
اُسکے علاوہ بھی کچھ اور وجوہ ہوں منجملہ اُن وجوہ کے جو موید اس حصر کی ہیں ایک وجہ یہ بھی ہے
کہ حضرت آدم سے لیکر جناب ختمی مآب تک چھ پیغمبر صاحبان شریعت گزرے ہیں ان میں
سے ہر ایک کے بارہ بارہ وصی تھے جو دوسری شریعت کے نازل ہونے تک اپنے نبی کی شریعت کی
حفاظت کرتے رہے۔ لہٰذا حضرت ختمی مرتبت کی حفاظت شریعت کے لیئے بھی بارہ
ہی اوصیا کا ہونا مناسب معلوم ہوتا ہے بقولہ تعالیٰ سنۃ اللّٰہ الّتی قد خلت من قبل
ولن تجد لسنۃ اللّٰہ تبدیلا۔ اور اسمار مبارک ان انبیار سابقین کے جو صاحبانِ شریعت

تھے یہ ہیں حضرت آدمؑ صفی اللہ حضرت نوحؑ نجی اللہ حضرت ابراہیم خلیلؑ اللہ۔ حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ۔ حضرت عیسیٰؑ روح اللہ حضرت محمدؐ مصطفےٰ حبیب اللہ ان میں سے ہر ایک کے بارہ بارہ وصی تھے اُن سب کے اسمار مبارکہ بہی کتاب جامع الانوار سید متالہ آملی اور تاریخ جہان آرا ے قاضی احمد غفاری وغیرہ میں تفصیلاً مذکور ہیں۔ اور اسیطرح اگر عالم علوی کو عالم سفلی کے ساتھہ مطابق کریں جیسے سبعۂ سیارہ کے لیئے بارہ بارہ برج ہیں کہ وہ ستارے ہمیشہ انہیں برجوں میں گردش کرتے رہتے ہیں اسیطرح ان انبیار سلف کے لئے بہی کہ جو زمین پر ہدایت اور تنویر وغیرہ میں مثل سبعہ سیارہ کے ہیں بارہ امام ہونے ضروری ہیں کہ امور شرع انہیں بارہ اماموں میں گردش کرتے رہیں اور یہ مثال معمولی نہیں بلکہ اکثر مشائخ صوفیہ نے بہی ایسی ہی مثال دی ہے، چنانچہ شیخ محی الدین عربی نے اپنی کتاب فتوحات میں لکھا ہے کہ درمیان آسمان ہشتم اور نہم کے ایک قصر ہے جسمیں بارہ برج ہیں مثل حضرت پیغمبر اور آئمہ اثنا عشرؑ کے اور شیخ نورالدین آذری نے ایک نظم میں اسی مضمون کو بیان کیا ہے وہو ہذا

چنانکہ ہشت فلک را دوازدہ تمثال — کہ آفتاب بران دور میکند مہ و سال
برآسمان ولایت دوازدہ برج اند — برچو آفتاب نبوت ہمہ بر اوج کمال
قضا چو آئینۂ نور احمدی می ریخت — بریخت ز آئینہ او دوازدہ تمثال
بمثل دوازدہ ماہ و دوازدہ کوکب — بآفتاب نبوت نمودہ استقبال
ستارگان سپہر ولایت شرف اند — کہ ایمن اند ز نقصان احتراق و وبال
ز آفتاب نبوت صدور این انجم — مثال صورت تفصیل آمد از اجمال

اور شیخ کامل سعد الدین حموی نے اپنی بعض تصانیف میں ذکر کیا ہے کہ اسم ولی سوائے ائمہ اثنا عشر کی ذات کے اور کسی پر صادق نہیں آتا سوا ے انکے اور کوئی ولی اور امام نہیں ہے اگر ہیں تو ابدال و اوتاد ہیں اور اسی مضمون کو انکے شاگرد عزیز الدین نسفی نے اپنی بہت سی کتابوں میں شیخ مذکور سے نقل کیا ہے اور اگر اہل تصوف کی

کتابوں کا مطالعہ کیا جاوے تو اس سے بہت بڑھ کر تصریحیں ملینگی بعض ذہین اشخاص نے ائمہ اثنا عشر کے بارہ کے عدد میں منحصر ہونے کی کئی مناسب وجہیں بیان کی ہیں اول تو یہ کہ اسلام مبنی ہے کلمۂ شہادتین پر اور ایمیں سے ہر ایک کلمہ میں بارہ حرف ہیں اور ائمہ شہادتین کے محافظ ہیں لہذا مناسب ہے کہ اس کے عدد بھی ان حروف کے برابر ہوں اور یہی وجہ ہے کہ تشہد کے بعد جو صلوٰۃ بھیجی جاتی ہے اسمیں آل محمدؐ پر صلوٰۃ بھیجنا بھی واجب ہے بخلاف دوسرے انبیاء کے کہ انکی آل کبھی صلوٰۃ وسلام میں انکے ساتھ شریک نہیں کی جاتی اور سبب اسکا یہ ہے کہ اُن انبیاء کا دین زائل اور منسوخ ہونے والا تھا اسیوجہ سے انکی آل کو اسکی حفاظت ضروری نہ تھی اور جب ان کی آل حافظ شریعت پر نہ تھی تو کوئی ضرور نہیں ہے کہ پیغمبر کے ساتھ کہ جو بانی شرع ہے صلوٰۃ میں شریک کی جائے۔ بخلاف آل محمد علیہم السلام کے کہ یہ لوگ قیامت تک اس شریعت کی حفاظت کے لئے خدا کی طرف سے مامور ہیں۔ اور یہ بھی ایک اشارہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دوازدہ امام کا ذکر ایمان و اسلام کے کامل ہونے کے لئے ایسا ہی ضروری ہے جیسے کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے بارہ[۱۲] حرفوں کا ذکر ضروری ہے۔

دوسری وجہ ائمہ کے بارہ ہونے کی یہ ہے کہ نُقَبَاءِ بنی اسرائیل بارہ تھے جیسا کہ خود کلام مجید میں مذکور ہے۔ پس مناسب ہوا کہ امت محمدی کی نقابت کیلئے بھی بارہ امام ہوں

تیسری وجہ یہ ہے کہ اسباط اور آئمنائے بنی اسرائیل یعنی وہ لوگ جو بنی اسرائیل کے احکام شریعت کے محافظ تھے اور اولاد پیغمبران بنی اسرائیل سے تھے بارہ ہی تھے پس مناسب یہ ہے کہ ہمارے آئمہ ہدیٰ جو اس شریعت کے امین اور ہمارے پیغمبر کی اولاد میں ہیں بارہ ہی ہوں۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ جسطرح سے آفتاب کی روشنی خلق کی ہدایت دُنیوی کے لیئے خالق عالم نے قرار دی ہے اسیطرح سے نور پیغمبر خلائق کے امور دینی کی ہدایت کے لیئے خلق فرمایا ہے پس جسطرح سے آفتاب کیلیئے بارہ برج ہیں اسیطرح سے آفتاب نبوت کیلیئے بھی بارہ اماموں کا ہونا ضروری ہوا اور جس طرح سے کہ آفتاب کی حرکت کہ جو بصارتوں کا ہادی ہے بارہویں برج میں جاکر ختم ہو جاتی ہے اسیطرح سے آفتاب عالمتاب نبوت کہ جو بصیرتوں کا ہادی ہے اسکے احکام کے محافظین بھی بارہ تک منتہی ہو جاتے ہیں اور وہی بارہویں امام آخر برج امامت ہیں۔ اور اُنہیں کے سبب سے شریعت قیامت تک محفوظ رہیگی۔

پانچویں وجہ کے بیان کیلیئے دو تمہیدونکی ضرورت ہے اول یہ کہ پیغمبر خدا کی حدیث مقبولہ اہل سنت ہے کہ الائمۃ من قریش یعنی کل امام قریش ہی سے ہونگے۔ دوسرے یہ کہ محققین علماء نسب نے بیان کیا ہے نضر بن کنانہ کی اولاد قریشی ہے پس پہلا وہ شخص کہ جو قرشی ہوا وہ مالک بن نضر تھا یہانتک کہ یہ قرشیت جناب پیغمبر تک پہونچی اگرچہ درحقیقت قرشیت نے آپ کو شرف نہیں بخشا بلکہ آپ نے قرشیت کو شرف بخشا۔

اور آپ سے مالک بن نضر تک بارہ پشتیں ہوتی ہیں جنکے نام یہ ہیں۔ عبداللہ بن عبد المطلب[۱] بن ہاشم[۲] بن عبد مناف[۳] بن قصی[۴] بن کلاب[۵] بن مرہ[۶] بن کعب[۷] بن لوی[۸] بن غالب[۹] بن فہر[۱۰] بن مالک[۱۱]۔ پس جس طرح سے اس مرکز شرف نے بارہ درجہ سابق میں شرف پہونچایا یوں ہی بارہ درجے بعد میں شرف پہونچانا ضروری ہے۔ اور یہ بات پوری نہیں ہوسکتی جب تک کہ بارہ امام معصوم آپکی عترت میں تسلیم نہ کیئے جاویں۔ اور ائمہ کا بارہ ہی ہونا بھی اسی لیئے ضروری ہے کہ جب مرکز دائرہ سے دو طرف خط کھینچے جاوینگے تو وہ دونوں برابر ہی ہونگے مختلف ہونا محال ہے۔ اور متاخرین نے فرمایا ہے کہ عالم کی ابتدا میں

چیزیں اور نفیس ترین نفوس اور اکثر اسمار حسنیٰ کے حروف بارہ ہی ہیں لہذا آئمہ ہرے کہ
جو خلقت خدا کے بہترین اور نفیس ترین افراد او منجملہ اسمار حسنیٰ ہیں بارہ ہی ہیں
مثلاً کلمات لاالہ الا اللہ۔ الرحمٰن الرحیم۔ الحمید المجید۔ الروف الرحیم۔ الحنان المنان
الخالق البارئ۔ الواحد الکریم۔ الواحد القہار۔ الظاہر الباطن۔ التواب الوہاب۔
الفتاح الرزاق۔ المحسن المجمل۔ المنعم المفضل۔ الباعث الوارث۔ دیان یوم الدین
میں سے ہر ایک میں بارہ حرف ہیں۔ اسی طرح سے کلمات۔ آدم خلیفۃ اللہ۔ نوح خالصۃ
اللہ۔ موسیٰ کلیم اللہ۔ عیسیٰ مسیح اللہ۔ محمد رسول اللہ۔ محمد حبیب اللہ۔ البشیر نذیر۔
میں سے بھی ہر ایک میں بارہ حرف ہیں اور اسی طرح سے کلمات :۔
امیر المومنین۔ علیؑ بن ابیطالب۔ العروۃ الوثقیٰ۔ فاطمۃ بنت محمد۔ الحسن المجتبیٰ۔
الحسین الشہید۔ الحسن الحسین۔ علیؑ بن الحسین۔ الامام الباقر۔ الامام الصادق۔
الامام الکاظم۔ علیؑ ابن کاظم۔ محمد ابن الرضا علیؑ بن الجواد۔ الحسن العسکری۔
القائمہ المہدی۔ محبہم فی الجنۃ۔ عدوہم فی النار۔
ان میں سے ہر ایک کلمہ میں بارہ بارہ حرف ہیں۔ اور ایک عجیب اتفاق کی بات ہے
کہ چونکہ بعد جناب خاتم النبیینؐ کے کوئی پیغمبر نہیں ہے بلکہ بارہ امام ہیں جو آپ ہی
کے نور سے ہیں۔ جملہ لانبی بعد احمد میں بھی بارہ ہی حرف واقع ہوئے ہیں۔ علاوہ
انکے اسکی مثالیں بہت سی ہیں وکذالک یضرب اللہ الامثال ولہ المثل
الاعلیٰ۔ لیکن ان مثالوں کے دیکھنے کے لئے چشم بصیرت درکار ہے اور ایسا
دل چاہیئے جو تعصب سے پاک ہو اور انصاف اسکی سرشت میں ہو۔ خداوند عالم نے
اسقدر مثالیں دی ہیں کہ ہر صاحب بصیرت بطور یقین قائل ہو جائے۔ لیکن صاحب
تعصب نہ مائل ہو۔ تو یہ اسکی خطا ہے۔

مجلس اول بیان میں بعض مقامات منزلیہ کے کہ جن مقامات کو آئمہ طاہرین نے اپنے

شیعوں کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے۔ اگرچہ درحقیقت تمام عالم انہیں حضرات کے طفیل میں پیدا ہوا اور تمام روے زمین انکی خلافت حقیقیہ میں داخل بلکہ مہر جناب سیدہ میں شامل ہے جیساکہ حالات فدک میں ذکر ہوگا۔

العرش المجید

شیخ اجل ابوالفتح خزاعی رازی نے اپنی تفسیر میں حسنؒ بصری سے نقل کیا ہے کہ مراد عرش و کرسی سے کلام مجید میں ایک ہی چیز ہے یعنی یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں صرف نام دو ہیں۔ اور جناب رئیس المحدثین محمد بن یعقوب کلینی نے کتاب کافی میں جو روایت نقل کی ہے وہ بھی انہیں معنوں پر دلالت کرتی ہے۔ اور مراد عرش و کرسی سے آٹھواں آسمان ہے جسکو فلک ثوابت کہتے ہیں جیساکہ روایت اصبغ بن نباتہ سے ظاہر ہے۔ اصبغ کہتے ہیں کہ میں نے جناب امیرالمومنین علیہ السلام سے سنا کہ تمام آسمان اور زمین اور کچھ کہ انمیں از قسم مخلوقات ہیں سب کرسی کے درمیان میں ہیں۔ واضح رہے کہ اصبغ خواص شیعہ حضرت امیرالمومنینؑ میں سے تھے۔ اور یہ روایت حکما اور قاضی بیضاوی اور دیگر علماء اسلام کے اس قول کے موافق ہے کہ تمام آسمان اور زمین کرسی کے مقابلہ میں وہی نسبت رکھتی ہیں جیسے ایک حلقہ یا کڑا ایک بڑے میدان میں پڑا ہو۔ اور بعض علماء تفسیر نے کہا ہے کہ مراد کرسی سے علم خدا ہے بعض کے نزدیک قدرت خدا کا کرسی نام ہے والعلم عند اللہ اور چونکہ ہم نے عرش و کرسی کو ایک ہی چیز قرار دیا ہے لہذا مخفی نہ رہے کہ عرش کو ایک خصوصیت خاصہ ذات امیرالمومنین علیہ السلام سے ہے۔ چنانچہ قاضی عیاض مالکی نے اپنی کتاب شفا کے تیسرے باب میں روایت کی ہے ابو حمرا سے کہ فرمایا

جناب رسالت مآبؐ نے کہ جب مجھے آسمان پر لے گئے تو میں نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ بعلیؑ یعنی سوائے خدا کے کوئی معبود
نہیں ہے اور محمد رسول خدا ہیں مدد کی میں نے رسولؐ کی علیؑ کے ساتھ۔ اور کتاب
مناقب میں ابن مردویہ نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ ایک روز میں
جناب رسالت مآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرتؐ نے مجھے پکارا میں نے لبیک عرض کی
حضرت نے فرمایا کہ یقیناً خدا کے لئے عرش کے نیچے ایک ستون ہے جو
اہل جنت کو ایسی ہی روشنی پہونچاتا ہے جیسے آفتاب اہل دنیا کو سوائے علیؑ اور
اسکے دوستداروں کے کوئی اسکو پا نہ سکے گا۔ اور بعض روایتوں میں وارد ہے
کہ سامنے عرش کے لکھا ہوا ہے :- لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ

لمولفہ

کردہ بر سر لوحہ لوح وجود خویش نقش
عرش اعظم نام تو با اعظم اللہ بہر نام

بعض متعصبین اہلسنت نے کہ جو اپنے مذہب کی نصرت کیلئے خدا اور رسولؐ پر افترا کرنا
جائز جانتے ہیں نہیں چاہا کہ انکے خلفاء ایسی فضیلت سے خالی رہ جاویں لہذا جناب
رسالت پناہ سے ایک روایت نقل ہی کردی کہ فرمایا آنحضرت نے کہ :- "میں نے
ساق عرش پر لکھا ہوا دیکھا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر الصدیق و
عمر الفاروق وعثمان ذو النورین" لیکن صاحب عقل سلیم سمجھ سکتا ہے کہ
یہ روایت محض افترا و بہتان ہے اسلئے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ خداوند عالم اپنے نام
نامی اور اپنے رسولؐ کے اسم مطہر کے ساتھ عرش اعظم پر ایسے لوگوں کے نام بھی
لکھے جو سالہا سال بت پرستی اور کفر میں مشغول رہے ہوں اور بڑا حصہ عمر کا اسی
حالت میں گذرا ہو۔

دارالسلام

بہشت عنبر سرشت

جہانے کاندرا وہر دل کہ یابی بادشا یابی
مکانے کاندراں ہر جاں کہ بینی شادماں بینی

یعنی ایسی دنیا کہ جہاں جس دل کو دیکھو بسبب وفور خوشی کے بجائے خود بادشاہ معلوم ہوتا ہے اور ایسی جگہ کہ جہاں پر ہر جاندار خوش و خرم نظر آتا ہے۔

اسکو دارالسلام اسلیئے کہتے ہیں کہ اسکے رہنے والے تمام آفتوں اور بلاؤں اور تکلیفوں سے حکلم و محفوظ ہیں صاحب کشف الغمہ نے عزالدین عبدالرزاق بن رزق اللہ بن ابوبکر محدث حنبلی سبعی الاصل موصلی المولد کی کتاب سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ:۔ فرمایا جناب رسالت مآب صلعم نے کہ جب مجھے آسمان پر لے گئے میں نے جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا۔

لا الٰہ الا اللہ محمدٌ رسول اللہ علیٌّ حبیب اللہ الحسنؑ و الحسینؑ صفوۃ اللہ وفاطمۃ اَمَۃُ اللہ وعلیٰ باغضیھم لعنۃُ اللہ۔ یعنی بعد وحدانیت و رسالت کی شہادت کے لکھا تھا:۔

کہ علیؑ دوست خدا کے ہیں اور حسنؑ و حسینؑ برگزیدہ خدا کے ہیں اور فاطمہؑ کنیز خدا ہیں انکے بغض رکھنے والے پر خدا کی لعنت،، ونیز کتاب مناقب ابو المویدخوارزمی سے نقل کیا ہے کہ حسن بصری نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ'' جب روز قیامت آوے گا علیؑ بن ابیطالب فردوس پر ہونگے اور وہ ایک پہاڑ ہے جو جنت سے اونچا ہے اور اسکے اوپر عرش رب العالمیں ہے اور اسکے دامن سے نہریں جنت کی جاری ہیں جو تمام جنت میں پھیل جاتی ہیں۔ علیؑ بن ابیطالب ایک نور کی کرسی پر نہر تسنیم کے سامنے

جلوہ افروز ہونگے صراط سے کوئی نہ گزر سکے گا جب تک کہ اسکے پاس انکی ولایت اور امامت اور انکے اہلبیت کی ولایت کی سند نہ ہو وہ اسی بلندی سے دیکھ رہے ہونگے اپنے دوستوں کو جنت میں بھیجیں گے اور دشمنوں کو داخل نار کرینگے۔ اور ابن حجر متاخر نے اپنی کتاب صواعق محرقہ میں اسی حدیث مذکور کو بن عثمان کے اسناد سے ابوبکر سے روایت کی ہے اور انھوں نے جناب سالت مآب سے نقل کیا ہے کہ:۔ سنا میں نے جناب رسول خدا کو فرماتے ہوئے کہ "صراط پر سے کوئی نہ گذر سکے گا جبتک علی اُسے پروانہ راہ داری نہ دیں اور نفیس ترین لذات جنت میں سے حوض کوثر ہے کہ جسکو خداوند عالم نے جناب سید البشر شافع محشر محمد مصطفےٰ کو عطا فرمایا ہے لیکن امیر المومنین اسکے ساقی ہیں جو شخص اُسکا ایک جام پیئے گا ابد الآباد تک پیاسا نہ ہوگا" دوستداران اہلبیت جتنا چاہیں گے پئیں گے اور دشمن قطعاً محروم رہیں گے۔ چنانچہ جناب امیر المومنین اپنے ایک رجز میں جو آپ نے جنگ صفین میں پڑھا ہے اور اسکو تمام مورخین اہل سنت نے نقل کیا ہے فرماتے ہیں:۔

رجز

أَنَا عَلِيٌّ صَاحِبُ الصَّمْصَامَة ... وَصَاحِبُ الْحَوْضِ لَدَى الْقِيَامَة
أَخُو نَبِيِّ اللهِ ذُو الْعَلَامَة ... قَدْ قَالَ اِذْ عَمَّمَنِي الْعِمَامَة
أَنْتَ أَخِي مَعْدِنُ الْكَرَامَة ... وَمَنْ لَهُ مِنْ بَعْدِي الْاِمَامَة

یعنی میں وہ علی ہوں کہ جو صاحب صمصام ہے اور مالک حوض کوثر روز قیام محشر ہے میں رسول خدا کا بھائی اور صاحب معجزات ہوں۔ خود رسول خدا نے میرے سر پہ عمامہ باندھتے وقت فرمایا ہے کہ "تو میرا بھائی ہے اور بزرگیوں کا معدن ہے اور

ف ۞ جس سے بظاہر جنگ خندق مراد ہے ۱۲

تو ہی وہ شخص ہے کہ جسکے لئے میرے بعد امامت مخصوص ہے۔

اور امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:-

وَنَحْنُ عَلَی الْحَوْضِ رُوَّادُہٗ ۔ نَذُوْدُ وَنَسْعَدُ وُرَّادُہٗ

وَمَا فَازَ مَنْ فَازَ اِلَّا بِنَا ۔ وَمَا خَابَ مَنْ حُبُّنَا زَادُہٗ

وَمَنْ سَرَّنَا نَالَ مِنَّا السُّرُوْرَ ۔ وَمَنْ سَاءَ اَنَا سَاءَ مِیْلَادُہٗ

وَمَنْ کَانَ غَاصِبًا حَقَّنَا ۔ فَیَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِیْعَادُہٗ

یعنی ہمیں حوض کوثر پر پانی تقسیم کرنے والے ہیں۔ اور دشمنوں کو وہاں سے نکالدینگے اور دوستوں کو بلالیں گے۔ کوئی شخص بغیر ہماری امداد کے کامیابی نہیں حاصل کرسکتا اور جسکو ہم سے محبت ہوگی وہ جنت سے ناامید نہیں ہوسکے گا۔ اور جو ہمکو خوش کرے ہم اسکو خوش کرینگے اور جو ہم سے برائی کرے تو یقیناً اسکی ولادت برے طریق سے عمل میں آئی ہے۔ اور جس نے ہمارا حق غصب کیا اسکی وعدہ گاہ روز قیامت ہے۔

اور جہانتک مجھے معلوم ہے حضرت علیؑ کے ساقی کوثر ہونے میں کسی مخالف نے اختلاف نہیں کیا ہے۔

اور شافعی نے اپنے مشہور شعر میں اسکی طرف اشارہ کیا ہے:- وَھُوَ ھٰذَا:-

رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الْمَعِیْشَۃِ سُؤْلِیْ ۔ وَاعْفُ عَنِّیْ بِحَقِّ اٰلِ الرَّسُوْلِ

وَاسْقِنِیْ شَرْبَۃً بِکَفِّ عَلِیٍّ ۔ سَیِّدِ الْاَوْلِیَاءِ زَوْجِ بَتُوْلِ

یعنی اے خدا مجھے میرے سوال کے موافق معیشت عطا فرما اور صدقہ میں آل رسول کے میرے گناہوں کو بخشش دے! اور علی علیہ السلام کے ہاتھ سے مجھے سیراب کر جو تمام اولیاء کے سردار اور حضرت فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے شوہر ہیں۔

اور علامہ دوانی نے کہ جو بظاہر شافعی مذہب تھے اپنی مشہور رباعی میں کہا ہے:-

رباعی

از دختِ طلب بساقیِ کوثر کش | وز کوثرِ کثرت لئے وحدت درکش
لا یَظْمَأُ صدائے ابدیٔ شارِبُہا | رمزیست دریں مے ارتوانی درکش

لطیفہ۔ ایک مرتبہ محمود صباغ نیشاپوری جو بانداق شیعوں میں سے تھے حج کے لئے گئے تھے ایک دن شریف مکہ نے انکی دعوت کی اور اپنے ایک باغ میں لے گئے سب لوگ ایک مربع حوض کے کنارے بیٹھے۔ ایک ماورالنہر کے شخص نے اپنے دوست سے کہا کہ جیسے یہ حوض مربع ہے ایسا ہی حوض کوثر بھی ہوگا اور چاروں گوشوں پر چاروں خلفا جلوہ افگن ہونگے اور ہم لوگوں کو سیراب کرینگے یہ سُنکر محمود صباغ کو تاب نہ رہی۔ بے چین ہو کر کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے کہ حوض کوثر مدور ہوگا اور ساقی اسکے امیر المومنین حیدر کرار ہوں گے تم کو اس میں سے ایک قطرہ نہ ملے گا۔ اور حضرت امیر علیہ السلام تمکو وہاں سے ہنکا کر راہی سقر کرینگے اور اس سے زیادہ تفصیل جنت کی اور اسکی طرح طرح کی نعمتوں کی اور اسکے مومنین و مومنات سے مخصوص ہونگی کتاب روضۃ الکافی میں مذکور ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے ٭

اعراف

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ وَعَلَی الْاَعْرَافِ رِجَالٌ یَعْرِفُوْنَ کُلًّا بِسِیْمٰھُمْ الآیۃ

یعنی خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ اعراف پر کچھ لوگ ہونگے جو سب کو پہچانتے ہوں گے بسبب انکی نشانیوں کے اعراف عُرف کی جمع ہے اور عرف کے معنی بلند زمین کے ہیں بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اعراف بہشت اور دوزخ کے درمیان ایک ٹیلہ ہے اور اسیوجہ سے مرغ کے تاج کو عرف الدیک کہتے ہیں چنانچہ مرزا قاسم گونابادی نے اپنے شاہنامہ میں کہا ہے ؎

ہمابرج وبارہ زسر تا بہ فرق　　چو تاج خروساں بخوں گشتہ غرق

اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ ایک دیوار ہے جو بہشت و دوزخ کے درمیان میں ہے جیسا کہ کہا ہے :- فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ یعنی درمیان میں اہل جنت اور دوزخ کے ایک شہر پناہ بنا دی ہے کہ جسمیں دروازہ ہے - اور بعضوں نے کہا ہے کہ اسکو اسلیئے اعراف کہتے ہیں کہ اُسپر جو لوگ ہونگے وہ دوسروں کو پہچانتے ہونگے اور بعض نے کہا ہے کہ مراد اعراف سے صراط ہے اور مفسرین اہل سُنت کا مشہور قول جسکو قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں مجملاً اور ابوالفتح رازی نے اپنی تفسیر میں مفصلاً نقل کیا ہے یہ ہے :- کہ ثعلبی نے کہ جو امام اصحاب حدیث اہلسنت ہیں اپنی تفسیر میں جویبر بن سعید سے اور اُنہوں نے ضحاک سے اور انہوں نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ :- اعراف سے بلندیاں صراط کی مراد ہیں اور جو لوگ اعراف پر ہونگے اُنکے نام یہ ہیں :-

حمزہؓ - عبدالمطلبؓ - عباسؓ - علیؑ بن ابیطالب - جعفر طیار ذوالجناحین - یہ لوگ اپنے دوستوں کو انکی نشانیوں سے پہچان لینگے - اور علامت یہ ہوگی کہ دوستوں کے چہرے نورانی ہونگے اور دشمنوں کے سیاہ ہونگے - اور کھلی ہوئی بات ہے کہ مراد دشمنانِ سیاہ رو سے دشمنان رسولؐ و آل رسول ہیں کہ جو درحقیقت اہل مجاعت ہیں یعنی ان سب کو انکے وہی سردار جو گوسالہ پرستی کی طرف بلاتے ہیں اور انکے وہ آئمہ کہ جو جہنم کی طرف بلانے والے ہیں اور جنکی پیشانیوں پر نشان - اِنَّ اشدّ العذاب اور تمغا ہے اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ لگا ہوا ہے اور جنکے سروں پر لعنت کے پتھر برس رہے ہیں جہنم کی طرف لیجاتے ہیں ناصبیوں کے گروہ سے چنینگے اور محبت اہلبیت کی تہمت ان پر لگا دینگے - يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ یعنی وہ اپنے منہ سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو انکے دلوں میں نہیں ہے - اس لیئے کہ انکے چہروں کا

رنگ انکی زبان سے نکلے ہوئے اتفاقی الفاظ انکے افعال اور اعمال انکے خلاف
گواہی دے رہے ہیں یہانتک کہ بہت سے انمیں کے روز عاشورہ اچھے کپڑے پہنتے
ہیں آنکھوں میں سرمہ لگاتے ہیں اور آپسمیں مثل عید کے ملتے ہیں گویا فتح یزید کی مبارکباد
دیتے ہیں اور اکثر تو ان میں کے جو ماوراء النہر اور شام وغیرہ میں رہتے ہیں بغض حضرت
امیر علیہ السلام کو شرط ایمان و اسلام جانتے ہیں اور آپکے دشمنونکو صدق اور ثقہ روایت
اور احادیث کی نقل کرتے ہیں لکھتے ہیں چنانچہ احمد حنبل جو اس قوم کا امام ہے اور
ذوالثدیہ خارجی کی اولاد میں سے ہے کہتا تھا کہ جب تک علیؑ سے کچھ بغض نہ رکھے
مومن نہیں ہو سکتا اسکی بجنسہ عبارت جسکا ترجمہ ہو چکا یہ ہے :- اَلرَّجُل لَا یَکُوْنُ مومناً
حَتّٰی یبغض علیًا قلیلاً ۔ اور قاضی ابن خلکان نے جو اکابر اہلسنت میں
سے ہے اپنی کتاب وفیات الاعیان میں اثناء بیان حالات علی بن جہم قرشی میں
صاف صاف لکھدیا ہے کہ محبت علیؑ بن ابیطالب تسنن کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی
اور یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ اگرچہ زبانی یہ لوگ دعوائے محبت کرتے ہیں لیکن باطن انکا
کدورت سے بھرا ہوتا ہے ۔ اور جناب محمد بن یعقوب کلینی نے حضرت صادقؑ سے
روایت کی ہے کہ :- ایک روز ابن کوا خدمت امیر المومنین علیہ السلام میں حاضر ہوا
اور عرض کی :- یا امیر المومنین وَعَلَی الْاَعْرَافِ رِجَالٌ یَعْرِفُوْنَ کُلًّا بِسِیْمَاهُمْ
سے کون لوگ مراد ہیں ۔ پس حضرت نے فرمایا کہ ہم اعراف پر ہونگے اور ہم اپنے ناصروں کو
انکی نشانیوں سے پہچانیں گے اور ہمیں وہ اعراف ہیں کہ بغیر ہماری معرفت کے خدائے
عزوجل کی معرفت نہیں حاصل ہو سکتی ۔ اور ہم ہی وہ اعراف ہیں کہ خدائے عزوجل
پہچنوائے گا روز قیامت پل صراط پر پس جنت میں کسی کو داخل نہ کریگا لیکن جو ہمیں
پہچانے اور نار میں داخل نہ کریگا لیکن اسی شخص کو جو ہماری معرفت نہ رکھتا ہو ۔ اور یقیناً خدائے
تبارک و تعالیٰ اگر چاہتا تو خود اپنے کو پہچنواتا لیکن اس نے ہم لوگونکو اپنا دروازہ اور اپنا

صراط اور ایسا راستہ اور اپنا طریقہ قرار دیا ہے کہ جسکے ذریعہ سے اس تک لوگ پہونچ سکیں
پس جو شخص کہ ہماری ولایت سے منکر ہوا اور ہمارے اوپر ہمارے غیر کو ترجیح دے
فَاِنَّهُمْ عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاكِبُوْن پس یقیناً وہی لوگ صراط سے منہ پھرانے والے
ہیں۔ اور اس حدیث کی مؤید عمر بن شیبہ اور دوسرے راویوں کی روایتیں ہیں جو انہوں
نے صحابۂ کرام سے نقل کی ہیں کہ علیؑ جنت اور نار کے تقسیم کرنے والے ہیں اور عمر بن
بن شیبہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے حضرت امیرالمومنین
سے فرمایا کہ "اے علی گویا میں تمہیں دیکھ رہا ہوں روز قیامت تم اپنے ہاتھ میں چوب
عوسج کی چھڑی لیے ہوئے کچھ لوگوں کو جنت کی طرف بھیج رہے ہو اور دوسروں کو
جہنم کی طرف ہنکا رہے ہو۔ اور دوزخ سے کہہ رہے ہو کہ یہ میرا ہے اور وہ تیرا ہے اُسے
لے جا۔ اسلئے کہ وہ میرے دشمنوں میں سے ہے اور اسے چھوڑ دے اسلئے کہ یہ
میرے دوستوں میں سے ہے"۔

اسکے بعد پیغمبرؐ نے فرمایا کہ جہنم علیؑ کی اطاعت اس سے زیادہ کریگا جتنا کہ کوئی غلام
اپنے مالک کی کرتا ہے۔ چنانچہ شافعی کہتے ہیں :۔ ے

عَلِیٌّ حُبُّهٗ جُنَّهْ ... قَسِیْمُ النَّارِ وَالْجَنَّهْ
وَصِیُّ الْمُصْطَفٰی حَقًّا ... اِمَامُ الْاِنْسِ وَالْجِنَّهْ

یعنی علیؑ کی محبت عذاب خدا کیلئے سپر ہے (اور) وہ حضرت جنت اور دوزخ کے
تقسیم کرنے والے ہیں۔ بالتحقیق آپ حضرت رسول خداؐ کے وصی ہیں (اور) انسان اور
جنات کے پیشوا ہیں اور ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ حارث ہمدانی نے جناب
امیرالمومنینؑ سے عرض کی یا امیرالمومنینؑ میں دو حالتوں سے ڈرتا ہوں ایک وقت نزع
دوسرے صراط۔

حضرت نے فرمایا نہ ڈر کہ میرے دوست اس مقام پر بیخوف ہونگے اور مجھے میرے دوست و

دشمن دونوں دیکھینگے اور میں بھی انکو دیکھوں گا اور میں انکو اور وہ مجھکو پہچانینگے - اور
اسی کے متعلق کچھ اشعار فرمائے ہیں جنکا خلاصہ مطلب یہ ہے :- اے حارث ہمدانی!
جو شخص خواہ مومن ہو یا منافق مرنے کے وقت وہ مجھے ضرور دیکھے گا - اور میں اسکے نفس
اور افعال کی حالت سے واقف ہونگا اور تو صراط کے پاس میرے سامنے ہوگا پس
لغزش کھانے کو نہ ڈر - جب تو آگ کے سامنے ہوگا تو میں آگ سے کہونگا کہ اس کو
چھوڑ دے اسلئے کہ یہ وصی سے تعلق رکھتا ہے اور میں تجھے پیاس کی حالت میں سیراب
کرونگا اور منجملہ ان حکایات مشہورہ کے جو اس مقام سے مناسبت رکھتی ہیں یہ ہے
کہ ابو صلت ہروی نے جناب علی ابن موسیٰ الرضا سے روایت کی ہے کہ ایک روز
حضرت ماموں کے پاس تشریف لے گئے وہاں آپ سے اور چند مخالفین سے مباحثہ
ہوا آخری سوال ان لوگوں کا یہ تھا کہ جناب رسالتمآب صلعم سے مروی ہے کہ اے
علیؑ! تم قسیم جنت و نار ہو - پس جنت و نار کی تقسیم کیونکر ہوگی ؟ حضرت نے ارشاد فرمایا
کہ جسطرح سے محبت آپکی جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے اسی طرح سے آپکی عداوت
جہنم میں جانے کا باعث ہے پس جسطرح سے انکی محبت و عداوت لوگوں میں تقسیم ہے اسیطرح جنت و
نار تقسیم ہوگی - آپ کی حسن تقریر سے ماموں اور تمام حاضرین جلسہ قائل ہوگئے - ابو صلت کہتے ہیں کہ
جب میں اس جلسہ سے باہر آیا تو عرض کی یا ابن رسول اللہ آپنے معجزہ دکھایا اور ایسی تقریر فرمائی کہ مردہ
دلوں کو زندہ کر دیا حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں نے جو کچھ کہا انکے مذہب کے موافق کہا ورنہ ہم اہلبیت کا
مذہب تو یہ ہے کہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام صراط جہنم کے کنارے کھڑے ہوں گے
اور فرماتے ہونگے کہ اے جہنم اسے لے لے اسلئے کہ یہ میرے دشمنوں میں سے ہے
اور اسے چھوڑ دے کہ یہ میرے دوستوں میں سے ہے
منجملہ مہملات اہل سنت و جماعت کے یہ ہے کہ انکے بعض علماء نے اپنی ایک کتاب
میں جنکا نام **فضائح الروافض** رکھا ہے ذکر کیا ہے کہ شیعہ مفوضہ ہیں اسلئے

کہ کہتے ہیں کہ خداوند عالم روز قیامت بعض کاموں کو خود علیؑ بن ابی طالب کے سپرد کر دے گا اور اسی سبب سے علیؑ کو قسیم الجنت و النار کہتے ہیں درحالیکہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ میں جسے چاہونگا عذاب کرونگا اور جسے چاہونگا بخشونگا۔ رافضی کہتے ہیں کہ علیؑ یہ کام کرینگے یہانتک کہ ابوبکر و عمر اور اُنکے مطیعوں کو دوزخ میں بھیجینگے۔ اور موچیوں اور جولاہوں اور کلاہ سازوں کو جنت میں۔ لیکن شیخ عبد الجلیل رازی نے اسکا جواب دیا ہے کہ اگر تفویض کے یہی معنی ہیں تو یہ خداوند عالم کے بہت سے افعال و احکام میں پائی جاتی ہے اسلئے کہ اہلسنت کا اجماع ہے اس بات پر کہ خداوند عالم کے کچھ فرشتے ایسے ہیں کہ بندوں کا روزی پہونچانا اور لوگوں کے اعمال کا حساب کرنا اور قطرات باران کا شمار کرنا انکے متعلق ہے پس اگر خداوند عالم خود ہی سب کام کرتا ہے تو فرشتوں کے متعلق یہ کام کیوں کیئے۔ اور شریعت اور کتاب کو انبیا اور اولیا کے سپرد کیوں کیا پس یہ اعتراض کرنے والے یقیناً خدا کی سلطنت کی عظمت سے بے خبر ہیں دراں حالیکہ خود قائل ہیں کہ خلائق کی روزی میکائیل کے متعلق ہے اور قطرات بارش کا تعلق اسرافیل سے ہے اور ملک الموت روحیں قبض کیا کرتے ہیں پس اگر آتش دوزخ امیر المومنینؑ کی اطاعت کرے جیسا کہ خود اہلسنت کی احادیث صحیحہ میں موجود ہے تو کونسی تفویض لازم آئی ؟ کیا امیر المومنین علیہ السلام کا مرتبہ ملائکہ سے کم ہے ؟ اور خود جہنم کے متعلق کلام مجید میں موجود ہے کہ اس پر انیس ۱۹ شخص منتظم ہونگے اور یہ بھی موجود ہے کہ ملائکہ گناہگاروں کو کھینچکر جہنم میں لیجائیں گے۔ پس فرشتوں کا یہ کام انجام دینا عین خدا کا کام ہوا اور امیر المومنین علیہ السلام کا ان کاموں کا انجام دینا تفویض ہوگئی اگر حقیقت میں دیکھا جاوے تو یہ خود مفوضہ ہیں اسلئے کہ کلام مجید کو انہوں نے عثمان کے سپرد کر دیا اور امامت کو جو دین کا رکن عظیم ہے امت کے ہاتھ دیدیا بلکہ تنہا عمر کے اختیار میں اور شریعت کو اپنے فقہا کے قیاس کے اوپر چھوڑ دیا۔ اور امیر المومنین علیہ السلام جسکو جہنم

میں بھیجینگے حکم خدا سے بھیجیں گے اور جسکو داخل بہشت کرینگے مطابق حکم خدا کرینگے - اور موچی و کلاہ سازی یا جولاہے کا پیشہ کرنا محض آتش جہنم میں جانے کا سبب نہیں ہے اس لئے کہ خداوندعالم فرماتا ہے:- اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ یعنی بزرگ ترین تم سے خدا کے نزدیک وہ ہے جو تم سے زیادہ متقی ہو۔

اسکو کسی پیشے اور شہر سے کیا تعلق ہے؟

بیت اللہ (کعبہ)

کعبہ اسلئے کہتے ہیں کہ اسکی شکل مکعب یعنی چوپہل ہے اور قرآن مجید میں مذکور ہے کہ پہلا گھر جو عبادت خدا کیلئے بنایا گیا وہ یہی کعبہ ہے - اور تمام اگلی امتیں بھی اسکی تعظیم کرتی آئی ہیں - اور بیان اس امر کا کہ وہ اصل میں ایک یاقوت سرخ تھا جو حضرت آدمؑ کے لئے بجائے کرسی کے تھا جب طوفان آیا تو اسے آسمان پر لے گئے پھر حضرت ابراہیم کو حکم ہوا کہ اسی مقام پر یہ گھر بنائیں اور قبل اسکے بننے کے لوگ حج کرنے کے لیے مکہ کی طرف آتے تھے اور علاوہ اسکے دیگر خصوصیات اور فضائل کتاب معجم البلدان وغیرہ میں مذکور ہیں - الغرض بیت اللہ کو بھی خاص خصوصیت حضرت امیر علیہ السلام کے ساتھ حاصل ہے - یہانتک کہ آپ کا تولد بذریعہ الہام کے اسی مکان میں ہوا اور آپکے قبل اور بعد کوئی وہاں متولد نہ ہوا تھا اور نہ ہو گا اور یہ ایک ایسی فضیلت ہے جس کو خداوندعالم نے خاص حضرت کی ذات سے وابستہ کر دیا ہے - اور کتاب بشارۃ المصطفےٰ میں زید بن قعنب سے روایت ہے - کہ میں اور عباس بن عبدالمطلب معہ چند آدمیوں کے خانہ کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ فاطمہ بنت اسد زیارت خانہ کعبہ کیلئے آئیں اور دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی کہ اے خدا میں تیرے ساتھ ایمان لائی ہوں اور جو کچھ تیرے پاس سے آیا ہے اور تیرے پیغمبروں اور کتابوں پر بھی ایمان لائی ہوں

اور میں تصدیق کرتی ہوں اپنے جد ابراہیم کے کلام کی اور اس بات کی کہ انہوں نے اس گھر کو بنایا پس واسطہ اس شخص کا جس نے اس گھر کو بنایا اور واسطہ اس بچہ کا جو میرے شکم میں ہے وضع حمل کو مجھپر آسان کردے۔ زید بن قعنب کہتے ہیں کہ یہ دعا کرتے ہی دیوار پھٹ گئی اور وہ اندر چلی گئیں اور ہماری آنکھوں سے غائب ہوگئیں اور دیوار پھر درست ہوگئی ہم لوگوں نے حالت دریافت کرنے کیلئے چاہا کہ قفل کھولیں مگر نہ کھل سکا پس ہم جان گئے کہ اسمیں کچھ خدا کا راز ہے جب چوتھا روز ہوا تو فاطمہ باہر آئیں اور علیؑ ان کی گود میں تھے اور کہہ رہی تھیں کہ میں اپنے سے پیشتر والی تمام عورتوں پر فضیلت دیگئی اسلئے کہ آسیا بنت مزاحم نے چھپ کر اسمری عبادت ایسے مقام پر کی کہ جس جگہ پر اللہ سوائے مجبوری کی عبادت کے اختیاری عبادت کو پسند نہیں فرماتا تھا اور مریم بنت عمران نے سوکھے ہوئے درخت خرما کو ہلایا اور اس سے رطب تازہ ان پر گرے اور میں خدا کے گھر میں داخل ہوئی اور بہشت کے میوے اور وہاں کی نعمتیں میں نے کھائیں جب میں نے نام رکھنے کا ارادہ کیا تو ایک ہاتف نے آواز دی کہ اے فاطمہ اسکا نام علیؑ رکھیو یہ علیؑ ہے اور اللہ علی اعلی ہے اللہ فرماتا ہے کہ میں نے اسکے نام کو اپنے نام سے نکالا اور اسکو اپنا ادب سکھایا اور اسکو میں نے اپنے علم پر اطلاع دی اور یہی بتوں سے میرے گھر کو پاک کرے گا اور میرے گھر کی چھت پر اذان دے گا اور میری تقدیس و تمجید کریگا پس خوشحال اُس شخص کا جو اسکو دوست رکھے اور اسکی اطاعت کرے اور ویل ہے اسکے لئے کہ جو اس سے بغض رکھے اور اسکی نافرمانی کرے۔ اسی حال میں سید حمیری نے چند شعر کہے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے :- حضرت امیر علیہ السلام کی ولادت خانہ کعبہ میں ہوئی اور کوئی عالم میں انکا مثل و نظیر نہیں ہے دایہ نے کسی بچہ کو کپڑے میں نہیں لپیٹا جو مثل علیؑ کے ہو سوائے جناب محمد مصطفےٰ کے۔ اور بنابر اس فضیلت کے بعض صاحبان دل نے حضرت کی

ولادت کو باعث وجوب طواف خانہ کعبہ قرار دیا ہے (یعنی اسی وجہ سے لوگ خانہ کعبہ کے گرد پھرتے ہیں) اور یہ شعر اپنے قصیدہ کا یادگار چھوڑا ہے: **شعر**

"طواف خانہ کعبہ ازاں شد برہمہ واجب
کہ آن جا در وجود آمد علیؑ بن ابیطالب"

اسکے علاوہ ایک اور خصوصیت بھی بیت اللہ کو حضرت کے ساتھ ہے وہ یہ کہ اسی خانہ کعبہ میں آپنے جناب رسول مختارؐ کے دوش اقدس پر قدم رکھکر بتونکو توڑا اور اس واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ ابتدائے ظہور اسلام میں یہ واقعہ پیش آیا جیسا کہ خود حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ :- میں اور جناب رسالت مآبؐ ساتھ ساتھ چلے یہانتک کہ خانہ کعبہ میں ہونچے پس مجھسے رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تم بیٹھ جاؤ میں بیٹھ گیا اور حضرت میرے دوش پر سوار ہوئے لیکن جب آپنے دیکھا کہ میں آپ کو لیکر کھڑا نہیں ہو سکتا تو حضرت اتر آئے اور خود بیٹھ گئے اور میں آپ کے شانے پر چڑھا مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر میں چاہوں تو آسماں کو چھو لوں - یہانتک کہ میں بیت اللہ پر چڑھ گیا وہاں ایک بت پیتل اور تانبے کا بنا ہوا تھا میں نے اسکو داہنے بائیں پھینکنا شروع کیا حضرت نے مجھسے فرمایا کہ اسے پھینک دو اور توڑ ڈالو اور میں نے پھینکدیا تو وہ اسطرح سے ٹوٹا جیسے شیشہ ٹوٹتا ہے - اور میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ وہاں سے جلدی جلدی واپس ہوا یہانتک کہ گھر پہونچ گیا تاکہ ان لوگوں میں سے کوئی مل نہ جاوے اور اس حدیث کو شیخ اجل علی بن بابویہ قمی رحمہ اللہ نے آٹھ راویوں کے واسطے سے جناب امیر المومنینؑ سے روایت کی ہے - اور اسکا مضمون بھی تقریباً یہی ہے - سوائے اسکے کہ اس روایت میں حضرت فرماتے ہیں کہ میں خانہ کعبہ کے کوٹھے پر چڑھ گیا اور وہاں میں نے بہت سے بت جمع کئے - تب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ ان صورتوں کو پھینکدو میں نے پھینکدیا باوجودیکہ وہ تانبے اور اکثر دھات کے تھے لیکن مثل شیشہ کے

چور چور ہو گئے . غرض اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بت شکنی فتح مکہ سے پہلے تھی اور حضرت علیؑ کو جناب رسالت مآبؐ نے اپنے دوش پر سوار کیا اسمیں بھی حکمت اور مصلحت تھی جیساکہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اسلیے حضرت صلعم نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنے شانے پر چڑھایا تاکہ خلائق پر آپکی قدر و منزلت ظاہر ہو جاوے اور یہ بھی ہو کہ بت پرستی کا ابطال حضرت علی علیہ السلام کی ذات سے ہو اپھر اسمیں یہ بھی اشارہ ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ معصوم تھے اسلیے حضرت پیغمبر صلعم گناہ کے حامل نہ تھے اور امیر المومنینؑ کے حامل ہوئے پس ثابت ہوا کہ حضرت علی علیہ السلام تمام گناہوں سے پاکیزہ تھے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ حضرت علیؑ ہی پیغمبر خدا صلعم کے بوجھ بٹانے والے ہیں اور اسکے علاوہ اسمیں اور بہت سی حکمتیں ہیں جنکو انسان شمار نہیں کرسکتا۔ اور منجملہ ان حکایات کے جو اس جگہ مناسب ہے یہ بھی ہے کہ اکثر اہل سنت کہا کرتے ہیں اور شیخ محمود مجددوانی نے مقامات شیخ حسین خوارزمی میں لکھدیا ہے اور شیخ ممدوح بیان کیا ہے کہ ایک روز شیخ ممدوح مشہد مقدس میں ایک شیعہ سے ملے اور اس سے فرمایا کہ تو کعبہ کا معتقد ہے اور جہت کعبہ کو قبلہ سمجھتا ہے یا نہیں اس شیعہ نے جواب دیا کہ اسمیں کیا شک ہے اس لیے کہ میں مسلمان ہوں اور مذہب شیعہ کو مذہب حق سمجھکر میں نے اختیار کیا ہے شیخ نے اس سے کہا کہ کعبہ میں مقام حنفی و شافعی و مالکی و حنبلی موجود ہیں لیکن تم نے سنا ہے کہ شیعوں کے لئے بھی کوئی مقام ہو؟ اگر مذہب شیعہ حق ہوتا تو اسکا کوئی نہ کوئی مقام خانہ کعبہ میں ضرور ہوتا۔ وہ شیعہ یہ سنکر نہایت شرمندہ ہوا اور اس نے مذہب سنت اختیار کرلیا۔ واضح رہے کہ جواب اس دلیل ذلیل کا بیان میں شیخ مذکور کے حالات میں تفصیلاً آویگا جسکا خلاصہ یہ ہے کہ شیعہ تمام کعبہ کو اپنا قبلہ سمجھتے ہیں نہ کہ اسکے کسی خاص رکن کو اسلیے وہ اپنی نماز میں پورے قبلہ کی طرف توجہ کرتے ہیں کوئی خاص جگہ قرار دینے کی کیا ضرورت ہے؟

اور اُنکے امام کی ولادت بھی کعبہ کے کسی خاص گوشہ میں نہیں ہوئی بلکہ کل
کعبہ اِن کی شرف ولادت سے مشرف ہوگیا ہے اور اہل سنت کے فقہاء
نے جو اپنے چار مصلے قرار دئے ہیں یہ نہ تو پیغمبر صلعم نے بنائے تھے اور نہ خلفائے ثلاثہ
نے نہ جناب امیر المومنین علیہ السلام اور نہ دیگر ائمہ طاہرینؑ نے بلکہ بادشاہانِ
بنی امیہ نے بھی نہیں بنائے تھے جناب پیغمبر کی وفات کے تین سو برس بعد
بادشاہانِ بنی عباس نے محض شیعوں کی مخالفت کیلئے یہ چار مصلے بنائے
باوجود اسکے جس زمانہ میں کہ خلفائے فاطمیین جو اسمعیلی مذہب رکھتے تھے مغرب
اور شام و حلب و حجاز کے ممالک پر غالب آگئے تھے اس زمانہ میں کسی سُنی کی مجال
بھی نہ تھی کہ مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں کھلم کھلا جا بھی سکے یا اپنے مقامات کا نام
اپنی زبان پر لا بھی سکے اور کسی صاحب عقل کو اسمیں کوئی شبہہ نہیں ہوسکتا
کہ اگر ملک حجاز دولت صفویہ کے تحت میں آجائے تو تمام ارکان مکہ کے اہلِ تشیع
کے تصرف میں ہونگے اور سنت و جماعت کا وہاں پتہ بھی نہ ملیگا غرض یہ مہمل
دلیل جو محمود نا محمود نے شیخ ممدوح کی طرف منسوب کی ہے بالکل بے سرو پا ہے اور
محض تعصب و جاہلیت کے سبب سے پیدا ہوئی ہے۔

مدینہ طیبہ

پہلے زمانہ میں اسکا نام یثرب تھا پھر جناب پیغمبر خدا صلعم نے مدینہ نام رکھا
کتاب عجائب البلدان میں لکھا ہوا ہے کہ مدینہ طیبہ کے مخصوصات میں سے یہ
بات ہے کہ جو مسافر وہاں وارد ہوا اُسے ایک خوشبو معلوم ہوتی ہے اور عطر کی
خوشبو اس شہر میں بہ نسبت دوسرے شہروں کے بڑھ جاتی ہے۔ اور کتاب

معجم البلدان میں لکھا ہے کہ مدینہ دوسری اقلیم میں ہے اور شورہ کی زمین میں واقع ہے خرمہ کے درخت وہاں بکثرت ہیں کوئی دریا یا نہر نہیں ہے صرف کنوؤں کے پانی سے باغات وزراعت میں آب پاشی کی جاتی ہے۔ یا باران رحمت برس کر زمینوں کو سیراب کردیتا ہے۔ شہر کے گرد ایک مضبوط شہر پناہ ہے جسکے درمیان میں مسجد واقع ہے اور جناب رسالت مآب صلعم کا روضہ مسجد کے پورب جانب ہے اور اسکے اوپر ایک بلند مکان بنا ہوا ہے اُسکی اور مسجد کی چھت کے درمیان تھوڑی سی جگہ خالی ہے اور بالفعل وہ گھر بند ہے اور اسمیں کوئی دروازہ نہیں ہے احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حُذیفہ بن اُسید غفاری سے روایت کی ہے کہ جب اصحاب پیغمبر صلعم مدینہ میں آئے تو بسبب گھر نہ ہونے کے مسجد ہی میں سویا کرتے تھے حضرت نے فرمایا کہ مسجد میں نہ سویا کرو اسلئے کہ مُحتلم ہوا کروگے یہ سُنکر ان لوگوں نے مسجد کے گرداگرد اپنے گھر بنائے لیکن گھروں کے دروازے مسجد ہی میں رکھے پھر حضرت نے معاذ بن جبل کے ذریعہ سے انکے پاس پیام بھیجا کہ دروازوں کو بند کردو ان سے پہلے ابوبکر سے ملاقات ہوئی حضرت صلعم کا پیام پہونچایا ابوبکر نے قبول کرلیا اور دروازہ بند کردیا انکے بعد عمر سے کہا عمرؔ نے کہا کہ میں دروازہ بند کرونگا لیکن اتنی خواہش ظاہر کی کہ ایک روشندان مسجد کی طرف رکھ سکوں معاذ نے جناب رسالت مآب صلعم کی خدمت میں جاکر عرض کیا لیکن آنحضرت صلعم نے قبول نہیں فرمایا اسیطرح عثمان اور حضرت امیر حمزہ کو بھی معاذ نے پیام پہونچایا ان سب نے قبول کرلیا اور دروازے بند کرلئے چونکہ ابھی امیرالمومنین علیہ السلام کے لئے کوئی گھر مقرر ہی نہیں تھا اس لئے لوگوں کو تردد تھا کہ آیا وہ حضرت بھی انہیں کے ساتھہ اس حکم میں شریک ہیں یا نہیں یہانتک کہ حضرت رسول خدا صلعم نے اپنے گھروں کے عین درمیان میں ایک گھر امیرالمومنین علیہ لسلام سے نامزد فرمایا اور

فرمایا کہ اے علیؑ اب تم اس گھر میں رہو اس لئے کہ تم پاک ہو اور پاک کئے ہوئے ہو۔ جب یہ بات حضرت حمزہؓ نے سنی تو عرض کی اے محمدؐ آپ نے ہمکو مسجد سے باہر نکالدیا اور اولاد عبدالمطلب کے لڑکے کو وہاں پر سکونت دی۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر میرا اختیار ہوتا تو میں آپ کے سوا کسی کو جگہہ نہ دیتا لیکن قسم خدا کی کہ خدا ہی نے علیؑ کو یہ جگہ دی ہے اور آپکی عاقبت بھی بخیر ہے اور میں آپ کو بہشت کی بشارت دیتا ہوں۔ اسی اثنا میں حضرت حمزہ جنگ احد میں شہید ہوئے اور موجب بشارت داخل بہشت ہوئے۔

اور خارج کیے ہوئے لوگوں میں سے بعض نے اس بارہ میں حضرت امیر علیہ السلام سے حسد کرنا شروع کیا جب یہ خبر پیغمبر خدا صلعم کو پہونچی تو حضرت نے ایک خطبہ پڑہا اور فرمایا کہ یقیناً کچھہ لوگ اپنے دلوں میں حسد کر رہے ہیں کہ میں نے علیؑ کو مسجد میں ساکن کیا قسم خدا کی نہ میں نے تم لوگوں کو نکالا اور نہ علیؑ کو وہاں جگہ دی۔ بیشک خداوند عالم نے میرے بھائی حضرت موسیٰؑ کی طرف وحی بھیجی تھی کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں قبلہ رو گھر بناؤ اور نماز کو برپا کرو اور موسیٰؑ کو حکم دیا تھا کہ اپنی مسجد میں کسی کو ساکن نہ کریں اور کوئی اس مسجد میں عورتوں سے نزدیکی کرے اور نہ کوئی داخل ہو سوائے ہارون اور انکی ذریت کے اور یقیناً علیؑ کو مجھسے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو حضرت موسیٰؑ سے تھی اور وہی علی تمام اہلبیت میں میرا بھائی ہے اور میری مسجد میں کسی کے لیے حلال نہیں ہے کہ عورتوں سے نزدیکی کرے سوائے علیؑ اور انکی ذریت کے اور اس باب میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی اور تمام اہل سنت کا اس مضمون پر اتفاق ہے۔

مخفی نرہے کہ مدینہ کے اصل باشندے خواہ وہ سادات ہوں یا غیر سادات ہمیشہ مذہب امامیہ کے پابند رہے ہیں ہاں! وہ لوگ کہ جو دوسرے شہروں سے آکر مدینہ

میں رہ گئے ہیں اُنکا مذہب البتہ امامیہ کے خلاف بھی ہے لیکن اس سے ہمارے مقصد میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی اسلئے کہ اگرچہ قابل اعتبار حالت ہو سکتی ہے تو انہیں لوگوں کی ہو سکتی ہے کہ جنکے آباو اجداد جناب رسالت مآب صلعم کے زمانہ سے لیکر اسوقت تک مدینہ ہی کے باشندے رہے ہوں انکے متعلق البتہ یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ وہی عقائد جو جناب رسالت مآب صلعم کے زمانہ میں رائج تھے سینہ بسینہ ان لوگوں تک پہونچے ہوں۔ اور بعض فضلائے امامیہ نے اپنے علم کلام کی کتابوں میں مدینہ کے اصل باشندوں کے مذہب کو بطور ایک دلیل کے قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ کوئی شبہہ نہیں ہے کہ اہلبیتِ رسولؐ تمام خلائق سے بڑھکر مذہب رسولؐ کو جان سکتے ہیں جسطرح کہ ایک بادشاہ کے اہل وعیال بادشاہ کے مزاج و اقوال و افعال سے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ واقف ہوتے ہیں اہل وعیال کے بعد اُن لوگوں کا درجہ ہے جو مقربان بادشاہ ہوں پھر ان لوگوں کا مرتبہ ہے جنکے شہر بہ نسبت دوسرے شہروں کے مسکن شاہی سے قریب ہوں۔ اور جو لوگ خاص اسی شہر کے رہنے والے ہوں وہ ان قریب کے شہروالوں سے زیادہ واقف ہو سکتے ہیں اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اہل مدینہ جناب رسالت مآب صلعم کے مذہب کو بہ نسبت دوسرے شہروں کے رہنے والوں کے زیادہ جانتے ہیں اور اس زمانہ تک تو مدینہ بالکل ویران نہیں ہوا ہے اور نہ کبھی وہاں کے رہنے والے ہی پورے طور پر مٹ گئے ہیں بلکہ سلسلہ پشتوں کا جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ سے لیکر ابتک باقی ہے اور بہت سی حدیثیں مدینہ میں رہنے کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں یہانتک کہ مالک بن انس نے صرف اہل مدینہ کے اجماع کو دلیل مانا ہے۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ نور اسلام نے مدینہ ہی میں ظہور پایا اور ارکان دین وہیں پر مضبوط اور کامل ہوئے۔ اسی بنا پر بعضوں نے کہا ہے کہ مدینہ مکہ سے افضل ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوئی کہ اہل مدینہ مذہب رسول صلعم کو بہ نسبت دوسروں کے زیادہ جانتے ہیں اور اجماع بھی اہل مدینہ کا مالک کے نزدیک حجت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ مدینہ کے اصلی باشندے مذہب امامیہ ہی رکھتے ہیں تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ مذہب امامیہ ہی مذہب حق ہے اور فاضل طبرسی نے اپنی کتاب تحفۃ الابرار میں لکھا ہے :۔ کہ روے زمین میں دو شہر ایسے گذرے ہیں کہ جہاں وحی نازل ہوتی رہی ہو اور جہاں رسول اللہ صلعم کا قیام رہا ہو اور اُن دونوں مقاموں کے اصل رہنے والے سب کے سب شیعہ ہیں اور اہل مدینہ کے مذہب کا مذہب حق ہونا دلیل سابق سے ثابت ہو چکا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مالک اور بہت علمائے اہلسنت کے نزدیک اجماع اہل مدینہ کا حق ہے اور تمام احکام حلال و حرام اور تول اور ناپ وغیرہ میں ہمیشہ اہل مدینہ کی طرف رجوع کیجاتی ہے۔ پس جو شہر کہ ایسی حالت میں ہو پھر کس طرح ہو سکتا ہے کہ اس شہر کے رہنے والے کافر یا فاسق ہوں۔

غدیر خم

صاحب معجم البلدان کہتے ہیں کہ خم اس موضع کا نام ہے کہ جہاں پر ایک تالاب درمیان مکہ اور مدینہ کے جحفہ کے مقام پر واقع ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ جحفہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے خوارزمی نے کہا ہے کہ وہ ایک وادی ہے مکہ اور مدینہ کے درمیان میں جحفہ کے نزدیک اور وہاں پر ایک تالاب ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلعم نے خطبہ مشہور اس مقام پڑھا تھا۔ اور وہ خطبہ جہانتک کہ مشہور اور زبانوں پر مذکور ہے حج آخری میں جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی امامت و خلافت کے متعلق فرمایا تھا اور رسول اللہ صلعم کا آخری سفر تھا اس

جگہ پر آپ نے خدا کا وہ حکم ظاہر کیا جسکے اظہار پر آپ مامور ہوئے تھے اور اپنی وفات کے قبل لوگوں کو آگاہ فرما دیا اس روز اٹھارہویں تاریخ ذی الحجہ الحرام کی تھی اسکے بعد حضرت صلعم صرف دو ماہ چند روز بقید حیات رہے اور تفصیل اس قصہ کی بنابران روایتوں کے جو مخالفین نے بیان کی ہیں یہ ہے کہ :- جب جناب رسول خدا صلعم حجۃ الوداع سے واپس ہوئے اور مقام غدیر خم تک پہونچے ظہر کا وقت تھا اور ہوا نہایت گرم تھی کہ یکایک جبریل امین یہ آیۂ وافی ہدایہ لیکر نازل ہوئے :-

یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ الخ

پس اس ظہر کے وقت کہ جب سواری سے اترنا عادت کے خلاف تھا بالخصوص ایسی گرمی کی حالت میں کہ زمین اسقدر تپ رہی تھی کہ سواریوں سے اترنے کے بعد بہت سے لوگ اپنی عبائیں اپنے پاؤں کے نیچے رکھے ہوئے تھے اسیوقت حضرت رسالتماب صلعم اتر سے اور بلال کو حکم دیا انہوں نے تکبیر کہی سب لوگ جمع ہوئے اور ببول کے درختوں کو کاٹ کر میدان کو خس وخاشاک سے پاک وصاف کرنا شروع کیا اور اونٹ کے پالانوں کا ایک ممبر بنایا اور اس پر ایک چادر ڈال دی اسوقت جناب رسالتمآب صلعم ممبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ پڑھنا شروع کیا اثنا خطبہ میں ذکر فرمایا کہ خداوند عالم نے مجھے ایک حکم کے پہونچانیکا امر فرمایا ہے چونکہ اب میں عنقریب اپنے خدا کے پاس جانے والا ہوں اسلیے پروردگار عالم نے بہت تاکید اس حکم کے تبلیغ میں فرمائی ہے - اور توقف کرنے کے متعلق خوفناک وعدہ کیا ہے اور اسکے پہونچانے میں مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ لوگوں کے ضرر سے میری حفاظت فرمائے گا یہ فرما کر جناب امیر علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس قدر بلند کیا کہ علی کے پانوں حضرت کے زانو تک پہونچ گئے تھے پس ارشاد فرمایا کہ اَلَسْتُ اَوْلٰی بِکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ یعنی کیا میں تمھاری جانوں سے بڑھکر تمھارا حاکم اور مالک نہیں ہوں

سب نے اقرار کیا کہ بیشک آپ ہمارے مالک اور حاکم ہمارے نفسوں سے بڑھ کر ہیں

پس حضرت صلعم نے فرمایا کہ :-

مَنْ کُنْتُ مَوْلاہُ فَھٰذا عَلِیٌّ مَوْلاہُ جس شخص کا میں مولا و حاکم ہوں اسکے علیؑ مولا اور حاکم ہیں

اسکے بعد دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالاہُ جسکا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ دوست رکھ علیؑ کے دوست

رکھنے والوں کو اور دشمن رکھ اُسکے دشمنوں کو اور مدد کر اسکے مددگاروں کی اور چھوڑ دے

اُسکے چھوڑ دینے والونکو اور حق کو اُسکے ساتھ پھرا مارہ جس طرف وہ پھرے ابھی مجمع متفرق

نہیں ہونے پایا تھا کہ آیہ وافی ہدایہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الخ نازل ہوا۔

جسکا ترجمہ یہ ہے :- آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی

نعمتوں کو تمام کر دیا- اور تمہارے واسطے اسلام کو پسند کیا- پس جناب رسالتمآب

صلعم نے فرمایا کہ شکر ہے خدا کا دین کے کامل کرنے پر اور نعمت کے تمام کرنے پر

اور میری رسالت اور میرے بعد علیؑ کی ولایت سے خوشنود ہونے پر- اسکے بعد

اصحاب نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو مبارکباد دینا شروع کیا یہانتک کہ عمر بن خطاب

نے کہا بَخٍ بَخٍ لَکَ یَا بْنَ اَبِیْطَالِبْ صِرْتَ مَوْلَایَ وَ مَوْلَا کُلِّ مُومِنٍ وَ

مُومِنَۃٍ یعنی مبارک ہو مبارک آپ کو اے ابوطالب کے فرزند کہ آپ میرے اور ہر

مومن اور مومنہ کے مولا ہو گئے- اور عبد اللہ بن عباس اور زید بن علی سے منقول

ہے کہ جب جناب رسالتمآب صلعم نے حج کا ارادہ کیا ہے اُسی وقت علیؑ کی ولایت

اور امامت کے اظہار کے لئے وحی نازل ہوئی تھی لیکن چونکہ حکم فوری نہ تھا اور مصلحت

وقت بھی موافق نہیں معلوم ہوتی تھی اسلئے خاتم النبیینؐ نے تامل فرمایا اور عرض کی

اے میرے پروردگار بہت کم عرصہ ہوا کہ ان لوگوں نے دین جاہلیت چھوڑ کر دین اسلام

قبول کیا ہے اور ابھی اس مذہب میں رسوخ نہیں پیدا کیا ہے مجھے اندیشہ ہے کہ میرے

اس حکم کو نہ مانیں اور علی بن ابیطالب کی ولایت کا یقین نہ کریں اسلئے کہ انکے

اکثر اعزا علیؑ کے ہاتھ سے قتل ہوئے ہیں اور اسی سبب سے وہ علیؑ سے متنفر رہتے ہیں
اسکے بعد حضرت صلعم حج کو تشریف لیگئے اور واپسی میں جب مقام غدیر خم پر پہونچے
اُسوقت یہ حکم فوری نازل ہوا۔ جسکا خلاصہ ترجمہ یہ ہے :- اے رسولؐ! تمھارے
خدا کے پاس سے تمھاری طرف جو حکم نازل ہوا ہے اسے پہونچادو اگر تم نے ایسا نہ کیا
تو اسکی رسالت بھی نہیں پہونچائی۔ اور اللہ لوگوں سے تمہاری حفاظت کریگا۔

ہر عاقل منصف پر یہ بات تو پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ جناب پیغمبر خدا صلعم کی آخر عمر
میں درحالیکہ آپ اسلام و صلوٰۃ و زکوٰۃ و صوم حج و جہاد وغیرہ کی تبلیغ فرما چکے تھے
ایسا خطاب ہوتا کہ اگر تم نے یہ کام نہ کیا یعنی یہ پیغام نہیں پہونچایا تو رسالت ہی نہیں پہونچائی
اور پھر حضرت رسالت مآب صلعم کا ایسی جگہ پر اور ایسے وقت میں کہ جسوقت سفر میں
راستہ طے کر رہے تھے یکایک ایسی سخت گرمی اور تپش میں قیام فرما کر اہتمام تبلیغ کے
ساتھ فوراً اور بلا توقف نزول اجلال فرمایا اور پالان شتر کا ممبر بنوا کر خطبہ پڑھنا اور
امیر المومنین علیہ السلام کو ہاتھوں پر اسقدر بلند کرنا اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ کہنا۔
اور پھر دعا اسطرح کی کرنا کہ جو بادشاہوں کی شان کے موافق ہو یہ سب باتیں صریح دلالت
کر رہی ہیں کہ یہ ایک امر عظیم الشان اور جلیل المکان کے اظہار کیلئے کوشش کیگئی
تھی اور وہ امر عظیم الشان نصب امامت و خلافت امیر المومنین علی بن ابیطالبؑ ہے
نہ یہ کہ محض اسلئے اتنی زحمت کی گئی ہو کہ اسکا اظہار کردیا جائے کہ علیؑ سب کے دوست
ہیں یا سب کے مددگار رہیں بالخصوص اس قول کے بعد جو رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ کیا میں
تمھاری جانوں سے بڑھکر تمھارا مالک نہیں ہوں علیؑ کے متعلق لفظ مولا کا استعمال کرنا
لاریب اور بالیقین حاکم ہی کے معنی میں ہے ورنہ پیغمبر کا کلام معاذ اللہ درجہ بلاغت سے
گرجاویگا بلکہ درجہ بلاغت سے گرجانا تو درکنار اغرا بالجہل لازم آئیگا یعنی ایسا کلام کرنا کہ
جس سے اپنے مقصود کے خلاف معنی پیدا ہوں اور یہ شان نبوت و عصمت کے خلاف ہے

اس لیئے ظاہر ہو گیا کہ مولا سے مراد حاکم اور متصرف ہے نہ دوست و ناصر وغیرہ اس لیئے
کہ نصرت و محبت میں تو تمام مومنین شریک رہی ہیں علیؑ کی تخصیص کرنے کی کیا وجہ
ہو سکتی ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جسطرح سے میں مالک و متصرف ہوں علیؑ بھی اسی طرح سے
مالک و متصرف امور مسلمین کے ہیں۔ اس موقع پر مترجم ایک لاجواب شعر
حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ کے مناسب جلال شاہ علی حسین صاحب مرحوم
حنفی المذہب سجادہ نشین قصبہ جائس ضلع رائے بریلی کا ہے برائے آگاہی ہر خاص و عام
تحریر کرتا ہے اہل انصاف اور اہل ایمان اسکو غور سے ملاحظہ فرمائیں (عبث ور معنی
من کنت مولا میروی ہو ہو علیؑ مولا باین معنی کہ پیغمبر بود مولا) پس باوجود اس حدیث
کے متواتر ہونیکے اس کے معنوں میں تاویل رکیک کرنا جیسا کہ صاحب مواقف اور
بعض دیگر اہل سنت نے کی ہے محض تعصب و عناد کے سبب سے ہے۔ اور اس حدیث
کی سند میں تو وہ کلام ہی نہیں کر سکتے اسلیئے کہ انکے تمام ائمہ حدیث نے بطریق صحیح
مرتبہ تواتر سے بھی بڑھکر اسکی روایتیں کی ہیں یہانتک کہ شیخ مفسر محدث عماد الدین
بن کثیر شامی شافعی نے اپنی تواریخ کبیر میں محمد بن جریر طبری شافعی کے حالات میں لکھا
ہے کہ انکی ایک کتاب کہ جسکی دو ضخیم جلدیں ہیں محض احادیث غدیر خم کے بارے
میں ہیں۔ اور ایک دوسری کتاب محض حدیث طیر کے سلسلہ روایات میں ہے
ابو المعالی جوینی شافعی کہ لقب امام الحرمین سے مشہور ہیں تعجب کرتے تھے اور کہا کرتے تھے
کہ بغداد میں ایک جلد ساز کے یہاں میں نے ایک کتاب دیکھی جو روایات غدیر خم کے
بیان میں تھی اور پشت پر اسکی لکھا ہوا تھا کہ یہ اٹھائیسویں جلد سلسلہ روایات من کنت
مولاہ فعلی مولاہ کی ہے۔ اور ابو علی عطائی ہمدانی سے منقول ہے کہ وہ کہا کرتے تھے
کہ میں اس حدیث کو ڈھائی سو طریقوں سے روایت کرتا ہوں اور شیخ محمد جزری شافعی کہ
جو اکابر ائمہ حدیث اہل سنت سے ہیں انہوں نے ایک رسالہ محض حدیث غدیر کے تواتر

کے متعلق لکھا ہے اور اسکے تواتر کو کئی طریقوں سے ثابت کیا ہے۔ پس اسکا منکر وہی شخص ہو سکتا ہے جو عقل و انصاف سے تعلق نہ رکھتا ہو اور جناب رسالتمآب صلعم کا تامل و توقف فرمانا اس سبب سے تھا کہ قریش امیر المومنین علیہ السلام سے کینہ و عداوت رکھتے تھے اور آپکی امارت و خلافت پر کسی طرح سے راضی نہ تھے جیسا کہ ابن حجر نے کتاب صواعق محرقہ میں لکھا ہے اور اس مضمون کی کئی روایتیں نقل کی ہیں اور ثعلبی کہ جو رؤسائے مفسرین اہل سنت سے ہیں اور فن حدیث کے امام مانے جاتے ہیں اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ بعض کینہ وروں کو قصہ غدیر سے کراہیت ہوئی یہانتک کہ حضرت رسول صلعم کی تکذیب کرنے کی نوبت آگئی اور تفصیل اسکی جو شیخ ابوالفتوح رازی نے اپنی تفسیر میں لکھی ہے یہ ہے کہ ایک شخص نے سُفیان سے پوچھا کہ "سَئَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ لِلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ" کس کی شان میں نازل ہوا ہے اور وہ کونسا سائل تھا سفیان نے کہا کہ تو نے ایسا سوال کیا ہے جو تجھسے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔ میرے باپ نے باقر علوم انبیاء محمد بن علیؑ سے روایت کی ہے اور اُنہوں نے اپنے آبا سے کہ جب رسول اللہ صلعم نے روز غدیر خم علیؑ کو اُٹھایا اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمایا اور یہ خبر قبائل عرب میں پہونچی تو حارث بن نعمان فہری فوراً سوار ہو کر جناب رسالتمآب کے لشکر کی طرف روانہ ہوا جب قریب پہونچا۔ اونٹ سے اُتر کر اسکا پاؤں باندھ دیا اور حضرت کے خیمہ کی طرف آیا حضرت درمیان میں مہاجرین و انصار کے بیٹھے ہوئے تھے اس نے کہا اے محمد صلعم تم نے ہمیں خدا کی توحید اور اپنی رسالت کا حکم دیا ہمنے قبول کیا پھر تمنے پانچ نمازیں بجالانے کا حکم دیا وہ بھی ہمنے مان لیا پھر مہینہ بھر روزہ رکھنے کا حکم دیا وہ بھی ہمنے تسلیم کیا پھر ہمارے مالوں میں سے زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہمنے وہ بھی مان لیا پھر آپنے حج کا حکم دیا وہ بھی ہمنے قبول کیا پھر جہاد کا حکم دیا اسکو بھی مان لیا اسپر بھی آپ راضی نہوئے یہانتک کہ اپنے چچازاد بھائی کا بازو پکڑکر اُٹھایا اور اسکو ہمپر فضیلت دی اور کہا کہ جسکا میں مولا ہوں اسکے

علیؑ مولا ہیں پس یہ خبر آپکی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے ہے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ قسم اُسی وحدہٗ لاشریک کی کہ یہ اسی کی طرف سے ہے۔ پس حارث بن نعمان اپنی سواری کی طرف روانہ ہوا اور راستہ میں کہتا جاتا تھا کہ :- اے اللہ اگر تیری طرف سے حق ہو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا عذاب دردناک میں مبتلا کر ہنوز یہ کلمہ تمام نہ ہونے پایا تھا کہ آسمان سے ایک پتھر اسکے سر پہ گرا کہ وہ فوراً ہلاک ہوگیا اور خداوند عالم نے یہ آیت مذکورہ نازل فرمائی۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حارث مذکور نے بھی مولا کے معنی مالک و متصرف اور حاکم کے سمجھے تھے اسی سبب سے اسکو اسقدر ناگوار ہوا ورنہ محض دوست یا ناصر کے معنی پر اسقدر ناراض ہونیکی کوئی وجہ نہ تھی نیز تمام صحابہ جو اہل زبان تھے لفظ مولا کے یہی معنی سمجھے تھے اور اسی بنا پر حضرت علی علیہ السلام کو مبارکباد دیتے تھے ورنہ دوستی کیا ایسی چیز تھی کہ جسکے متعلق مبارکباد دی جاتی درحالیکہ خداوند عالم نے تمام مومنین کو آپسمیں ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے جسمیں امیرالمومنین علیہ السلام جسکے پہلے ہی سے شامل تھے بلکہ جناب رسول اللہ امیرالمومنین کو اپنا مخصوص بھائی قرار دے چکے تھے۔

لطیفہ بعض متعصبین اہل سنت نے محض اپنے عناد کے سبب سے یہ اعتراض کیا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ کو ظاہر بظاہر کیوں نہ مقرر فرمایا جسطرح اور احکام شریعت آپ پہونچایا کرتے تھے اسکی کیا ضرورت تھی کہ سفر کی حالت میں پالان شتر کا ممبر بنایا جائے کیا مدینہ کا ممبر نہیں تھا اور چونکہ امامت شیعوں کے نزدیک مثل نبوت کے ہے لہذا اتنے بڑے امر عظیم کو بغیر کسی گواہ اور بغیر کسی تحریر کے نہ رہنا چاہیئے تھا کہ کوئی کہے میں وہاں نہیں تھا۔ اور کوئی کہے کہ اس سے امامت مراد نہیں ہے بلکہ چاہیئے تھا کہ رسول خدا صلعم اسکی تصریح اور توضیح فرماتے کہ کوئی امیر اور فقیر بڑا چھوٹا اسمیں عذر و انکار نہ کرسکتا جس طرح سے کہ خداوند عالم آنحضرتؐ کی رسالت کے متعلق جابجا تصریح فرماتا ہے مثلاً۔ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ

خاتم النبیین وکفیٰ باللہ شہیدا۔ محمد رسول اللہ وما محمد الا رسول یا دیگر انبیاء کی خلافت کے متعلق تصریح کرتا ہے مثلاً یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض یا ہارون اخلفنی فی قومی۔ یعنی اے محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن رسول اللہ اور خاتم النبیین ہیں اور اقتدر گواہی کیلیے کافی ہے محمد خدا کے رسول ہیں محمدؐ رسول ہی ہیں۔ اے داؤد ہمنے تمکو زمین میں خلیفہ بنایا ہے اے ہاروں تم میری قوم میں میری خلافت کرو۔ اور چونکہ واقعہ غدیر اور علاوہ اسکے دوسری آیتوں اور حدیثوں میں جو شیعہ حضرت امیرؑ کی شان میں روایت کرتے ہیں اسطرح کی تصریح نہیں موجود ہے لہذا شیعوں کا قول باطل ہے۔ جواب اس اعتراض کا دو صورتوں سے ہے۔

یہ جو معترضین نے کہا کہ حدیث غدیر میں تصریح خلافت نہیں ہے یہ قول انکا محض غلط ہے جیساکہ ہمارے گزشتہ بیان سے اچھی طرح سے ظاہر ہو چکا اس سے بڑھکر اور کیا تصریح ہوسکتی ہے یہ جو کہا کہ حضرت نے سفر کی حالت میں پالان شتر کے ممبر پر اتنے بڑے امر عظیم کو کیوں بیان کیا اسلیے کہ امامت کوئی معمولی شے نہ تھی مسجد مدینہ کے ممبر پر کیوں نہ بیان کیا اسکا جواب شیخ اجل عبد الجلیل رازی رحمہ اللہ نے نہایت خوبی سے تحریر فرمایا ہے کہ اس ناصبی کو چاہیے ہے کہ یہ اعتراض خدا پر کرے کہ شب تاریک بارش اور آندھی کی حالت میں جناب موسیٰؑ کو پیغمبر بنایا جیسے کہ کوئی چھپا کرکے کام کرنا چاہتا ہے نہ وہاں کوئی ممبر رکھا کہ جہاں اہل عالم موجود ہوتے اور اسیطرح سے اہل کعبہ اور تمام قریش اور بنی ہاشم کے لوگوں سے چھپا کر رسول اللہ کو کوہ حرا پر لے گیا اور وہاں اُن سے راز کی باتیں کہیں جیسے چرا کر کام کرنے والا کرتا ہے اسکی کوئی وجہ نہ تھی اور اگر جناب موسیٰؑ اور جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی نبوت و رسالت کے لیے شب تاریک اور غار حرا کی تنہائی نقصان نہیں پہونچا سکتی تو امیر المومنینؑ کی امامت کو غدیر کا میدان اور اونٹوں کے

پالان کا ممبر اور ہزار ہا آدمیوں کا مجمع کیونکر نقصان پہونچا سکتا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ
خداوند عالم نے اپنے بعض انبیاء اور خصوصاً جناب محمد مصطفےٰ کے نام نامی کو کلام مجید میں
ذکر کیا ہے پس چاہئے تھا کہ حضرت امیر المومنین ع کا نام بھی کلام مجید میں مذکور ہوتا اور اس
امر کی تصریح ہوتی کہ بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علی ہی امام ہیں تو اسمیں کوئی
شبہہ نہ رہجاتا۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اہل سنت عموماً جبر کے قائل ہیں لہٰذا انکو
خداوند عالم کے کسی فعل پر تعرض کرنا کہ اسطرح ہوتا تو اچھا تھا سراسر انکے مذہب کے خلاف
ہے۔ اسلئے کہ وہ تو قائل ہیں کہ جو کام کرتا ہے خدا ہی کرتا ہے بندہ کو کوئی دخل نہیں لہٰذا
انکو خدا پر اعتراض کرنا بھی انکے مذہب کے خلاف ہے اور اسکا قیاس نبوت پر کرنا بھی قیاس مع الفارق ہے لہٰذا
ایسا قیاس حجت نہیں ہوسکتا اس لئے کہ پھر انکو خدا کے ہر کام پر اعتراض کرنا پڑیگا مثلاً نماز کو خداوند عالم
نے واجب کیا لیکن کلام مجید میں کہیں مذکور نہیں کہ کون کون اور کس قدر نمازیں واجب
ہیں اور ہر ہر نماز میں کے کے رکعتیں ہیں اسی طرح سے زکوٰۃ کے متعلق کہ وہ کتنے مال میں
واجب ہے اور مال کا کونسا حصہ زکوٰۃ میں دینا چاہئے اور انکے شرائط و اوقات کیا ہیں۔
اسی طرح سے اور تمام عبادات۔ اگر ہر ہر بات صاف طور پر بیان ہوگئی ہوتی تو پھر اسلام
میں تہتّر فرقے نہ پیدا ہوتے اور اگر حضرت علی علیہ السلام کا نام تصریحاً مذکور نہیں ہے تو
کوئی حرج نہیں ہے اسلئے کہ تمام عقلاء جانتے ہیں کہ امام کو جائز الخطا نہ ہونا چاہئے اور
جو جو چیزیں صفات امام میں بیان ہوئی ہیں وہ حضرت امیر علیہ السلام کی ذات سے
مخصوص ہیں یہ تصریح کیا کم ہے اور دوسرے شخص کو امیر المومنین علیہ السلام کے مقابلہ میں
کیا فضیلت ہوسکتی ہے۔ اہل سنت اس پر خوش ہیں کہ علیؑ کا نام کلام مجید میں
تصریحاً مذکور نہیں ہے یہ نہیں دیکھتے کہ دوسرے خلفاء جنہیں وہ حضرت سے افضل
سمجھتے ہیں انکا نام تو قرآن میں اشارۃً بھی نہیں آیا اور جو آیت وہ غیر امیر المومنین علیہ السلام
کی شان میں نقل کرتے ہیں محض تعصب و عناد کی وجہ سے۔

اور تفسیر شیخ ابو الفتوح میں قصہ غدیر نہایت دلچسپ عنوان سے نقل کیا ہے اگرچہ اسکی تکرار موجب تطویل ہے لیکن چونکہ چند فوائد پر مشتمل ہے لہذا نقل کئے دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جناب رسول مقبول نے قبل حجۃ الوداع کے نصارائے نجران سے دو ہزار حلوں پر صلح کی تھی اور امیر المومنین علیہ السلام کو اُن حلوں کے تحصیل کرنے کے لئے یمن بھیجا تھا جب بموجب حکم الٰہی آپ حج کیلئے روانہ ہوئے۔ تو جب امیر علیہ السلام کو لکھا کہ میں حج کو جاتا ہوں تم بھی اپنے کام سے فراغت کر کے راہ یمن سے حج کیلئے آو جب حضرت صلعم کا نامہ نامی پہونچا۔ جناب امیر علیہ السلام بھی ان حلوں کو لیکر معہ اپنے ہمراہیوں کے مکہ کی طرف چلے اور دروازہ مکہ پر جناب رسالتمآب صلعم کی خدمت میں پہونچ گئے آنحضرت صلعم نے پوچھا کہ تم نے احرام کس نیت سے باندھا ہے امیر المومنین ع نے کہا کہ چونکہ آپ نے نہیں لکھا تھا کہ کسطرح حج کرنا چاہئے لہذا میں نے آپ کی نیت کی موافقت نیت کی ہے یعنی یہ نیت کی ہے کہ اے اللہ! جو تیرے نبی ص نے نیت کی ہو وہی میری نیت ہے پھر پوچھا کہ قربانی بھی لائے ہو حضرت امیر ع نے عرض کی کہ ہاں چوالیس اونٹ قربانی کیلئے لایا ہوں آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "اللہ اکبر" تم نے حج میں بھی میری شرکت کی اور قربانی میں بھی اب تم بھی احرام باندھے رہو" خلاصہ کلام جب حج سے فراغت ہوئی اور مدینہ کی طرف مراجعت قرار پائی مکہ سے ۹ منزل پہونچنے کے بعد مقام غدیر خم پر جبرئیل امین نے جناب رسالتمآب کے ناقہ کی مہار تھام لی اور عرض کی کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

کہ اسی مقام پر اترو اور ضروری پیغام اس قوم کو پہونچا دو قبل اسکے کہ یہ لوگ متفرق ہوں اسلئے کہ یہاں سے ہر طرف مختلف راہیں تھیں اور حجاج کا قافلہ اسی جگہ سے متفرق ہو کر اپنے اپنے راستہ پر جاتا تھا۔ جب جبرئیل ع امین یہ آیت لائے ایک منادی نے آواز دی کہ سب اتر پڑیں اور ایک شخص کو بھیجا کہ جو لوگ آگے بڑھ گئے ہیں واپس آئیں اور جو ابھی نہیں پہونچے وہ بھی آجائیں وہاں پر چند درخت بھی تھے حضرت ان درختوں

کے نیچے اترے اونٹوں کے پالالوں کا ایک ممبر بنایا گیا اور اوسپر ایک چادر ڈالدی گئی حضرت رسولؐ بالائے ممبر تشریف لیجاکر خطبہ ارشاد فرمانے لگے۔ حمد و ثنائے الٰہی کے بعد اس قوم کو بہت وعظ و نصیحت فرمائی پھر اپنی رحلت کے نزدیک ہونے کی خبر دی اور ارشاد فرمایا کہ مجھے میری موت کی خبر دیگئی ہے اور وہ وقت قریب آگیا ہے کہ میں تمھارے درمیان سے چلاجاؤں اور میں بلایا گیا ہوں اور عنقریب اس دعوت کو قبول کرنے والا ہوں میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ جب تک تم اس سے تمسک رکھوگے گمراہ نہ ہوگے۔ اور وہ چیز کتاب خدا اور میرے اہلبیت ہیں۔ آگاہ ہو کہ خداوند لطیف و خبیر نے مجھے خبر دی ہے کہ وہ دونوں جدا نہ ہونگے یہانتک کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں اسکے بعد فرمایا کہ اے اللہ میں نے پہونچا دیا اسکے بعد پھر ایک فصل خطبہ کی پڑہی اور فرمایا کہ علیؑ کو میرے ساتھ وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اسکے بعد فرمایا کہ اے اللہ میں نے پہونچا دیا۔ اسوقت امیرالمومنینؑ کو ممبر پر طلب فرمایا اور بازو حضرت کا پکڑکر اُٹھالیا اور اسطرح سے لوگوں کے سامنے پیش کیا جس طرح سے دولھن کو جلوہ دیتے ہیں اور اسقدر بلند کیا کہ سفیدی زیر بغل لوگ دیکھ رہے تھے اور اسی حالت سے ایک ساعت چپ بیٹھے رہے اسکے بعد ارشاد فرمایا کہ اَلَسْتُ اَوْلیٰ بِکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ یعنی آیا میں تمپر حکومت کرنے کیلئے تمھاری نفسوں سے زیادہ اولیٰ اور احق نہیں ہوں؟ سب نے عرض کی کہ یقیناً آپ اولیٰ اور احق ہیں تب حضرت نے ارشاد فرمایا مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَہٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ۔ یعنی میں جسکا حاکم ہوں یہ علی بھی اسکا حاکم ہے اے اللہ جو اسے دوست رکھے تو بھی اُسے دوست رکھ اور جو اس سے دشمنی کرے تو بھی اس سے دشمنی کر اور جو اسکی نصرت کرے تو اسکی نصرت کر جو اسے چھوڑدے تو اُسے چھوڑدے۔ اے اللہ میں نے پہونچا دیا یہ کہنے کے بعد اصحاب سے مخاطب ہوئے کہ آیا

میں نے پہونچا دیا؟ سب نے عرض کی کہ ہاں! اسوقت آپ نے کہا کہ اللّٰهُمَّ اشْهَدْ عَلَيْهِم
یعنی اے اللہ ان پر گواہ رہنا یہ فرما کر ممبر سے واپس آئے وقت نماز ظہر کا ہو گیا تھا نماز پڑھا کر
اپنے خیمے میں تشریف لیگئے اور حضرت امیرؑ کو حکم دیا کہ دوسرے خیمہ میں جو حضرت کے برابر ہی
تھا جائیں اور اصحاب کو حکم دیا کہ سب جا کر مبارکباد دیں اور علیؑ پر امیر المومنین کہکر سلام کریں یہانتک
کہ تمام صحابہ حاضرین نے مبارکبادی منجملہ ان لوگوں کے عمر بن خطاب بھی تھے۔ انہوں نے
اپنی مبارکباد کی عبارت کو طول دیا جسکا ترجمہ یہ ہے کہ مبارک ہو مبارک ہو آپکو اے علیؑ کہ آپ نے
آج ایسی صبح کی کہ میرے اور ہر مومن اور مومنہ کے مولا ہو گئے ہیں۔

حسان بن ثابت انصاری نے حاضر ہو کر جناب رسالتمآبؐ سے چند اشعار کہنے کی اجازت
چاہی اور اجازت حاصل ہونے پر ایک بلند ٹیلہ پر جا کر بآواز بلند اپنے وہ مشہور اشعار پڑھے
جنکا پہلا مصرع یہ ہے :-

يُنَادِيهِمْ يَوْمَ الْغَدِيرِ نَبِيُّهُمْ

خلاصہ ترجمہ ان اشعار کا یہ ہے کہ لوگوں کو روز غدیر پیغمبر خداؐ پکار رہے تھے اور فرما رہے تھے
کہ تمہارا مولا و ولی کون ہے لوگ عرض کر رہے تھے کہ اللہ ہمارا مولا ہے اور آپ ہمارے
ولی ہیں اور ہم آپکی نافرمانی نہیں کر سکتے پس پیغمبرؐ نے علیؑ سے کہا کہ اے علیؑ اٹھو تمکو
میں نے اپنے بعد امام اور ہادی قرار دیا ہے پھر لوگوں سے فرمایا کہ جسکا میں مولا ہوں اسکا
یہ بھی مولا ہے پس تم اسکے سچے دوست اور ناصر ہو جاؤ پھر خدا سے دعا کی کہ اے اللہ
اسکے دوست کو دوست اور اسکے دشمن کو دشمن رکھ پس مخصوص کر دیا امامت و خلافت کے
لئے علیؑ کو اور انکو اپنا وزیر اور بھائی قرار دیا جب جناب رسالتمآبؐ نے یہ اشعار سنے تو ارشاد
فرمایا کہ اے حسان تو جب تک اپنی زبان سے ہماری مدد کرتا رہیگا روح القدس تیری
تائید کرتا رہیگا اور شعر اسنے اس باب میں عہد جناب پیغمبر خدا صلعم میں اور بعد آنحضرتؐ کے بکثرت
اشعار کہے ہیں کسی نے آجتک ان اشعار پر اعتراض نہیں کیا ✤

لطیفہ حضرت رسول اللہ صلعم نے حضرت علی علیہ السلام کو دو مرتبہ لوگوں کے سامنے پیش کیا ایک روز مباہلہ کفار کے سامنے پیش کیا تھا انہوں نے مباہلہ چھوڑ کر صلح کر لی دوسری مرتبہ روز غدیر مسلمانوں کے سامنے پیش کیا لیکن یہ موافقت چھوڑ کر مخالفت پر آمادہ ہو گئے شیخ محمد بن ابی جمہور نے شرح کتاب جمع الجمع میں لکھا ہے کہ چونکہ قبول اعمال ولایت امیر المومنین علیہ السلام پر موقوف ہے اسیوجہ سے تمام احکام پہونچا چکنے کے باوجود خدا نے اپنے رسول سے ارشاد کیا کہ اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو رسالت ہی نہیں پہونچائی۔

تفسیر شیخ ابوالفتوح میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ روز غدیر علامہ شبلی بعض حضرات سادات کی خدمت میں گئے اور بنابر دستور کے انکو مبارکباد دی اور کہنے لگے کہ آپکو معلوم ہے کہ آپکے جد نے آپکے پدر بزرگوار کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور ایک ساعت تک خاموش بیٹھے رہے اسکی کیا وجہ تھی سید نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم انہوں نے کہا اسمیں اشارہ تھا اسطرف کہ جسطرح زنان مصر نے زلیخا پر اعتراض کیا تھا کہ وہ اپنے غلام کو چاہتی ہے یہ سنکر زلیخا نے انکو بلایا تھا اور انکے ہاتھ میں ایک ایک ترنج دیکر کہا تھا کہ جب یوسف اسطرف سے گذریں تو تم میری خاطر سے ترنج کو کاٹ کر بطور تحفہ کے انکے سامنے پیش کرنا۔ اسکے بعد یوسف کو بلوا بھیجا جب وہ آئے تو اُن عورتوں کی یہ حالت ہوئی کہ بجائے ترنج کے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہنے لگیں کہ یہ تو آدمی نہیں بلکہ فرشتہ معلوم ہوتا ہے تب زلیخا نے کہا کہ یہ وہی ہے جسکی محبت پر تم مجھے ملامت کرتی تھیں۔ اسیطرح سے حضرت رسول صلعم بھی اس روز علی کو جلوہ دے رہے تھے اور لوگوں کو دکھا رہے تھے کہ دیکھو یہی وہ شخص ہے کہ جسکی پر تم لوگ مجھے ملامت کرتے تھے آج خدا نے انکے حق میں کیسا حکم تاکیدی بھیجا اور اسکو کتنا بڑا مرتبہ عطا کیا ہے۔

اور روز غدیر کے فضائل بیشمار ہیں اگر اس دن کی کوئی اور فضیلت نہ ہو تو صرف یہ کافی ہے کہ اس روز یہ آیت نازل ہوئی کہ "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ"
اور حضرت صادقؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ روز غدیر اللہ کی سب سے بڑی عید ہے اور خدا نے اپنے ہر نبی کو اسکے مرتبہ کی خبر دی تھی اور یہ عید آسمان میں بھی ہے اور زمین میں بھی۔ پیغمبران سابق بھی اپنے اوصیاء کو اس دن نامزد کیا کرتے تھے اور اسی روز پیغمبر خدا نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنا وصی اور خلیفہ اور جانشین قرار دیا اور تفصیل اسکے فضائل کی کتب زیارات میں مرقوم ہیں اور کچھ تفسیر الفتوح رازی میں بھی مذکور ہیں جسکا جی چاہے دیکھ لے۔

فدک

صاحب معجم البلدان نے لکھا ہے کہ فدک حجاز کے ایک موضع کا نام ہے جو مدینہ سے دو منزل پر واقع ہے اور بعضوں نے تین منزل کہا ہے یہ قریہ کنار خیبر کا تھا اور بطور صلح جناب رسالت مآب صلعم کے قبضہ میں آگیا تھا اور بموجب قانون شریعت رسالتمآبؐ کی خالص ملک قرار پا چکا تھا اور وہاں آب جاری کے چشمے اور خرمے کے درخت کثرت سے تھے۔

واضح رہے کہ یہ تحدید منافی ہے اس روایت کی جو صاحب کتاب طرائف نے جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کی ہے اور وہ یہ ہے کہ حد اول مصر حد دوم دومۃ الجندل حد سوم تیمہ۔ حد چہارم کوہ اُحد۔

اور اسمیں شک نہیں ہے کہ اہلبیت اپنے گھر کی چیزوں سے زیادہ واقف ہو سکتے ہیں۔ القصہ یہ وہی علاقہ ہے جو آیت وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ کے نازل ہونیکے

وقت جناب پیغمبر خدا صلعم نے حضرت فاطمہ علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا لیکن جب
لوگوں نے ابوبکر کو خلیفہ بنا دیا تو اُنہوں نے حضرت فاطمہ علیہ السلام کے حاکموں کو
وہاں سے نکالدیا۔ اور جب جناب سیدہ نے اسکا اظہار کیا کہ رسالتماب صلعم نے
یہ علاقہ مجھے بخشدیا تھا تو اُنہوں نے گواہ مانگے اور باوجود اسکے کہ حضرت امیر علیہ السلام
اور اُمّ ایمن اور امّ سلمہ نے گواہی دی لیکن ابوبکر نے انکی تصدیق نہیں کی جیساکہ
شیخ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفا رمیں لکھا ہے۔ اور فدک اپنا خالصہ بنا لیا
درحالیکہ ازواج جناب رسالتماب صلعم نے اپنے حجروں کا دعوی کیا ہے تو بغیر کسی
گواہ اور شاہد انکے دعوے کی تصدیق کی اور حجرے انکو دیدیئے اور غرض عمر وابوبکر
کی فدک کے لینے سے یہ تھی کہ اہلبیت رسالت غریب و فقیر ہوجائیں تاکہ لوگ اسکے
پاس جمع نہ ہوسکیں اور وہ خود بھی اکٹھا نہ رہ سکیں جیساکہ منافقیں کے متعلق کلام
مجید میں خداوند عالم نے ذکر فرمایا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلعم کے ساتھیوں کو
کچھ نہ دو تاکہ وہ اُنھیں چھوڑکر جدا ہوجائیں اور کتاب خرائج میں بعض مخالفین سے
روایت ہے کہ جب جناب فاطمہ زہرا علیہ السلام نے فدک کے بارے میں ابوبکر کے
پاس دعوی کیا تو اس نے کہا کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ تم وارث ہو لیکن یہ صحیح نہ تھا اسلیئے
کہ حضرت نے فرمایا ہے کہ نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَاءِ لَا نُوَرِّثُ مَا تَرَکْنَاہُ
صَدَقَۃٌ یعنی ہم گروہ انبیاء نہیں وارث کرتے ہیں جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں صدقہ ہے
اب تمہارا دعوے یہ ہے کہ آں حضرت نے قبل وفات تمکو بخش دیا ہے تو اسکے
میں نہیں روکتا اور چاہا کہ ایک کاغذ جناب سیدہ کے لیئے لکھدے لیکن عمر بن الخطاب
نے لکھنے سے منع کیا اور کہا کہ وہ صرف ایک عورت ہیں اُن سے گواہ مانگو جناب سیدہ
نے ام ایمن اور اسماء بنت عمیس کو معہ حضرت امیر علیہ السلام کے گواہی میں پیش کیا
ابوبکر نے ان لوگوں کی گواہی پر ایک کاغذ رد فدک کے بارہ میں جناب سیدہ کو لکھدیا لیکن

جب عمر کو خبر پہونچی تو اُنہوں نے وہ کاغذ اُن سے لیکر چاک کر ڈالا اور کہا کہ فاطمہؑ علیؑ بن ابیطالب علیہ السلام کی زوجہ ہیں لہذا اُنکی گواہی محض اپنے نفع کیلئے ہے اور گواہی اُن دو عورتوں کی کافی نہیں ہوسکتی جب جناب سیدہؑ نے یہ سُنا تو عمر سے فرمایا کہ آیا تو نے حضرت رسولؐ سے نہیں سُنا ہے کہ ام ایمن اور اسماء بنت عمیس اہل جنت سے ہیں اور جب ایسا ہے تو انکی گواہی باطل کیونکر ہوسکتی ہے لیکن ابوبکر و عمر نے حضرت کے کلام کی طرف توجہ نہیں کی۔ حضرت فریاد وا ابتاہ و امحمداہ کرتی ہوئی اپنے گھر کو واپس ہوئیں اور تھوڑی ہی مدت بعد بیمار ہوئیں اس بیماری میں حضرت امیرؑ سے وصیت کی کہ ابوبکر و عمر کو انکے جنازہ میں شریک نہونے دیں اور نہ انکو جنازہ پر نماز پڑھنے دیں۔ اس تقریر سے ظاہر ہوگیا کہ اس ظلم کے بانی حضرت عمر تھے اسی سبب سے کہا گیا ہے کہ عدل عمر تقدیری ہے چنانچہ شاہ طاہر علیہ الرحمہ نے اپنے بعض قصائد میں فرمایا ہے ع

عدلِ تقدیری و تقدیر عدالت عیش است
زانکہ تحقیق شد این مسئلہ درباب فدک

صحیح بخاری کے پانچویں جزو اور صحیح مسلم کے تیسرے جزو میں مذکور ہے کہ جناب فاطمہؑ اس بارہ میں ابوبکر سے ناراض اور غضبناک ہوئیں یہانتک کہ مدت العمر اُن سے بات نہیں کی اور جب انتقال ہوا تو حضرت امیر علیہ السلام نے انہیں شب کو دفن کیا اور خود ہی ان پر نماز پڑھی اور ابوبکر و عمر کو خبر نہیں کی اور یہ فعل آپ کا بنا بر وصیت جناب فاطمہ علیہا السلام کے تھا اور ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ ایک شخص نے اولاد برامکہ میں سے جناب امام علی بن موسی الرضاؑ سے اس بارہ میں سوال کیا کہ آپ ابوبکر و عمر کے بارہ میں کیا فرماتے ہیں حضرتؑ نے فرمایا:۔ سُبحَانَ اللّٰہِ وَالحَمدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکبَر۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ وہ زمانہ تقیہ کا تھا حضرت

جواب دینا نہیں چاہتے تھے لیکن جب سائل نے بہت اصرار کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم اسقدر جانتے ہیں کہ ہماری ایک مادر صالحہ تھیں جنہوں نے ایسی حالت میں وفات پائی کہ ان دونوں سے آزردہ و غضبناک تھیں اور انکی وفات کے بعد بھی ہمکو کوئی اسکی خبر نہیں ملی کہ وہ ان سے راضی ہوئی ہوں اور یہی سبب ہے کہ جب خلافت عمر بن عبدالعزیز کو ملی تو اس نے فدک کو معہ اسکے غلات کے اولاد جناب فاطمہؑ کو واپس کردیا چنانچہ بعض مخالفین نے عمر بن عبدالعزیز سے کہا کہ تمنے رد فدک کرکے ابوبکر و عمر کے فعل پر اعتراض کیا اور انکے عمل کو ظلم و جور سے نسبت دی اسنے جواب دیا کہ مجھے اور تمکو بخوبی معلوم ہے کہ جناب فاطمہؑ پیغمبرؐ کی بیٹی تھیں اور انہوں نے فدک کا دعویٰ کیا تھا اور وہ انکے قبضہ میں بھی تھا انکی شان یہ نہ تھی کہ وہ پیغمبرؐ پر افترا کرتیں علاوہ بریں علیؑ اور ام ایمن اور ام سلمہ نے انکے دعوے کے موافق گواہی بھی دی اور میرے نزدیک تو فاطمہؑ صادق القول ہیں اگرچہ انکے دعوے پر کوئی گواہ نہ ہوتا اس لئے کہ وہ سردار زنان اہل جنت ہیں میں آج فدک کو انکے وارثوں پر رد کررہا ہوں تاکہ پیغمبر خداؐ مجھسے خوشنود ہوں اور امیدرکھتا ہوں کہ فاطمہؑ و حسن و حسین علیہم السلام روز قیامت میری شفاعت کرینگے اور اگر میں بجائے ابوبکر و عمر کے ہوتا اور جناب فاطمہؑ نے میرے پاس دعویٰ کیا ہوتا تو میں یقیناً انکی تصدیق کرتا۔

اور بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ جب عمر بن عبدالعزیز نے فدک کو جناب امام محمد باقرؑ کے سپرد کردیا تو لوگوں نے اس سے کہا کہ تمنے شیخین پر طعن کی اس نے جواب دیا کہ انہوں نے خود غصب فدک کرکے اپنے اوپر طعن کی ہے۔ الغرض عمر بن عبدالعزیز نے خلاف رائے منافقین فدک امام محمد باقر علیہ السلام کو دیدیا اور انکی زندگی بھر حضرتؑ کے قبضہ میں رہا اور بعد اسکے بعض خلفائے بنی عباس نے بھی مثل مامون و معتصم اسکو وارثوں کے فدک کو اولاد جناب سیدہ کو دیدیا تھا لیکن پھر متوکل نے غصب کرکے اسنے اپنے حجام کو

دیدیا معتضد نے پھر سادات کو دیدیا اور مکتفی نے پھر واپس لے لیا معتدر نے پھر دیا
اور کتاب لطائف میں مذکور ہے کہ ایک روز ہارون رشید نے جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام
سے عرض کی کہ فدک کے حدود بتائیے تاکہ میں آپکو دیدوں اسلئے کہ میں جانتا ہوں کہ اس
بارہ میں اہلبیت پر ظلم کیا گیا ہے حضرتؑ نے فرمایا کہ اگر میں اسکی کما حقہ حدیں بتاؤں گا تو
تمہارا دل واپس کرنے پر راضی نہو گا۔ ہارون نے قسم کھائی کہ میں ضرور واپس کردونگا
تب حضرت نے فرمایا کہ حد اول عدن ہے ہارون کا رنگ متغیر ہوگیا آپ نے ارشاد فرمایا
کہ حد دوم سمرقند ہے ہارون کا رنگ زرد ہوگیا پھر ارشاد فرمایا کہ حد ثالث افریقائے مغرب
ہے ہارون کے چہرہ کا رنگ غصہ سے سرخ ہوگیا پھر حضرت نے فرمایا کہ حد رابع دریائے آرمینیا
ہے یہ سنکر ہارون کا رنگ فرط غضب سے مائل سیاہی ہوگیا اور بہت دیر تک سر جھکائے بیٹھا
رہا اسکے بعد سر اٹھایا اور کہا کہ "اے کاظم یہ تو تمنے میری سلطنت کے حدود بتائے ہیں
اس سے مراد تمہاری یہ معلوم ہوتی ہے کہ جتنے ملک ہمارے قبضہ میں ہیں یہ سب حق بنی فاطمہ
کا ہے اور بنی عباس نے ظلم و غصب کیا ہے امامؑ نے فرمایا کہ میں نے تو پہلے ہی کہدیا
تھا کہ تو ان حدوں پر راضی نہ ہوگا لیکن تو نے نہ مانا۔ الغرض اسکے بعد ہارون کے دل
میں آپ کی عداوت بیٹھ گئی اور حضرتؑ کے قتل پر کمر باندھی۔

اور یہ بھی روایت میں وارد ہوا ہے کہ جب ابوبکر نے اپنی بنائی ہوئی حدیث "نحن معاشر
الانبیاء لا نورث ما ترکنا لا صدقۃ" پڑھی تھی تو جناب سیدہؑ نے فرمایا کہ "الم
یورث سلیمان داؤد و لقد جئت شیئاً فریا" یعنی کیا نہیں وارث کیا
سلیمان کو داؤد نے تو نے یہ ایک نئی بات پیش کی ہے۔ اور یہ حدیث کیونکر صحیح ہوسکتی ہے
اسلئے کہ اسکی صحت جناب رسالتمآب صلعم کی تنقیص پر دلالت کرتی ہے کہ آپ نے حکم خدا
پر عمل نہیں کیا اسلئے کہ خدا تو فرماتا ہے کہ "انذر عشیرتک الاقربین" یعنی اپنے قرابت
داروں کو ڈراؤ اور پھر ارشاد فرماتا ہے یا ایھا الذین امنوا قوا انفسکم و اھلیکم

نارا ۔ اے ایمان لانے والو! اپنے نفسوں کو اور اپنے اہلبیت کو آتشِ جہنم سے بچاؤ پھر کیونکر ہو سکتا ہے باوجود ان احکام کے رسالت مآب اپنی پارہ جگر جناب سیدہ کو اپنی میراث کا مسئلہ نہ بتاتے کہ جسکی لاعلمی کے سبب سے آپ دعوےٰ کر کے معاذاللہ مرتکب گناہ ہوتیں ۔ اور پھر یہی نہیں کہ جناب سیدہ کو نہیں بتایا بلکہ بنی ہاشم میں سے اور اپنے ازواج میں سے کسی شخص کو خبر نہ دی بلکہ مسلمانوں میں سے کسی کو سوائے ابوبکر کے نہیں بتایا چنانچہ اسی بنا پر سیوطی نے انکو اعلم صحابہ کہا ہے کہ یہ حدیث صرف انہیں کو معلوم تھی اور کسی کو نہیں معلوم تھی علاوہ بریں احادیث متواترہ فریقین میں وارد ہے کہ جو حدیث کلام مجید کے خلاف ہو وہ مثل ٹھیکری کے ہے اسے دیوار پر دے مارو اور یہ مخالفین کے نزدیک بھی اسقدر مسلم ہے کہ انکی کتب اصولیہ اور کتب درایت اور رجال وغیرہ میں ہر جگہ مذکور ہے پھر اس حدیث بکری کے خلاف تو کئی آیتیں کلام مجید میں بھی مذکور ہیں کہ جسمیں ایک نبیؑ نے دوسرے نبیؑ کو اپنا وارث کیا یا خدا سے اپنے وارث پیدا ہونے کیلئے دعا مانگی ہے مثلاً وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوٗدَ یعنی وارث ہوئے سلیمان داؤد کے یا جناب زکریا کا قول: کہ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ ۔ یعنی اے اللہ تو مجھے ایسا فرزند عطا فرما کہ جو میرا وارث ہو پھر تو یہ حدیث منقولہ ابوبکر ٹھیکری سے بدتر ہوئی ۔ اور اگر بالفرض محال اس حدیث کو صحیح بھی مان لیں جب بھی اسکے معنی ابوبکر کے مقصود پر دلالت نہیں کرتے اسلئے کہ معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم گروہ انبیاء نہیں وارث کرتے اس چیز کا جسکو ہمنے صدقہ کر کے چھوڑا ہو اور فدک کا صدقہ قرار دینا کہیں ثابت نہیں ہے ۔

منجملہ دلائل غیر صحیحہ کے جو ملا علی قوشجی نے اسکے جواب میں لکھے ہیں یہ ہے کہ حاکم کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ مجرد ایک مرد و ایک عورت کی گواہی پر حکم دے سکے اگرچہ مدعی معصوم ہی کیوں نہ ہو اور اپنے علم پر البتہ حکم کر سکتا ہے اگرچہ کوئی گواہ بھی نہ ہو غلطی اس دلیل کی

صاف ظاہر ہے اسلیے کہ جب مدعی معصوم ہوگا تو اسکے دعوے سے حاکم کو علم حاصل ہی ہو جائیگا اور یہ خود اُنہوں نے کہا ہے کہ حاکم اپنے علم پر حکم دے سکتا ہے لہذا ابوبکر کو جناب سیدہ اور امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور جناب امیر علیہ السلام کی گواہیوں پر ضرور حکم دینا چاہیے تھا اسلیے کہ یہ حضرات معصوم تھے اور علاوہ بریں فدک ایک مال تھا جو جناب سیدہ کے قبضہ میں تھا اور اسمیں کوئی نزع کرنے والا نہ تھا اسکو زبردستی انکے قبضہ سے لے لینا اور پھر اُلٹے اُنہیں سے گواہ طلب کرنا یہ کونسا قانون ہے؟ اور منجملہ اُن روایتوں کے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اگر مدعی معصوم ہو تو بغیر گواہ کے اسکے موافق حکم کرنا جائز ہے وہ روایت مشہورہ ہے کہ ایک روز جناب رسالت مآبؐ نے ایک اعرابی پر دعوی کیا تھا کہ تو نے یہ گھوڑا میرے ہاتھ بیچا ہے اور اعرابی انکار کرتا تھا پس خزیمہ بن ثابت نے مطابق دعوائے جناب رسالت مآبؐ کے گواہی دی حضرتؐ نے فرمایا کہ تمنے کیونکر گواہی دی درانحالیکہ بوقت خرید و فروخت حاضر نہ تھے خزیمہ نے جوابدیا کہ جو خبریں آپ خداوند عالم اور اہل آسمان کی طرف سے ہمیں پہونچاتے ہیں انہیں تو ہم آپکی تصدیق کرتے ہیں اسلیے کہ ہم آپکو سچا اور معصوم جانتے ہیں پس اسی سبب سے ہمنے جان لیا کہ آپ اس دعوی میں بھی سچے ہیں حضرت نے ان پر مہربانی فرمائی اور انکی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور جناب فاطمہؑ بمقتضائے آیت تطہیر معصوم ہیں اور کم سے کم بموجب آیہ کریمہ کونوا مع الصادقین - سچوں کے ساتھ رہو جو بالاتفاق مفسرین انہیں حضرات کی شان میں نازل ہوئی ہے اپنے اقوال میں صادق تو ضرور ہیں اور انکی گواہی خزیمہ بن ثابت کی گواہی سے کمتر نہیں ہو سکتی اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ جناب سیدہ قانونی طور پر اپنے دعوے کو ثابت نہیں کر سکیں تو حضرت کے ساتھ احسان اور مروت کا برتاؤ کیوں نہ کیا گیا وہ کیسے مومن تھے کہ جنکے دل میں رسول کی اتنی بھی محبت نہ تھی کہ انکی پارۂ جگر کے ساتھ طریقہ احسان برتتے اور انکو ناراض نہ کرتے کیا حضرت فاطمہ علیہا السلام اپنی

بہن زینب سے بھی مرتبہ میں کم نہیں کہ جب انکا شوہر ابو العاص دوسرے کفار کے ساتھ روز بدر گرفتار ہوا اور ان قیدیوں کی رہائی فدیہ کے عوض میں قرار پائی زینب نے بھی دوسرے فدیہ کے ساتھ ابو العاص کی رہائی کیلئے مال بھیجا جسمیں ایک موتیوں کا ہار بھی تھا جو جناب خدیجہ کبریٰ نے ان کو دیا تھا جب جناب پیغمبر خدا کی نظر اس پر پڑی تو حضرت نہایت متاثر ہوئے اور باوجود اسکے کہ مسلمان اسوقت نہایت عسرت اور تنگی کی حالت میں تھے حضرت نے ان سے خواہش کی کہ وہ زینب کے مال کو ہبہ کر دیں اور زینب کے پاس واپس بھیجیں ان لوگوں نے بکمال خوشی وہ مال زینب کو ہبہ کر دیا چنانچہ اسکی تفصیل شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی میں مذکور ہے پس اگر بفرض محال فدک بھی تمام مسلمین کا مال تھا جب بھی ابو بکر کو جناب رسالتمآب صلعم کی پیروی کرنی چاہئے تھی اور مسلمانوں سے جناب فاطمہؑ کیلئے فدک کو بخشوا لینا تھا۔ اور اسقدر بے مروتی نہ کرنی چاہئے تھی کہ آپ آزردہ خاطر ہو جائیں۔ کہ آپکی آزردگی خدا و رسول کی آزردگی ہے اور روز قیامت جناب محمد مصطفےٰ صلعم سے شکایت کرینگے اسوقت معلوم ہوگا۔ چنانچہ بعض روایات میں وارد ہے کہ جب جناب فاطمہؑ مایوس ہو کر واپس ہوئیں تو آپ نے وہ کلمات ارشاد فرمائے کہ جنکا خلاصہ یہ ہے:۔

"لے تو لیکن میں روز قیامت اسکا مطالبہ کرونگی اور اللہ بڑا اچھا حاکم اور قیامت بڑی اچھی وعدہ گاہ ہے اور محمد تیرے دشمن ہونگے عنقریب تم لوگوں کو معلوم ہو جائے گا اور روز قیامت گناہگار خائب و خاسر ہوں گے۔"

اور منجملہ ان تعصبات و واہیات کے جو قاضی عبد الحی نے اس مقام پر لکھی ہیں اور خدا و رسول سے شرم نہ کر کے ابو بکر کی آبرو بچانے کی کوشش کی ہے یہ ہے کہ جناب سیدہؑ معصومہ نہ تھیں بلکہ معاذ اللہ جناب رسالتمآب صلعم بھی معصوم نہ تھے۔

اور شارح مقاصد نے لکھا ہے کہ اگر فاطمہؑ کا ویسا ہی حق فدک پر ہوتا جیسا کہ شیعہ روایت کرتے ہیں تو حضرت امیرؑ بھی اسکے وارث ہونے چاہئے تھا کہ اپنی خلافت کے زمانہ میں اسپر قبضہ کر لیتے۔

جواب اس کا یہ ہے جو جناب امام جعفر صادقؑ نے دیا ہے کہ اس امر میں بھی جناب امیرؑ نے جناب رسالتمآبؐ کی پیروی کی عقیل بن ابیطالبؑ نے حضرت کا گھر غصب کر کے فروخت کر ڈالا تھا جب مکہ فتح ہوا تو بعض اصحاب نے کہا کہ اب آپ اپنے گھر میں چلکر مقیم ہوئیے حضرتؐ نے فرمایا کہ عقیل نے میرے لئے گھر کب چھوڑا ہے مجسے جو مال بظلم لے لیا گیا ہو میں اسکی طرف التفات نکرونگا علاوہ بریں یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ جناب سیدؑ علیہا السلام نے اس رنج میں وفات پائی حضرت امیر علیہ السلام کو مکروہ معلوم ہوتا تھا کہ اس مال پر قبضہ کر کے خوش ہوں جسکے متعلق جناب سیدہ علیہ السلام کو مدۃ العمر صدمے پہونچتے رہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت نے اس لئے قبضہ نہ کیا تا کہ لوگوں پر ظاہر ہو جائے کہ آپکی گواہی اپنے نفع کے لئے دی تہی آپ مال دنیا کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے تھے اسکے علاوہ چونکہ پچیس برس کے زمانہ میں لوگ ابوبکرؓ و عمرؓ کے طریقوں کے معتقد اور انہیں کے پیرو ہو گئے تھے آنحضرت کی خلافت کو انہیں کی خلافت پر مبنی سمجھتے تھے تو حضرت کیلئے ممکن نہ تہا کہ جو ایسا کام کر سکیں کہ جو انکے فعل کے خلاف ہو اسلئے کہ ایسا کام کرنا اس امر کی شہادت شہادت دینا تہا ظالم تھے اور پیغمبر کے قایل نہ تھے پہر اس زمانہ کے لوگ جو آپکی خلافت کو انکی خلافت کی شاخ سمجھتے تھے ایسے امر پر کیونکر راضی ہوتے چنانچہ روایت مشہور ہے کہ حضرت نے اپنی خلافت کے زمانہ میں تراویح پڑہنے کو منع فرمایا لوگوں میں بڑا شور و غل مچا ست قے " واعمراہ " پکارنا شروع کیا آخر کار حضرت نے مجبور ہو کر ترک تعرض فرمایا پہر آپ اپنے زمانہ خلافت میں ہمیشہ لڑائیوں اور جھگڑوں میں مصروف رہے

کبھی جنگ جمل واقع ہوئی کبھی صفین کی ہنگامہ خیز لڑائیاں۔ کبھی نہروان کی جنگ۔ ایسی حالت میں آپکے ساتھ جو فوجیں تھیں انکا بڑا حصہ ابوبکر و عمر کا معتقد تھا اگر آپ کوئی فعل انکے خلاف کرتے تو فوراً وہ لوگ آپ سے لڑنے پر آمادہ ہو جاتے بالخصوص فدک کو تو خلیفہ ثالث نے مروان کی جاگیر میں دیدیا تھا حضرت کو اسکے قبضہ کرنے میں بھی قبیلہ بنی اُمیہ سے ایک علیحدہ جنگ کرنی پڑتی جسکے لئے آپکے پاس موقع اور اسباب نہ تھے منجملہ ابوبکر و عمر کے غاصب ہونے کی دلیلوں کے یہ بھی ہے کہ موفق بن احمد مکی نے جسکو اہل سنت فخر خوارزم کہتے ہیں حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جناب رسالتمآب صلعم نے حضرت امیر علیہ السلام سے فرمایا کہ خداوند عالم نے تمکو فاطمہؑ کے ساتھ تزویج کیا ہے اور انکا مہر زمین کو قرار دیا ہے پس جو شخص زمین پر چلے درحالیکہ اسکے دل میں سیدہ کی عداوت ہو تو اسکا چلنا حرام ہوگا۔ پس جبکہ تمام زمین جناب سیدہ کے مہر میں ہے تو ابوبکر و عمر کا ایک چھوٹی سی زمین کے متعلق اس قدر بے مروتی کرنا یقیناً ظلم اور بے انصافی ہے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ۝

کوفہ

اسلام کے بڑے شہروں میں سے ہے اور یہ پہلا شہر ہے جو ابتدائے فتح ایران کے زمانہ میں آباد کیا گیا اور جب سلطنت بنی امیہ سے بنی عباس کو ملی۔ تو اہل کوفہ چونکہ شیعہ تھے بنی عباس کی خلافت پر راضی نہ تھے چنانچہ جب منصور عباسی نے کوفہ اپنا دارالسلطنت قرار دیا تھا تو قریب تھا کہ اہل کوفہ اسکے لشکر کو اسکے خلاف کردیں اور اسکی سلطنت میں خلل انداز ہو جائیں یہانتک کہ مجبوراً اسکو کوفہ چھوڑنا پڑا اور شہر بغداد کو آباد کرکے اپنا دارالسلطنت بنانا پڑا۔ صاحب معجم البلدان نے حالات خراسان میں

لکھا ہے کہ :- جب محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس اپنے سرداروں کو ہر طرف بھیج رہے تھے تو اُنسے کہتے تھے کہ کوفہ میں سب شیعہ علیؑ رہتے ہیں وہ تمہاری طرف راغب ہونگے اور اہل بصرہ عثمانی ہیں وہ ایمان سے دور ہیں اور اہل جزیرہ خارجی اور ذلیل ہیں اور اہل شام سوائے آل ابی سفیان اور بنی امیہ کے کسی کو نہیں پہچانتے ہیں اور محبت بنی امیہ میں انکی عداوت بنی ہاشم کے ساتھ بہت مستحکم ہے مکّہ اور مدینہ کے لوگوں پر ابوبکر و عمر کی محبت غالب ہے تم لوگوں کو چاہیئے کہ اہل خراسان سے غافل نہ رہو اور انکو ہمارے خلافت کی طرف بلاؤ اسلئے کہ وہ سپاہی لوگ ہیں اور انکے دل خلفاء سابق کی جنبہ داری سے خالی ہیں وہ تمہاری طرف رجوع کریں گے

اور کتاب احتجاج شیخ طبرسی وغیرہ میں مذکور ہے کہ جب بعد وفات جناب امام حسن علیہ السلام کے معاویہ شیعیان اہلبیت سے بدلا لینا شروع کیا تو جسقدر تکلیفیں اہل کوفہ کو ہوئیں اور کہیں کے لوگوں کو وہ تکلیفیں نہیں ہوپہنچیں اسلئے کہ وہاں کے زیادہ باشندے شیعہ تھے اور زیاد بن ابیہ کو معاویہ نے کوفہ و بصرہ کا اسلئے حاکم کیا کہ وہ وہاں کے لوگوں کو پہچانتا تھا تو اس نے شیعوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کرنا شروع کیا۔ بہتوں کو سنگسار کر دیتا تھا اور بہتوں کو بر دیوار گرادیتا تھا اور بعضوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر دار پر کھینچتا تھا۔ بعضونکی گردن مارتا تھا اور بہتوں کی آنکھیں نکلوا لیتا تھا اور ہزارونکو بے خانماں کر دیتا تھا تاکہ کوئی شیعہ باقی نہ رہ جائے۔

شیخ بزرگوار ابو جعفر طوسی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب آمالی میں عبداللہ بن ولید سے روایت کی ہے کہ میں بنی مروان کے زمانہ میں حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو؟ میں نے اور میرے رفقاء نے عرض کی کہ ہم اہل کوفہ سے ہیں حضرت نے فرمایا کہ کسی شہر میں ہمارے اتنے دوست نہیں ہیں جتنے کوفہ میں ہیں۔ اے قوم تمکو اللہ نے ہدایت دی ایسی بات کی جس سے لوگ جاہل

ہیں پس تم نے ہمکو دوست رکھا درحالیکہ لوگ ہمارے دشمن ہیں تم نے ہمسے بیعت کی حالانکہ لوگ ہمارے خلاف ہیں۔ تمنے ہماری موافقت کی اور تصدیق کی درحالیکہ لوگوں نے ہمیں جھٹلایا۔ اللہ تمکو ہماری ہی ایسی زندگی اور ہماری ہی ایسی موت عطا فرمائے۔ حاصل کلام تشیع اہل کوفہ محتاج کسی دلیل کا نہیں ہے بلکہ سنی ہونا کوفی الاصل کا خلاف اصل اور محتاج دلیل ہے اگرچہ ابوحنیفہ کوفی تھے۔ ابن کثیر نے جعفر بن محمد بن قیطہ کے حالات میں کہا ہے کہ انکو تشیع کی طرف نسبت دیجاتی تھی اور ان شہروں کے لوگ تو اکثر ایسے ہی ہیں خدا انکی زیادتی نہ کرے۔

حِلّہ

صاحب معجم کہتے ہیں کہ (ح) کو زیر اور لام کو تشدید ہے اسکے معنی ایک ایسی قوم کے ہیں جو کسی مقام پر اترے اور کثیر التعداد ہو۔ چنانچہ عرب کے بہت سے مواضع کا نام حلہ ہے لیکن ان سب میں مشہورترین حلہ بنی مزید ہے اور وہ ایک بڑا شہر ہے درمیان کوفہ و بغداد کے درحصل اس مقام کو جامعین کہتے تھے اور پہلا شخص جس نے وہاں پر عمارت بنوائی امیر سیف الدولہ صدقہ بن منصور بن علی بن مزید اسدی تھا اس سے قبل انکا وطن فرات کے کنارے پر تھا جب بادشاہان سلجوقی نے آپسمیں لڑنا شروع کیا تو امیر سیف الدولہ ۴۹۵ھ میں جامعین میں آئے اور یہ مقام چونکہ درندوں سے بھرا ہوا تھا اپنی قیام گاہ کے لئے پسند کیا اور اسکو آباد کرنا شروع کیا یہانتک کہ بہترین بلاد عراق سے ہو گیا چنانچہ بہت سے شعرا نے حلہ کی تعریف میں اشعار کہے ہیں یہ بھی مسکن اہل تشیع کا ہے اور اسکے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں بہت سے علما اور مجتہدین شیعہ اہل حلہ سے گزرے ہیں جنمیں سے بعض کا حال انشاء اللہ اس کتاب میں مذکور ہوگا۔

مشہد نجف

صاحب معجم کہتے ہیں کہ وہ نام ہے ایک بلندی کا جو پشت کوفہ پر واقع ہے اور جو مثل ایک باندھ کے ہے جو کوفہ کو سیلابی سے بچاتی رہے اور قبر منور جناب امیر المومنین علیہ السلام کی اس پر واقع ہے۔ اور اسکو مشہد غروی کہتے ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکے قریب میں دو گنبد تھے مالک اور عقیل کی قبروں پر کہ یہ لوگ خذیمہ بن الابرش کے ندیموں میں تھے ان دونوں گنبدوں کو غریین اسلئے کہتے تھے کہ غری کے معنی آلودہ کرنے کے ہیں اور نعمان بن منذر جو بادشاہان عرب میں سے تھا جب کسی کو قتل کرتا تھا تو کہتا تھا کہ ان دونوں قبروں کو اسکے خون سے آلودہ کردو حاصل کلام نجف اشرف بھی ہمیشہ شیعیان امامیہ کا مسکن وماویٰ اور صلحاء و اتقیاء کا موطن رہا ہے اور وہاں کے رہنے والے سب کے سب شیعہ ہیں خدا انہیں زیادہ کرے اور ہمیں بھی انہیں کے گروہ میں محشور کرے۔ اور وہاں کے رہنے والوں کے فضائل میں بہت سی روایتیں وارد ہوئی ہیں جنکو سید اجل رضی الدین علی بن طاوس علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب مستطاب فرحت الغری میں تحریر فرمایا ہے جسکا جی چاہے دیکھ لے۔

مشہد کربلاء

صاحب معجم کہتے ہیں کہ کربلا مد کے ساتھ ایک موضع کا نام ہے جہاں جناب امام حسین علیہ السلام کو لوگوں نے شہید کیا اور وہ میدان کوفہ کے حوالی میں واقع ہے اصل میں یہ لفظ کربلہ سے مشتق ہے جسکے معنی نرمی وسستی قدمین کے ہیں ہوسکتا ہے کہ وہ زمین کی نرمی کے سبب سے اسکا نام کربلا ہوگیا ہو نیز کربلا کے معنی

خس وخاشاک اور سنگریزوں سے گیہوں کو پاک کرنے کے بھی ہیں - اس بنا پر بھی ممکن ہے کہ چونکہ یہ زمین صاف اور سنگریزوں سے خالی تھی اسکا یہ نام رکھدیا گیا یا اسکی اصل کربلا بالقصر ہو کہ یہ نام ہے ایک خاص قسم کی گھاس کا - ہو سکتا ہے کہ اس قسم کی گھاس کثرت سے ہونیکی وجہ سے اسکو کربلا کہا - اور روایت میں وارد ہوا ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام اس زمین ہولناک پر پہونچے تو آپ کا گھوڑا خود بخود کھڑا ہو گیا ہر چند آپ نے چاہا کہ گھوڑا آگے بڑہے لیکن گھوڑے نے قدم نہ بڑہایا حضرت نے پوچھا کہ تم لوگوں میں سے کوئی جانتا ہے کہ اس زمین کا کیا نام ہے لوگوں نے کہا کہ ارض ماریہ کہتے ہیں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ شاید کوئی دوسرا نام ہو لوگوں نے عرض کی کہ کربلا بھی کہتے ہیں - تب حضرت نے تکبیر کہی - اور فرمایا کہ زمین کرب وبلا ہے اور یہ وہ زمین ہے کہ جہاں پر ہمارے خون گرائے جائینگے اور یہی وہ مقام ہے جہاں آل عبا کی سواریاں اتریںگی بالفعل مشہد کربلا بڑے شہروں میں سے ہے اور تمام عالم کے نیک لوگوں کا مجمع ہے نہر جاری اور درختہاے میوہ بکثرت پائے جاتے ہیں اور فضیلت میں زمین کربلا کی اور ثواب زیارت حضرت امام حسین علیہ السلام میں کثرت سے روایتیں وارد ہوئی ہیں - بہت سے شعرا نے بعض روایات کے مضامین کو نظم بھی کیا ہے **بیت**

آنرا کہ بکربلا گذار است — باآتش دوزخش چہ کار است

یعنی جسکا گزر کربلا میں ہے اسکو آتش دوزخ سے کیا مطلب

رباعی ملا فضولی بغدادی

آسودہ کربلا بہر حال کہ ہست — گر خاک شود نمی شود قدرش پست
بر می دارند وسبحہ می سازندش — می گرداننش از شرف دست بدست

یعنی کربلا کا رہنے والا کسی حال میں ہو اچھا ہے یہانتک کہ اگر خاک بھی ہو جاوے

جب بھی اسکی قدر میں کمی نہیں ہوتی - اسکو بھی لوگ تبرک سمجھ کر اٹھا لینگے اور تسبیح بنا دینگے اور وہ تسبیح ہاتھوں ہاتھ پھرتی رہیگی - اور ملا جامی نے باوجود اپنے تعصب کے یہ چند شعر لکھے ہیں ؎

کردم ز دیدہ پائے سوئے مشہد حسین ۔۔۔ ہست این سفر بمذہب عشاق فرض عین

کعبہ بگرد روضۂ او کردست طواف ۔۔۔ ای رکب الحجیج این تروحون این این

از قاف تا بقاف پر است از کرامتش ۔۔۔ آن بہ کہ حیلہ جو گزیدہ کند ترک سید و شین

یعنی میں مزار حضرت امام حسینؑ کی طرف اپنی آنکھوں کے بل جاتا ہوں اور مذہب عشاق میں یہ سفر فرض عین ہے خود کعبہ حضرت کے روضہ کے گرد طواف کرتا ہے اے حج کے سوارو تم کہاں جارہے ہو اور کس طرف ؟ قاف سے قاف تک حضرت کی کرامت سے پر ہے لہذا مکار کو اپنے مکر سے باز آنا چاہیے ۔

دمشق

صاحب معجم کہتے ہیں کہ بکسر اول و فتح ثانی اکثر کے نزدیک ہے اور کسر ثانی بھی مستعمل ہے اور وہ ملک شام کا پائے تخت ہے اور اپنی عمارتوں اور شادابی اور نہرہائے جاری کی کثرت اور طرح طرح کے میووں اور درختوں کی افراط کی وجہ سے یہ دنیا کا بہشت کہلاتا ہے اور اسکے بانی کے بارے میں اختلاف ہے لیکن اظہر اقوال یہ ہے کہ اسکو دمشق بن شام بن ارم بن نوحؑ نے آباد کیا تھا اور اسکو فلسطین اور ایلیا کے بھائی نے ایک جماعت کے ساتھ برباد کر دیا تھا ۔ اور ہر ایک نے انہیں سے علیحدہ علیحدہ اپنے شہر آباد کئے تھے دمشق کی عمارات نفیسہ میں سے مسجد بنی امیہ ہے جسکو ولید بن عبدالملک بن مروان نے بنایا اور اسکی عمارت و زینت دینے میں مسلمانوں کے مال کو بے دھڑک صرف کیا اور اس سے مقصود محض اپنے اقتدار کا اظہار

کرنا اور صفحہ روزگار پر اپنی یادگار چھوڑ جاتا تھا جسطرح سے کہ اس زمانہ میں عبد اللہ خاں اُزبک نے سلاطین چغتائی کی عمدہ مسجدونکو ویران کرکے انکے اسباب زینت اور بہترین اشیاء دوسرے مقام پر منتقل کرکے اپنے نام سے مسجد بنائی ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ملک شام کے ہفت سالہ خراج میں یہ مسجد بنی تھی ہر چند لوگوں نے طعن کیا لیکن ولید پر اثر نہ ہوا اور اُسی طرح سے اسکی طلا کاری وجواہر نگاری میں مصروف رہا یہانتک کہ ایک شاعر نے یہ چار مصرعے کہے :-

سَمِعْتُکَ تَبْنِی مَسْجِداً عَنْ خِیَانَۃٍ — وَاَنْتَ بِحَمْدِ اللّٰہِ غَیْرُ مُوَفَّقٍ
کَمُنْفِقَۃِ الْاَیْتَامِ مِنْ کَسْبِ فَرْجِھَا — لَکَ الْوَیْلُ لَا تَزْنِی وَلَا تَتَصَدَّقِ

میں نے سنا ہے کہ تو خیانت کرکے مسجد بنوا رہا ہے درحالیکہ خدا کی طرف سے تجھے کوئی توفیق نہیں ملی ہے تیری حالت بعینہ اس زناکار عورت کی سی ہے جو اپنی خرچی سے یتیمونکی پرورش کرے۔ وائے ہو تیرے اوپر نہ تو زنا کر نہ صدقہ دے۔

یہی سبب تھا کہ جب نوبت خلافت عمر بن عبد العزیز کی آئی تو اسنے زینتوں کو ناپسند کیا اور اُسکا سونا اور جواہرات بیت المال میں واپس منگوا لیا۔ اور دمشق میں بہت سے صحابہ اور تابعین کی قبریں بھی واقع ہیں لیکن خلفاے بنی عباس نے اپنی ابتداء سلطنت میں بہت سے ایسے بنی اُمیہ لوگونکی قبریں کہ جنھوں نے جناب امیر کی مخالفت اور معاویہ کی متابعت کی تھی کھدوا کر برابر کر ڈالیں اور جو ہڈیاں وغیرہ وہاں ملیں انکو جلا ڈالا بلکہ اُس قبرستان کو کھیت بنا دیا۔ اور روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ قیدیان بنی اُمیہ کے قتل کرنے کے بعد عبد اللہ بن علی نے جو سفاح کے چچا تھے حکم دیا کہ معاویہ اور تمام بادشاہان بنی اُمیہ کی قبریں سوائے قبر عمر بن عبد العزیز کے کھود ڈالیں جائیں۔ قبر معاویہ میں سوائے خاک ناپاک کے اور کوئی چیز نہیں ملی اور عبد الملک بن مروان کا صرف کاسہ سر کھائی دیا لیکن سب کا عوض ھشام بن عبد الملک سے لیا گیا

اسلئے کہ اسکا جسم بالکل ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوا تھا ایک جثہ کی حالت باقی تھی لہذا آسے نکالکر بہت سے کوڑے مارے گئے پھر اسکی لاش اگ میں جلادی گئی۔ اور خاکستر ہوا میں اُڑا دی گئی اور منجملہ اہل سنت وجماعت کی حماقتوں کے یہ ہے کہ سو برس بعد اُن قبروں میں بجاے انکے اجسام نجس کے اسکا نعم البدل پتھر وغیرہ بھر کے ان قبروں کو بنا لیا ہے اور بعضوں پر مقبرہ بنائے ہیں اور پھر انکی زیارتوں کے لئے جایا کرتے ہیں اور خدا سے امید ثواب بھی رکھتے ہیں شعرا نے دمشق کی مدح و مذمت میں بکثرت اشعار کہے ہیں لیکن چونکہ انکی مذمت نظر حقیقت شناس میں اولیٰ ہے لہذا ہم بعض اشعار مذمت کے مطالب نقل کرتے ہیں :-

یعنی جب اہل دمشق فخر کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بکثرت ہمارے یہاں نہریں جاری ہیں اور پانی نہایت شیریں ہے گویا ہمارا شہر جنت الخلد ہے لیکن وہ یقیناً جھوٹے ہیں انکا شہر ایک جاہلیت کا شہر ہے جہاں نیکیوں کی کساد بازاری اور فسق و فجور کا رواج ہے وہ لوگ کس بات پر فخر و زینت کرتے ہیں درحالیکہ رسول اللہ کے نواسہ کا سر اس شہر میں لٹکایا گیا۔ الغرض ایام حکومت **سیف الدولہ بن حمدانی** میں جو سلاطین شیعہ سے تھے اور نیز زمانہ تسلط خلفاے **فاطمیہ** میں اس شہر میں شیعوں کی کثرت تھی اور در و دیوار سے شیعہ گری ظاہر تھی جیسا کہ **سیوطی** نے اپنی **تاریخ الخلفا** میں لکھا ہے سنہ ۳۶۰ھ میں موذنوں نے اپنی اذان میں حی علی خیر العمل کہا اور یہ حکم **جعفر بن فلاح** نے جو **معز باللہ** کی طرف سے حاکم دمشق تھا دیا تھا۔ اور کوئی اسکی مخالفت کی جرأت نہیں کرسکا اور سنہ ۳۶۶ھ میں تو تشیع کا مرتبہ بہت عالی ہوگیا تھا اور **مصر و شام و مشرق و مغرب** ہر جگہ پھیل گیا تھا اور نماز تراویح کی ممانعت کی جاتی تھی۔

ذہبی نے بھی کہ جو علماے **شافعیہ شام** سے ہے اسکی تصریح کی ہے چنانچہ اپنی

کتاب میزان الرجال میں اثناے احوال ابراہیم بن یعقوب الجرجانی میں ابن عدی سے نقل کرتا ہے کہ ابراہیم مذکور مذہب اہل دمشق کی طرف بہت مائل تھا اس سے مراد عداوت حضرت امیر علیہ السلام ہے بعد اسکے ابن عدی کے قول کو رد کیا ہے اور کہا ہے کہ نصب عداوت علیؑ ہمیشہ مذہب اہل دمشق نہ تھا بلکہ کسی زمانہ میں رفض وہاں کا مذہب تھا الحمد للہ کہ فی الحال نصب تو وہاں معدوم ہے اور رفض بھی مخفی اور مکتوم ہے۔ لیکن سید اجل فاضل محدث امیر نسیم الدین میرک شاہ اصیلی نے ذہبی کی رد فرمائی ہے کہ اب بھی اہل شام ناصبی ہیں اور یہ نصب قیامت تک اُن سے معدوم نہ ہوگا۔ لیکن مخفی نہ رہے کہ کلام سید اجل کا بطور مبالغہ کے ہے ورنہ کھلی ہوئی بات ہے کہ دمشق کے محلہ خراب کے رہنے والے سب کے سب مومنین خالص الاعتقاد ہیں چنانچہ شیعیانِ عراق میں سے جو کوئی بغرض حج شام سے گذرتا ہے بسبب موافقت مذہب کے اس محلہ میں مقیم ہوتا ہے اور اہل شام اس محلہ میں ٹھیرنا دلیل تشیع سمجھتے ہیں اور بعضی تفسیروں میں مذکور ہے کہ جب کعب الاحبار نے شام میں گھر بنا لیا تو عمر نے کسی کو بھیجا کہ مدینہ میں کیوں نہیں آتے ہو؟ اسلئے کہ مہاجر و انصار رسول صلعم یہیں موجود ہیں۔ اسنے جواب دیا کہ میں نے اگلی کتابوں میں پڑھا ہے کہ شام خدا کا خزانہ ہے اور زمین خدا کے لئے اس جگہ ایک خزانہ ہے بندوں کا۔ مولف کہتا ہے کہ یقیناً وہ خزانہ بندگانِ مومن ہیں جو محلہ خراب میں رہتے ہیں اسلئے کہ خزانہ خراب ہی نہیں ہوا کرتا ہے۔

قاہرۂ مصر

صاحب معجم کہتے ہیں کہ یہ ملک مصر کا پایۂ تخت اور لشکر گاہ ہے اور اس کا ا

کرنے والا خلیفہ فاطمی مُعز لدین اللہ اسمٰعیلی کا غلام جوہر تھا اور اسکا سبب یہ ہوا کہ جب کافور اخشیدی جو خلفاء عباسیہ کی طرف سے حاکم مصر تھا مرگیا اور لڑائی وجھگڑے ملک مصر میں ہونے لگے نیز قحط شدید بھی تھا تو وہاں کے شرفاء اور اعیان نے معز لدین اللہ کو عرضیاں لکھیں کہ آپ اس ملک پر قبضہ کر لیجئے اس بنا پر مُعز نے اپنے غلام جوہر کو جو سپہ سالار لشکر تھا کچھ عقلاء اور صاحب الرائے لوگوں کے ساتھ معہ طرح طرح کھانوں اور غذاؤں اور کشتیوں کے بھیجا کہ جا کر اہل مصر پر قبضہ کر و اور چونکہ وہاں قحط ہے لہذا یہ کھانے تقسیم کر کے انکے دلوں کو اپنے قبضہ میں لاؤ جوہر ۳۵۸ھ میں مصر پہونچا اور اسی کھانا تقسیم کرنے کی برکت سے ملک قبضہ میں آگیا پہلے یہ کافور اخشیدی کے باغ میں ٹھیرا اور پھر اس نئے شہر کی جو قاہرہ کے نام سے مشہور ہے بنا ڈالی حاصل کلام یہ ہے کہ تین سو برس تک دیار مصر میں اہل تشیع ہی کا دور دورہ تھا اور اہل سنت وجماعت جو در حقیقت اہل سنت وجماعت ہیں نہایت بری طرح تھے۔ چنانچہ فاتحۃ الکتاب اور جماعت الفقیہ میں اسکی تصریح ہے۔ کہ بعد شافعی کے یہ ملک علماء شافعیہ کا مجمع تھا اور انکے رہنے کی جگہ تھی لیکن جب خلفائے عبدیئین کہ جو فاطمیین کے لقب سے مشہور ہیں حاکم ہوئے تو انہوں نے علماء کو قتل کرنا شروع کیا اور بہتوں کو شہر بدر کر دیا اور انکے بدلے علماء رفض کو بلا کر ساکن کیا اور یہ حال تقریباً تین سو برس تک رہا اور سیوطی نے ابتداء تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ اِن عبدیوں نے جن علماء کو قتل اور شہر بدر کیا انکی تعداد چار ہزار آدمیوں کی تھی انکو صحابہ سے بیزار ہونے کا حکم دیا پس انہوں نے موت کو پسند کیا اور ۳۵۸ھ کے حالات میں لکھا ہے کہ اسی سنہ میں عبدیئین نے مصر پر قبضہ کر لیا اور تمام اقالیم مغرب ومشرق و مصر و عراق میں سلطنت رافضیوں کی ہو گئی۔ اسلئے کہ جب کافور اخشیدی مرگیا

اور انتظام میں خلل پڑ گیا اور لشکر کی تنخواہ نہ ادا ہو سکی تو مصر کی جماعت نے معز کو لکھا کہ تم ایک لشکر بھیجو جو مصر پر قبضہ کر لے اسنے اپنے غلام جوہر کو ایک لاکھ سوار کے ساتھ بھیجا جنھوں نے آکر مصر پر قبضہ کر لیا اور خطبہ بنی عباس کو قطع کر دیا اور سیاہ کپڑوں کے پہننے کی ممانعت کی اور خطیبوں نے سفید کپڑے پہننے شروع کیے اور حکم دیا کہ خطبہ میں یہ الفاظ کہے جائیں :-

اللھم صل علی محمد ن المصطفی وعلی المرتضی وفاطمۃ البتول وعلی الحسن والحسین سبطی الرسول وصل علی الائمۃ اباء امیر المومنین المعز باللہ ۔ یعنی اے اللہ درود بھیج اجناب محمد مصطفی وعلی مرتضی وفاطمہ بتول اور حسن اور حسین سبطین رسول پر اور ان ائمہ پر جو امیر المومنین معز باللہ کے اجداد میں ہیں۔

اور یہ باتیں ۳۵۸ھ شعبان کے ماہ میں ہوئیں پھر ماہ ربیع الثانی ۳۵۹ھ میں اذان میں حی علی خیر العمل کہا گیا اور مسجد جامع ازہر کی بنا شروع کی گئی جو رمضان سال ۳۶۱ھ میں تمام ہوئی یہ خلاصہ کلام سیوطی تھا۔ اور تاریخ یافعی وغیرہ میں بھی یہی مضمون مذکور ہے۔

حلب

صاحب معجم کہتے ہیں کہ حلب ایک نہایت وسیع شہر ہے جسکی آب وہوا نہایت اچھی ہے اور ابن بطلان نے نقل کیا ہے کہ وہاں ایک جامع مسجد ہے اور ایک چھوٹا شفاخانہ ہے وہاں کے فقہاء مذہب امامیہ کے موافق فتوے دیا کرتے ہیں۔ شہر میں چند تالاب ہیں جنمیں آب باراں جمع رہتا ہے اور اہل حلب انہیں تالابوں کا پانی پیا کرتے ہیں۔ دروازہ حلب پر ایک نہر بھی ہے جسکا نام عویق ہے

لیکن وہ صرف جاڑوں میں جاری رہتی ہے زمانہ گرما میں خشک ہو جاتی ہے۔
میوے اور ترکاریاں اور آب انگور وہاں کمتر ہوتا ہے جو ملک روم سے اہل حلب
لاتے ہیں محلہ باب الجنان کے پاس جناب امیر المومنینؑ کے روضہ کی نقل بنی ہوئی
ہے۔ اس مقام پر بعض صالحین نے حضرت کو خواب میں دیکھا تھا اور باب عراق
کے اندر مسجد غوث واقع ہے اس مسجد میں ایک پتھر ہے جس پر کچھ لکھا ہوا ہے۔
اہل شہر کا عقیدہ ہے کہ وہ جناب امیر المومنینؑ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور ابن کثیر
شامی نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ زمانہ سلطنت **سیف الدولہ بن**
حمدان میں مذہب رفض تمام حلب میں پھیلا ہوا تھا یہانتک کہ جب **معز الدولہ ابن**
بویہ نے **بغداد** میں حکم دیا کہ صحابہ مخصوصین کی مذمت بغداد کی مسجدوں کی
دیواروں پر لکھی جائے تو **سیف الدولہ** نے **حلب** میں بھی یہی حکم دیا۔
اور سنہ ۵۰ھ کے حالات میں لکھا ہے کہ **ملک صلاح الدین ایوب** مصر کی لڑائی
سے فارغ ہو کر ملک **شام** کی طرف متوجہ ہوا اور وہاں سے حلب آیا شہر کے باہر
پڑاو ڈالا حاکم حلب خوف کے سبب سے نہایت مضطر و پریشان ہوا اور تمام اہل حلب
کو باب العراق کے میدان میں بلا کر انکے ساتھ محبت و نرمی کا اظہار کیا اور بہت
رویا اور **صلاح الدین** سے لڑنے کی ترغیب دی تو سب نے عہد کیا لیکن
رافضیوں نے چند شرطیں کیں وہ یہ تھیں کہ اذان میں پھر سے حی علی خیر العمل
کہنے کی اجازت دیجائے کہ ظاہر بظاہر مسجدوں اور بازاروں میں کہہ سکیں اور
مسجد جامع **عازم** رافضیوں کی مخصوص مسجد قرار دیدیجائے اور اسکی بھی اجازت دیجائے
کہ وہ لوگ اپنے جنازوں کے آگے آگے ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کے نام
لے سکیں۔ اور جنازوں پر پانچ تکبیروں کے ساتھ نماز پڑھ سکیں۔ اور یہ کہ انکے تمام
معاملات شرعیہ اور عقد نکاح وغیرہ شریف ابو طاہر۔ ابو المکارم حمزہ بن زہرہ

الحسینی سے متعلق کر دئے جائیں جو اس زمانہ میں شیعیان حلب کے مقتدی تھے پس حاکم نے رافضیوں کے تمام شرائط کو قبول کیا اور شیعوں نے تمام شہر میں حی علی خیر العمل کے ساتھ اذان کہی حاصل کلام یہ ہے کہ اہل حلب دراصل شیعہ تھے اور خلافت عباسیہ کے آخر زمانہ تک شیعہ رہے لیکن جب وہ ملک سلاطین رومیہ عثمانیہ کے تصرف میں آیا تو اس سلطنت نے بجبر و قہر ان لوگوں کو اظہار مذہب سے روکا لیکن باطن میں وہ ابھی شیعہ ہیں اگرچہ حالت تقیہ میں ہیں۔

حمص

صاحب معجم کہتے ہیں کہ حمص بکسر اول وسکون ثانی وصاد مہملہ۔ ایک بڑا پرانا شہر ہے جو درمیان دمشق اور حلب کے واقع ہے اور وہاں حضرت امیر المومنینؑ کے روضہ کی نقل بنی ہوئی ہے اسلئے کہ بعض صالحین نے حضرت کو خواب میں دیکھا تھا اور اس روضہ میں ایک مینار ہے جسمیں حضرت کی انگشت مبارک کا نشان صاف ظاہر ہے۔ اور حضرت کے غلام **قنبر** کی قبر معہ قبور اولاد **جعفر بن ابی طالب** اسی روضہ میں واقع ہے مخفی نہ رہے کہ اکثر اہل حمص بنی امیہ کے زمانہ میں ناصبی تھے اور انکی گمراہی کی وجہ بنابر تحریر کتاب **فتوح** اعثم کوفی یہ تھی کہ معاویہ نے **شراحیل بن سمط کندی** کو جو رؤسائے شام سے تھا اہل حمص کے گمراہ کرنے کیلئے بھیجا اس نے جا کر ان لوگوں سے بیان کیا کہ **علی بن ابیطالب** نے **عثمان** کو قتل کیا اور امیر المومنین اور امت محمد مصطفٰے میں تفرقہ ڈالدیا اور بصرہ میں کئی ہزار صحابہ و تابعین کو ہلاک کیا اب وہ تمہاری طرف آرہے ہیں کہ تمکو بھی تباہ و برباد کریں لہذا تم لوگ انکے مقابلہ کے لئے مستعد ہو جاؤ اور معاویہ کا ساتھ دو اور اپنی حفاظت کرو وہ لوگ اسکے دہوکے میں آگئے اور معاویہ کے شریک ہوئے اور حضرت

امیر علیہ السلام کے ساتھ ظاہر بظاہر عداوت کرنے لگے لیکن جب آخر کار امیر المومنین
کے اصلی حالات و فضائل ان لوگونکو معلوم ہوئے تو انہوں نے اپنی ناصبیت سے
توبہ کی اور سب کے سب شیعہ ہو گئے چنانچہ صاحب معجم نے لکھا ہے کہ منجملہ اُن
عجائب کے جو میں نے حمص میں دیکھے یہ ہے کہ وہاں کی آب و ہوا صحاح سے
بدن کو خراب کرتی ہے عقل کو بھی فاسد کرتی ہے اسلئے کہ وہاں کے لوگ زمانہ
جنگ صفین میں معاویہ کے ہمراہ تھے اور بہ نسبت دیگر اقوام کے امیر المومنین
علیہ السلام سے نہایت سختی سے لڑے اور مقابلہ کیا لیکن تھوڑے ہی زمانہ کے
بعد سب کے سب شیعیان خالی ہو گئے یہانتک کہ بعض انہیں کے نصیری ہوئے اور
جو انمیں کے صالحین ہیں وہ امامیہ مذہب پر ہیں۔
جو اپنے گذشتہ بزرگونکی برائیاں کیا کرتے ہیں غرض کہ دونوں حالتونمیں یہ لوگ
گمراہی پر رہے اور کوئی زمانہ ان پر ایسا نہ گزرا کہ یہ مذہب حق یعنی مذہب اہل سنت
و جماعت اختیار کرتے۔ یہ صاحب معجم کا کلام تھا جو نقل کر دیا گیا لیکن یہ کوئی نئی بات
نہیں تھی عام طور پر اہل سنت مذہب امامیہ کو مذہب ضلال کہا ہی کرتے ہیں۔
چنانچہ ذہبی نے اہل شام کے بارہ میں ایسا ہی کہا ہے۔ لیکن مذہب امامیہ کو
جو شخص مذہب حق نہ جانے وہ قابل بات کرنے کے نہیں ہے جیسا کہ فصول سابقہ
سے ظاہر ہو چکا اور ابواب آیندہ میں بھی ظاہر کیا جائیگا۔

موصل

بفتح میم اور ضمۂ میم کے ساتھ غلط مشہور ہے صاحب معجم کہتے ہیں کہ وہ اسلامی
شہروں میں سے ایک بڑا ہے اور اسکو دروازہ عراق اور خراسان کی کنجی بھی کہتے ہیں

اور موصل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے جزیرہ کو عراق سے وصل کردیا یعنی ملا دیا
اور بعضوں نے کہا ہے کہ اسلئے موصل کہتے ہیں کہ اسکے بانی کا نام موصل تھا
لیکن جس شخص نے آباد کیا اس کا نام زوائد بن بیور اسف تھا اور اصل
نام اسکا زبان فارسی میں نواردشیر تھا ابتداءً اسی نے اس شہر کو آباد کیا ہے
پھر زمانہ اسلام میں مروان حمار نے جو بنی امیہ کا آخری خلیفہ تھا اسکو بہت
آباد کیا اور ایک بڑا شہر کردیا لیکن وہاں آب جاری اور باغ و درخت کمتر ہیں گرمیوں
کے زمانہ میں نہایت سخت گرمی اور جاڑوں میں نہایت شدید سردی پڑتی ہے اکثر
زمانوں میں خصوصاً زمانہ سلطنت آل حمدان میں اکثر اہل شہر شیعہ تھے اور
ابتک ایک محلہ کے لوگ شیعہ ہیں جس زمانہ میں امیر علاء الدولہ رعایتی بادشاہ
صاحب قران کی طرف سے حاکم ذرفول تھے انہوں نے اظہار مخالفت کیا وہاں
سے روم چلے گئے سلطان سلیمان والی روم نے انکو موصل کا حاکم بنا کر بھیجا
چونکہ ہر سال زمانہ عاشورہ میں شیعہ و سنی کے درمیان لڑائی ہوا کرتی تھی زمانہ حکومت
امیر علاء الدولہ میں بھی جنگ ہوئی لیکن انکے شیعہ ہونے کی وجہ سے شیعہ باوجود
قلت غالب ہے۔ سنیوں نے جب دیکھا کہ شیعوں کی جرأت حاکم کے سبب سے ہے
تو انہوں نے علاء الدولہ کو بہت سا مال بطور نذرانہ کے بھیجا اور وعدہ لیا کہ جب
ہم میں آپس میں لڑائی ہو تو آپ دخل نہ دیجئے علاء الدولہ نے وہ مال لے لیا لیکن جب
دونوں گروہوں میں لڑائی شروع ہوئی تو علاء الدولہ نے ہزار آدمی سے زیادہ فوج
شیعوں کی مدد کیلئے بھیجدی لیکن یہ فوج سرکاری نہ تھی بلکہ اہل شہر سے کچھ لوگوں
کو مسلح کر دیا گیا تھا تاکہ ظاہر بظاہر حاکم پر الزام نہ آوے اس لڑائی میں ایک ہزار سے
زیادہ سنی قتل ہوئے آخرکار جب سنیوں نے سلطان روم سے شکایت کی سلطان
روم نے علاء الدولہ کو وہاں کی حکومت سے معزول کر کے عراق کے کسی دوسرے

شہر کا حاکم کر دیا

باب الکرخ

صاحب معجم کہتے ہیں کہ پہلے یہ درمیان بغداد میں ایک محلہ تھا اور دوسرے محلے اس سے ملے ہوئے تھے لیکن اب شہر سے جدا ہو گیا ہے عمارتیں اسکے گرد ہیں لیکن دور دور ہیں اس محلہ کی جہت قبلہ اور مشرق کے درمیاں باب بصرہ ہے جہاں حنبلی مذہب کے سُنّی رہا کرتے ہیں۔

باب البصرہ اور کرخ کے درمیان میں ایک میدان واقع ہے کرخ کے جنوب کی طرف ایک محلہ ہے جسکا نام نہر قلّابین ہے وہاں کے رہنے والے بھی حنبلی المذہب ہیں اور جہت قبلہ کے بائیں طرف محلہ باب المحول ہے۔ وہاں کے باشندے بھی سُنی ہیں لیکن اہل کرخ سب کے سب شیعہ ہیں کہ انمیں کبھی سُنّی پیدا ہی نہیں ہوتا صاحب تاریخ مختصر ۷۶۷ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ بغداد میں سُنّی شیعہ دونوں رہتے ہیں اور اہل کرخ کا گروہ صحابہ مخصوصین پر لعن وطعن کیا کرتا ہے اور وہ لوگ اپنی کثرت و شجاعت کے سبب سے خلیفہ بغداد کے حکم کو نہیں مانتے اسلیئے کہ بادشاہان آل بویہ نے جو خلیفہ پر مسلط تھے انکو بہت کچھ مدد بہم پہونچائی ہے۔

اور ابن کثیر شامی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ۳۵۱ھ میں رافضیان اہل کرخ نے بغداد کے تمام گھروں کے دروازوں پر معاویہ بن ابی سفیان کے نام پر اور ان لوگوں کے نام پر کہ جنہوں نے فدک کو غصب کیا تبرا لکھہ دیا تھا اور مراد اس سے ابوبکر کو لیا تھا اور اس شخص کے نام پر بھی لعنت لکھی تھی جس نے عباس کو شورہ سے نکال دیا تھا اور مراد اس سے عمر تھی اور اس پر بھی لعنت لکھی تھی جس نے حضرت ابوذر کو مدینہ سے نکال دیا اور مراد اس سے عثمان تھے اور اس شخص پر بھی لعنت لکھی تھی جس نے حضرت امام حسنؑ کو روضۂ

روضہ رسولؐ میں دفن نہ ہونے دیا اور مراد مروان بن حکم تھا جب یہ خبر معزالدولہ کو پہونچی تو وہ بہت خوش ہوا اور کسی قسم کا تغیر اس تحریر میں نہ ہونے دیا یہ ابن کثیر شامی نے لکھا ہے لیکن مولف کے نزدیک مراد مانع دفن حضرت امام حسن علیہ السلام سے تنہا مروان نہیں ہے بلکہ مقصود اصلی عائشہ ہیں جو حقیقت میں اس ظلم کی بانیہ تھیں۔

پھر اس مورخ مذکور نے لکھا ہے کہ ۳۶۳ھ کے محرم میں اہل سنت اور رافضیوں کے درمیان میں جنگ ہوئی اور اہل سنت غالب آئے اُنہوں نے محلہ کرخ کے بعض گھروں کو جلا دیا اور یہ غلبہ کے سبب ابو الفضل وزیر عز الدولہ کی شرکت کے تھا جب عز الدولہ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو اُنہوں نے اسکو وزارت سے معزول کر دیا اور محمد بن بقیہ کو وزیر مقرر کیا۔

اس جنگ میں فتنہ عظیم برپا ہوا تھا سنیوں نے بسبب تعصب کے ایک عورت کا نام عائشہ رکھا اور اسکو اونٹ پر سوار کیا اور ایک مرد کا نام زبیر اور دوسرے کا طلحہ رکھا اور ایک گروہ کثیر کے ساتھ محلہ باب الکرخ پر حملہ آور ہوئے اور کہتے تھے کہ ہم اصحاب جمل ہیں اور اصحاب علیؑ سے لڑتے ہیں یہانتک کہ طرفین سے بہت سے آدمی مارے گئے قریب تھا کہ شہر بغداد تاخت و تاراج ہو جائے لیکن خلیفہ نے سیکڑوں حیلوں سے اس فتنہ کو فرو کیا۔

حُوَیزہ

صاحب معجم کہتے ہیں کہ یہ تصغیر حوزہ کی ہے جسکے معنی جمع ہونے کے ہیں اس شہر کو امیر دبیس بن غصب اسدی نے ایام خلافت الطائع للمدین میں آباد کیا اور یہاں گھر بنایا اور یہ دبیس وہ نہیں ہیں جنہوں نے حلّہ کی بنا کی تھی

لیکن اس خاندان سے ہیں اور یہ مقام واسط اور بصرہ۔ خورستان اور بطائح
کے درمیان میں واقع ہے۔ پھر صاحب معجم بطیحہ کے بیان میں لکھتے ہیں کہ
اسکی جمع بطائح ہے اور بطیحہ و بطحہ کے ایک معنی ہیں یعنی سیلاب کا زمین پر پھیل جانا
اور بطائح واسطہ کی وجہ تسمیہ یہی ہے اسلیئے کہ وہاں پانی زمین پر مسلط ہو گیا تھا
اور بطیحہ واسط ایک وسیع زمین ہے جو درمیانِ واسط اور بصرہ کے واقع ہے ابتدار
میں وہاں بہت سے موضع تھے جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور آباد تھے
لیکن کسریٰ پرویز کے زمانہ میں دجلہ میں طغیانی آئی اور فرات بھی بخلاف
عادت بڑھ گیا کہ جسکے روکنے سے لوگ عاجز ہو گئے پانی زمین پر مسلط ہو گیا آخر کار
اُن مواضع کے رہنے والے وطن چھوڑ کر نکل گئے جب پانی کم ہوا کسریٰ نے پھر اس
مقام کے آباد کرنے کا ارادہ کیا لیکن اجل نے مہلت نہ دی اسکے بعد شیرویہ
بادشاہ ہوا لیکن اسکی سلطنت کا زمانہ بہت کم تھا اسکو بھی اسکے آباد کرنے کی مہلت
نہیں ملی یہانتک کہ دولت اسلام ظاہر ہوئی اور سلطنت ایران تباہ و برباد
ہو گئی مسلمان بھی ابتداء میں تعمیر عمارت میں کوئی مہارت نہ رکھتے تھے باین سبب
مدت تک وہ زمین غیر آباد پڑی رہی لیکن جب سلطنت اسلام کی قوت بڑھی تو
شاہان اسلام نے اپنے حاکموں کو کشتیوں پر بٹھا کر اس مقام پر بھیجا ان لوگوں
نے وہاں بہت سی ایسی بلندیاں پائیں کہ جہانتک پانی نہیں پہونچا تھا اور بلندیاں
عمارت و زراعت کے قابل تھیں پس انہوں نے وہاں بہت سے قریئے آباد کیئے
اور چانولوں کی کاشت کرنے لگے آل بویہ کی ابتدائی زمانہ میں دیلم کے لوگ جو
انکے ہم قوم تھے اس مقام پر غالب آ گئے اور انہوں نے کشتیوں کو مثل قلعہ کے
بنا لیا اور بادشاہ کی اطاعت چھوڑ دی لیکن جب دیلم کی سلطنت برباد ہو گئی اور
اسکے بعد سلجوقیوں کی سلطنت بھی گذر گئی اور خلفاء عباسی کو پھر اقتدار ہوا تو بطائح

انکی سلطنت میں آگیا

مولف کہتا ہے کہ اس بیان سے ظاہر ہوگیا کہ کبھی وہاں کے رہنے والے ذیلمی لوگ تھے اور کبھی بنی اسد یہ دونوں گروہ شیعہ امامیہ تھے چنانچہ نویں صدی ہجری میں سید محمد بن سید فلاح موسوی واسطی کہ جو شیخ احمد بن فہد حلی قدس اللہ روحہ کے شاگرد تھے وہاں گئے اور اہل بطائح نے انکو اپنا حاکم قرار دیا انہوں نے اس جماعت کی تعلیم و تربیت کی یہانتک کہ تھوڑے ہی دنوں میں انمیں سلطنت کی قابلیت پیدا ہوگئی اور تمام ملک خوزستان و جزائر اور بہت سا حصہ عراق کا انکے قبضہ میں آگیا اور اسی زمانہ سے مذہب امامیہ تمام خوزستان کے شہروں میں پھیل گیا اور نور تشیع و در و دیوار پر چمکنے لگا ابتک حکومت اس ملک کی سید محمد مذکور کی اولاد میں باقی ہے انکے کچھ حالات انشا اللہ اس کتاب میں مذکور ہونگے۔

جزائر خوزستان

بعض ثقات سے سُنا گیا ہے کہ اسمیں تین سو ساٹھ موضع تھے جنکے دار الحکومت کا نام مدینہ تھا وہانکی پیداوار میں چانول و خرمہ و ریشم نارنج و لیمو اور انگور نمایاں چیزیں تھیں تیز مچھلیاں اور چڑیاں بھی بکثرت ہیں ان مقامات کے سب رہنے والے مذہب شیعہ رکھتے ہیں اور احکام شرعیہ کے تابع ہیں شراب خواری و زنا و لواطہ اور قمار وغیرہ کا نام و نشان نہیں ہے مالی حیثیت سے بھی ایسے خوشحال ہیں کہ زکوٰۃ لینے والا انکے ملک میں نہیں ملتا بلکہ دوسرے مقامات پر جہاں ایسے مستحقین موجود ہوتے ہیں بھیجتے ہیں لیکن باوجود ان باتوں کے خونریزی سے باز نہیں آتے اکثر اوقات آپسمیں جنگ ہوا کرتی ہے اور بہت سی خلقت قتل ہوجایا کرتی ہے۔ بادشاہ مغفور

کے زمانہ میں جب عراق عرب اور بصرہ سلاطین عثمانیہ کے تصرف میں آگیا تو جزائر مذکور کے کچھ مواضع پر بھی رومیوں نے قبضہ کر لیا لیکن آخرکار سب اہلِ جزائر آپسمیں متفق ہو گئے اور رومیوں کا قبضہ اٹھا دیا۔

بعض معتبر لوگوں سے سنا گیا ہے کہ ان جزائر میں تیس ہزار سے زیادہ کماندار اور تفنگچی موجود ہیں جو سب کے سب قوی ہیکل اور نہایت شجاع اور دلیر ہیں اور فرقہ امامیہ کے جاننے والے بھی ان جزائر میں بکثرت ہیں۔

مخفی نرہے کہ صاحب معجم نے اس جزیرہ کو باب جزائر میں ذکر کیا ہے اور کوئی علیحدہ باب اسکے ذکر کا نہیں قرار دیا ہے بظاہر وجہ اسکی یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ ان جزائر کو لفظ بحہ جویزہ میں شامل سمجھتے ہیں اس لئے کہ یہ اس سے متصل بھی ہیں اور آب و ہوا بھی ایک ہی طرح کی ہے اور باشندوں کا مذہب بھی قریب قریب یکساں ہے

شوشتر

صاحب معجم کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں وہ خوزستان کا بہت بڑا شہر اور اس کا معرب تستر ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ تستر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ بنی عجل کے ایک شخص نے جسکا نام تستر تھا فتح کیا تھا اس سبب سے اسی کے نام سے موسوم ہو گیا لیکن یہ روایت غلط ہے اور صحیح یہ ہے جو حمزۂ اصفہانی نے کہا ہے کہ سوس بسین مہملہ خوزستان کا ایک شہر ہے جسکو عجم لوگ شوش کہتے ہیں اور فارسی میں اسکے معنی خوبصورت اور اچھے کے ہیں جب شہر شوشتر آباد ہوا تو از بسکہ اسکی آب وہوا اور خوبصورتی اس سے بھی بڑھکر تھی لہذا اس کا نام جندشاپور شوشتر رکھا گیا اسلئے کہ لفظ (تر) فارسی میں معنے زیادتی کے لئے آتا ہے جسطرح عربی میں صیغہ افعل ہے اور حمزہ نے یہ بھی کہا ہے کہ شہر

شوشس کی شکل مثل ایک بار یعنی بوجھ کے ہے اور شوشتر کی شکل مثل ایک گھوڑے کے ہے اور جند شاپور کی شکل مثل رقعہ شطرنج کے ہے اور خوزستان میں یہ طریقہ بہت رائج ہے کہ آبادیونکی شکلیں خاص چیزوں کی شکلوں سے مشابہ بنائی جاتی ہیں لیکن شوشتر ان سب شہروںمیں بڑا ہے اس ملک میں نہریں بہت ہیں لیکن نہر شوشتر سب سے بڑی ہے اور بادشاہ شاپور نے اس نہر کو جاری کیا ہے اور اس ترکیب سے بنایا ہے کہ اسکا پانی شہر کے اندر جاری ہے باوجودیکہ شہر بہت بلندی پر واقع ہے اور یہ نہر عجائب عالم میں شمار ہوتی ہے طول اس نہر کا ایک میل ہے اور پتھر و چونے اور لوہے کے مناروں سے مرتب کی گئی ہے اور پتھروں کو سیسہ کے ساتھ جوڑا گیا ہے کہا جاتا ہے کہ دنیا بھر میں اس سے مضبوط تر کوئی عمارت نہیں ہے۔

اور ابن مقفعؒ نے کہا ہے کہ بعد طوفان نوحؑ کے جو پہلا شہر بنا وہ یہی شوشس اور شوشتر تھے اور بانی انکا معلوم نہیں کون تھا اور شہر شوشتر میں ابن مالک کی قبر واقع ہے جو روز فتح وہاں شہید ہوئے تھے شوشتر میں کپڑے بہت قیمتی بنے جاتے ہیں اور سہل بن عبداللہ بن یونس بن علی بن عبداللہ جو کہ صوفیوں کے بزرگ اور ذوالنون کے اصحاب میں سے تھے اور صاحب کرامات کہے جاتے ہیں شوشتر ہی کے رہنے والے تھے اور ۲۸۳ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔

اور بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ شاپور ذوالاکتاف نے قیصر روم کو قید کر لیا درانحالیکہ اس سے قبل وہ شاپور کو قید کر چکا تھا۔ شاپور اس سے نہایت مہربانی سے پیش آیا اور کہا کہ تم خوش رہو میں تمہیں قتل نہ کرونگا لیکن اُسوقت تک تمہیں قید رکھونگا جسوقت تک کہ تم میرے اُن شہروں کو جنہیں تم نے برباد کر دیا ہے آباد نہ کر دو۔ اور جن درختوں کو تمنے کاٹ ڈالا ہے اُنکے بجائے دوسرے درخت

لگا دو اور دریائے شوشتر میں ایک باندھ بندھوا دو کہ اس زمین میں گرمی کی زراعتیں پیدا ہو سکیں جب قیصر کو اپنی جان کی طرف سے اطمینان ہوا تو اس نے کسی کو روم بھیجا کہ وہاں سے صناع اور مہندس لوگ آویں اور اپنے ساتھ سلطنت کے خزانے بھی لیتے آویں اور ملک ایران میں عمارتیں بناویں چنانچہ وہ لوگ آئے اور ویران شدہ شہروں کو پھر سے آباد کیا اسکے بعد قیصر نے مہندسوں کو حکم دیا کہ دریائے شوشتر کا سد یعنی باندھ بکمال استحکام تعمیر کریں اور روم میں حکم بھیجا کہ وہاں سے ہر روز ہزار ڈبیاں روانہ کی جایا کریں اور ہر ڈبی کی گردن میں چاندی سونا یا لوہا یا سیسہ باندھ کر بھیجا کریں چنانچہ ہر صبح و شام ہزار ہزار ڈبیاں پہونچتی تھیں - انہیں کے دودھ کے ساتھ چونا اور گچ بنائی جاتی تھی اور سونا چاندی وغیرہ اور مصارف کے لئے رکھ لیا جاتا تھا اس مضبوطی کے ساتھ پتھر جوڑے جاتے تھے اور پھر لوہے اور سیسے کی میخوں کے ساتھ جڑے جاتے تھے یہانتک کہ وہ سد درست ہو گیا اسوقت نئے درخت نصب کئے گئے اور رومی لوگ اس دریا کے پانی سے ان درختوں کو سینچتے تھے اور حفاظت کرتے تھے حتے کہ عمدہ عمدہ باغ تیار ہو گئے تب شاپور نے قیصر سے کہا کہ تمہارے لشکر نے جند شاپور میں ایک بڑی خندق کھود ڈالی ہے میں چاہتا ہوں کہ اس خندق کو قسطنطنیہ کی مٹی سے بھر دو تب میں تم کو رہا کر دونگا قیصر نے پھر روم میں حکم بھیجا اور وہاں سے مٹی بار کر کے لائی گئی کہ وہ خندق پٹ گئی تب شاپور نے قیصر کو خلعت دیا اور قید سے آزاد کر کے اسکے ملک میں بھیجدیا اسکے بعد شاپور نے شہر مدائن کی بنا کی اور اس کو اپنا پایۂ تخت بنایا -

اور منجملہ آثار خیر و برکت شوشتر کے یہ ہے کہ عضدی میں لکھا ہے کہ جب ہلاکو خاں نے بغداد کو فتح کیا تھا تو اپنے بھائی تغاتیمور کو واسط کی طرف

اور دوسرے بھائی بکتیمور کو شوشتر کی طرف روانہ کیا لغاتیمور نے واسط میں بہت کچھ قتل و غارت کیا لیکن بکتیمور جب شوشتر پہونچا تو جو شخص خلیفہ کی طرف سے حاکم شوشتر تھا معہ اپنے لشکر کے بصرہ چلا گیا جب بکتیمور شہر میں پہونچا تو روسائے شہر نے دروازۂ شہر تک اسکا استقبال کیا اور نذرانہ و چارہ و رسد بہت کثرت کے ساتھ بہم پہونچائی اور ہر طرح کی اطاعت و فرمانبرداری اکا اظہار کیا بکتیمور نے بھی ان لوگوں کو کوئی اذیت نہیں پہونچائی لیکن تاج الدین کردنے جو بکتیمور کے ساتھ تھا کہا کہ میں اس شہر کو ضرور غارت کرونگا بکتیمور نے کہا کہ اہل شہر نے ہمسے کوئی مخالفت نہیں کی ہے۔

تاج الدین نے کہا کہ میں کوئی نہ کوئی بہانہ نکال کے انکو ملزم قرار دونگا اور کل صبح کو ضرور ضرور قتل و غارت کرونگا۔ غرضکہ اس رات کو یہی ارادہ کرکے سویا نصف شب کے وقت اسکا شکم اس زور سے پھٹا کہ جسکی آواز تمام لشکر نے سنی بکتیمور اسکے خیمہ میں آیا اور اسکی حالت دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور کہا کہ یہ اہل شہر کے لوٹنے کی غرض سے سویا تھا اسکو اسکی سزا ملی اور شوشتر کا نام شہر مبارک رکھا۔ اور دوسرے روز معہ لشکر وہاں سے چلا گیا۔

یہ جملہ حالات میں نے کتب تواریخ سے نقل کر دئے ہیں اور اہل خوزستان کا مذہبی عقیدہ جہانتک مجھے کتب سے تحقیق ہوا ہے یہ ہے کہ زمانہ بنی امیہ اور بنی عباس میں اکثر اہل خوزستان معتزلی المذہب تھے۔ آٹھویں صدی ہجری میں سید اجل امیر نجم الدین محمود الحسینی المرعشی الآملی دار المومنین آمل سے شوشتر میں آئے اور سید عز الدولہ کی بیٹی کے ساتھ نکاح کیا سید عز الدولہ مذکور نقیب سادات حسنی تھے سید نجم الدین نے وہیں رہنا شروع کیا اور لوگوں کو مذہب حق کی ہدایت کرتے رہے جو لوگ انصاف پسند

اور طالبانِ ہدایت تھے شیعہ ہو گئے لیکن ایک گروہ اپنے باپ دادا کی تقلید پر باقی رہا جب وہ ملک سلاطین موسویِ مُتشیّعہ کے قبضہ میں آیا اور تقیہ کا زمانہ ختم ہوا تو سید اجل فاضل کامل **امیر نور اللہ مرعشی** نے جو نقیب سادات تھے ظاہر بظاہر مذہب حق کی دعوت شروع کی اور پوری توجہ و انہماک کے ساتھ اس کار خیر کو جاری کیا یہانتک کہ تمام باشندوں نے مذہب حق امامیہ اختیار کر لیا اور **شوشتر** بھی مثل قم و کاشان کے ہو گیا یہی شہر اس خاکسار کا مولد ہے **شعر**

دِیارٌ بِھا حَلَّ الشباب تمیمی　　　واوّل اَرضٍ مسّ جلدی ترابھا

یعنی وہ شہر کہ جہاں جوانی نے میرے تعویذ کھوئے اور پہلی وہ زمین کہ جسکی مٹی نے میرے جسم کو چھوا

لہذا بموجب کلمۂ شریفہ حُبُّ الوطن من الایمان ۔ یعنی وطن کی محبت جزو ایمان ہے۔

اگر شہر **شوشتر** کے محامد و فضائل میں زیادہ انہماک کروں تو معذور سمجھا جاؤں دار المومنین **شوشتر** ایک دلکشا شہر ہے اور اسم بامسمّی ہے گویا باغ بہشت کا ایک منتخب خطہ ہے ۔ جسطرح سے فصل بہار اپنے اعتدال مزاج کے سبب سے سال بھر کی فصلوں میں ممتاز ہے اسی طرح سے اس کو ہفت اقلیم عالم میں امتیاز ہے **بیت** :-

خُبّذا شہر شوشتر کزوے	ہر چہ جز اعتدال مہجور است
معتدل عالمے کہ ہمچو بہشت	زآفتِ بہمن و خزاں دور است
دلکشا روضۂ کہ ہمچو سپہر	ساحتش پر مشاعل نور است
در نظر ساکن سوادش را	ہر طرف صد بہشت صد حور است

از فلک طالب مراد شش را ہر نفس صد ہزار منشور است

شیخ نظامی نے بھی اپنے مخمسات میں جا بجا شوشتر کے بہار کی تعریف کی ہے بلکہ محض دوسرے شہروں کی بہار کو بہار شوشتر سے تشبیہ دی ہے چنانچہ کتاب ہفت پیکر میں کہا ہے بلبیت :-

ہمہ عالم بہار شوشتری جائے گاہ تندرو کبک دری

اور منجملہ وہاں کے بہترین مقامات کے ایک امام زادہ کا روضہ ہے اُسکی جتنی تعریف کیجائے بجا ہے۔ علاوہ بریں ایک قلعہ بلند ہے جسکی رفعت کا آسمان آرزومند ہے

مترجم کہتا ہے کہ چونکہ مصنف مغفور نے بسبب اپنے وطن ہونے کے شوشتر کے اوصاف میں طول دیا ہے جسمیں مومنین کے لئے کوئی خاص فایدہ نہیں معلوم ہوتا لہذا اسکے ترجمہ میں اختصار کیا گیا۔

بحرین

صاحب معجم کہتے ہیں بحرین ان تمام شہروں کا نام ہے جو ساحل بحر ہند پر بصرہ اور عمان کے درمیاں واقع ہیں (بحر ہند سے مراد خلیج فارس ہے) بعضے کہتے ہیں کہ بحرین اس خطہ کے دار السلطنت کا نام ہے اور اس خطہ کا نام ہجر ہے اور بعضوں نے اسکے برعکس کہا ہے۔ اور بعض نے ہر ایک کو علیحدہ شہر شمار کیا ہے۔ بہرحال اس خطہ میں چشمے بہت ہیں اور وہاں کے مشہور شہر خطہ۔ قطیف۔ آرا۔ ہجر۔ ہنشور۔ زرارہ۔ حاوہ۔ جواثنا۔ ثابو۔ دارین اور عابیہ ہیں اور جناب رسالتمآب صلعم نے ۸ھ میں علا بن عبد اللہ حرزمی کو دعوت اسلام کے لئے وہاں بھیجا تھا کہ یا اسلام قبول کریں یا جزیہ دیں اور اس بارہ میں ایک نامہ منذر بن ساوی اور اسحٰب عرزبان کے نام لکھا تھا جب نامہ نامی اُن

لوگوں نے دیکھا تو دونوں مسلمان ہو گئے اور تمام عرب جو انکے پاس تھے معہ کچھ
اہل عجم کے مشرف باسلام ہوئے لیکن مجوس، یہودی۔ اور نصاریٰ نے جو کسان
اور دہقان تھے نصف غلہ اور نصف خرمہ دینے پر صلح کرلی۔ علا بن عبداللہ
نے وہاں کے مال سے اسی ہزار دینار اُسی حضرت کی خدمت میں بھیجے بعد ازاں
حضرت نے علا کو معزول کیا اور ابان بن عاص بن سعید بن اُمیّہ کو حاکم
مقرر فرمایا اور وہ حضرت کی وفات تک وہاں حاکم رہے بعد اسکے ابوبکر نے پھر علا کو
وہاں کا حاکم کیا اور جب عمر کا زمانہ ہوا تو انھوں نے ابوہریرہ کو وہاں کا حاکم کیا
انہوں نے وہاں کے مال میں بڑی خیانت کی اور انکی خیانت عمر کے نزدیک ثابت
ہو گئی عمر نے سخت مواخذہ کیا اور بعد زیادہ توہین اور بھلا بُرا کہنے کے بارہ ہزار
دینار اس سے لیکر بیت المال میں بھیجے اور یہ حکایت محمد بن سیرین نے
خود ابوہریرہ سے نقل کی ہے جسمیں انہوں نے اپنی حفظ آبرو کا یقیناً بہت خیال
رکھا ہوگا کتاب معجم البلدان مین وہ عبارت لکھی ہوئی ہے جسکا ترجمہ یہ ہے :-

"محمد بن سیرین نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ مجھکو عمر بن الخطاب نے
بحرین کا عامل مقرر کیا میں نے بارہ ہزار دینار اپنے لئے جمع کئے پس جب میں
عمر کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ دشمنِ خدا اور دشمن مسلمانان! یا یہ بھی کہا کہ دشمن
کتاب خدا تو نے مال خدا کی چوری کی؟!

میں نے کہا کہ میں خدا اور مسلمانوں کا یا یہ بھی کہا کہ کتاب خدا کا دشمن نہیں ہوں لیکن
میں اس کا دشمن ہوں جو اُن دونوں کا دشمن ہو۔
عمر نے کہا کہ پھر یہ مال کیونکر جمع ہوا؟

میں نے جواب دیا کہ میری قسمت سے مجھکو ملا۔ میرے گھوڑیوں نے بچے دیے اہیں
تقسیم ہوا۔ پس عمر نے بارہ ہزار دینار چھین لئے۔ اسکے بعد کہا کہ اب پھر تم عامل ہوگئے؟

میں نے جواب دیا نہیں۔

انہوں نے کہا کہ کیوں؟ درانحالیکہ تمسے بہتر لوگوں نے عامل ہونا پسند کیا ہے

حضرت یوسفؑ نے خود بادشاہ مصر سے کہا تھا کہ مجھکو خزائن پر مقرر کر۔

میں نے جواب دیا کہ یوسفؑ نبی وابن نبی تھے اور میں ابوہریرہ لونڈی بچہ یا

کنیز زادہ ہوں۔ اور میں کسے تین۳ اور دو چیزوں کو ڈرتا ہوں۔

عمر نے کہا کہ پانچ کیوں نہیں کہتا؟

میں نے جواب دیا کہ اولاً اس سے ڈرتا ہوں کہ تم میری کمر توڑو۔ دوسرے اسوجہ سے

کہ میری آبرو لو۔ تیسرے اس سے کہ میرا مال چھین لو اور میں بغیر علم کی کوئی بات

نہیں کرنا چاہتا۔

مخفی نہ رہے کہ اس حکایت سے جسکو خود اہل سنت نے اپنی کتب معتبرہ میں

روایت کیا ہے عمر و ابوہریرہ میں سے ایک کا فسق ضرور ثابت ہوتا ہے درحالیکہ

اہل سنت تمام صحابہ کو عادل اور قابل اقتدا مانتے ہیں اور یہ بھی مخفی نہ رہے کہ

عمر نے اپنے کو فرعون مصر اور ابوہریرہ کو حضرت یوسف سے تشبیہ دی ہے

جو خالی از لطف نہیں ہے اہل بحرین تماماً ہمیشہ سے شیعہ ہیں اور اسکا سبب

یہ ہے کہ لطف الٰہی انکے شامل حال رہا ابتدار اسلام سے جو حکام وہاں مقرر

ہوئے انمیں سے اکثر محبین اہلبیت میں سے تھے۔ منجملہ ان لوگون کے ابان بن

سعید تھے جو مدت مدید تک وہاں عامل رہے یہ وہی شخص تھے جنہوں نے ابوبکر

کی بیعت سے انکار کیا تھا اور حضرت امیر علیہ السلام سے موافقت کی تھی اور زمانہ

خلافت حضرت امیر علیہ السلام میں عبید بن عباس وہاں کے حاکم رہے اور

بعض اوقات وہاں کی حکومت عمر بن ابی سلمہ کے تعلق رہی جنکی مادر گرامی ام المومنین

ام سلمہؓ تھیں۔ عمر بن ابی سلمہ مذکور علم و فضل و عبادت و عقل سعادت

پاک طینتی اور صفائے سیرت اور طہارت باطن میں اپنے امثال واقران سے ممتاز تھے۔

اور اپنے زمانہ حکومت میں حضرت امیر علیہ السلام کی حقیت اور غدیر خم کی بیعت کی کیفیت لوگوں سے بیان کیا کرتے تھے اور لوگوں کے آئینۂ دل کو زنگ وغبار محبت اغیار سے صاف کرتے رہتے تھے۔

یمن

یمن کے تفصیلی حالات اور وہاں کی آب وہوا کی خوبی مشہور ومعروف ہے اور کتاب معجم میں بھی مذکور ہے کتاب الانساب سمعانی میں لکھا ہے کہ یمن وسیع ملک کا نام ہے اور اسکی فضیلت میں بہت سی احادیث وارد ہوئے ہیں اسکو یمن اسلیئے کہتے ہیں کہ وہ یمین ارض یعنی زمین کی داہنی جانب میں واقع ہے جسطرح سے شام شمال یعنی بائیں جانب میں مولف کہتا ہے کہ اسی سبب سے اکثر اہل یمن مومن اور اصحاب یمین میں سے ہیں اور اہل شام اکثر ناصبی اور اصحاب شمال ہیں سے ہیں یہ انکی خوش قسمتی تھی کہ حضرت امیر علیہ السلام کو جناب رسالتمآب نے وہاں کا حاکم مقرر فرمایا تھا اور آپ ہی کی قدم کی برکت سے وہ لوگ مشرف باسلام ہوئے اور ملک کے بڑے بزرگوں اور اولیاء میں سے سہیل بن یمن اور اویس قرنی ہیں جو بسبب الہام غیبی کے جنگ صفین میں شریک ہوئے اور حضرت امیر علیہ السلام کی نصرت میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

اعثم کوفی نے کتاب فتوح میں لکھا ہے کہ جب حضرت امیر علیہ السلام مسند خلافت ظاہری پر جلوہ افروز ہوئے تو اہل یمن نے بکمال خوشی ورغبت رسم تہنیت ادا کی اور پہلا وفد جو وہاں سے حضرت کی خدمت میں آیا ائمیں رفاعہ بن وائل ہمدانی اور وُہیبہ بن

وبر بجلی تھے جو اپنی قوم کے ساتھ آئے تھے انکے پہونچنے سے قبل حضرت امیر علیہ السلام کو خبر ہوگئی اور آپ نے مالک بن اشتر نخعی کو حکم دیا کہ مشاہیر مدینہ کے ایک گروہ کے ساتھ اُن لوگوں کا استقبال کریں۔

مالک بن اشتر بکمال شان وشوکت مع ایک گروہ کثیر کے انکے استقبال کیلئے گئے اور جب ملاقات ہوئی توان لوگوں کے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آئے اور فرمایا کہ کسی اچھے وقت میں امام عادل اور خلیفہ باذل کی خدمت میں چلنا چاہئیے بڑی خوشی کی بات ہے کہ تم ہمارے دوست اور ہم تمہارے دوست ہیں یہ فرماکر ان لوگوں کو ساتھ لئے ہوئے واپس ہوئے اور مدینہ میں ایک خاص مقام پر ٹھیرادیا تاکہ ایک روز اپنی خستگی دور کریں۔

دوسرے روز حضرت امیر علیہ السلام نے ان لوگوں کو بلایا۔ ان کے سرداروں میں سے دس آدمی حاضر خدمت ہوئے جنکے نام حسب ذیل ہیں۔

فیاض بن جلیل ازدی	رفاعہ بن وایل ہمدانی
کیسوم سلمۃ الجہنی	روشیہ بن دبر بجلی
رقعہ بن شدادی الحلولانی	ہشام بن ابرہہ النخعی
جمیع بن خشیم الکندی	اخنس بن قیس الکندی
اقبہ بن ثمہ الحمیری	عبد الرحمن بن ملجم المرادی

ان لوگوں نے آکر مبارکبادی اور ان میں سے ہر ہر شخص نے حضرت کی مدح میں کچھ اشعار پڑھے حضرت نے بھی ان لوگوں کے ساتھ نہایت مہربانی کا برتاؤ فرمایا ان لوگوں نے عرض کی کہ امیر المومنین کو اچھی طرح سے معلوم ہے کہ ہم لوگوں نے شجاعت وبزرگی اپنے بزرگوں سے میراث میں پائی ہے۔ آپ جس مقام پر ہمیں بھیجیں گے یقیناً مظفر ومنصور رہیں گے اور جس مہم کو نامزد فرمائیے اسمیں ہم پوری کوشش کرینگے

اسلئے کہ آپکے فرمان کا بجالانا واجب جانتے ہیں حضرت نے ان لوگوں کی تعریف کی اور انعام عطا فرمایا اور نہایت خوش و خورم واپس کیا
تحفۃ الاخیار میں لکھا ہے کہ حضرت نے حکومت ملک یمن عبداللہ بن عباس کے سپرد فرمائی۔ بعض معتبرین سے سُنا گیا ہے کہ اس زمانہ میں اکثر اہلِ یمن مذہب زیدی اور اسمعیلی پر ہیں اور تھوڑے سے ان میں امامیہ ہیں اور باقی نے مذہب اہل سنت اختیار کر لیا ہے اسلئے کہ اپنی معیشت کی مصلحت اسی میں دیکھی ہے" واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

جبل عامل

جوالی شام میں ایک مشہور و آباد خطہ ہے جسمیں بیشمار قریئے و شہر ہیں کتاب انساب سمعانی میں لکھا ہوا ہے کہ پہاڑ کے رہنے والے کو جبلی کہتے ہیں اگرچہ وہ کسی اقلیم کا کیوں نہ ہو مثلاً جبال ہمدان کے رہنے والے یا خراسان و ہرات کے باشندے مثل عبدالواسع جبلی کہ جو شاعر مشہور تھے اور جبلہ کے رہنے والے کو بھی جبلی کہتے ہیں اور وہ ایک شہر ہے شہر ہائے شام میں سے حمص کے نزدیک لیکن معجم البلدان میں اگرچہ ایسی عنوان مذکور سے لکھا ہے لیکن بسبب بہت نزدیک ہونے کے مضافات بعلبک سے قرار دیا ہے اور اسی بنا بر قریۂ **فزل** کو جو دراصل جبل عامل کا ایک قریہ ہے بعلبک میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ ایک بڑا آباد قریہ ہے اور پہاڑ کے مغربی سمت واقع ہے اور وہاں متقی بہت اچھے پیدا ہوتے ہیں جنکو حواری کہتے ہیں اور وہاں ایک قوم رہتی ہے جو بنی رجا کے نام سے مشہور ہے اور جہان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور ظاہری تجمل و زینت کے بارہ میں مشہور ہے اسی طرح سے بقع کو بھی کہ وہ بھی دراصل جبل عامل کے شہروں میں سے ہے ذکر کیا ہے

اور کہا ہے کہ وہ ایک وسیع زمین ہے درمیان بعلبک و حمص و دمشق کے اور وہاں بہت سے مواضع ہیں اور نہرہاے جاری اور چشمہاے شیریں بیشمار ہیں۔ زیادہ تر پانی وہاں کا ایک پہاڑی چشمہ سے ہے جسکا نام عَینُ الْجَر ہے اور حضرت خضر والیاس کی قبریں اس قریہ میں واقع ہیں۔ حاصل کلام اہل جبل عامل پر ہمیشہ رحمتِ خدا کا نزول رہا اور انکے دل محبت خاندان رسالتمآب صلعم سے فیضیاب رہے انکی پیشانیوں سے نور ایمان ہمیشہ جلوہ گر رہا۔ اور ہمیشہ وہاں امامیہ مذہب کے فقہاء اور فصحاء کا ایک مجمع رہا کیا اور وہاں کے تمام باشندہ خاص و عام وضیع و شریف ہمیشہ مذہب امامیہ کے احکام سیکھنے اور سکھاتے رہے اور پابندی شرع میں پوری کوششیں کرتے رہے اور مثل اپنے موالی کے زہد و تقویٰ فقر و قناعت میں بسر کرتے رہے اور باوجود تسلط سلطنت عثمانی کے اپنے مذہب کو رائج کرتے رہے۔

انکے عوام کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی شخص کہدیتا تھا کہ تمہارے بورے میں یا پانی کی صراحی میں ابوبکر ہے تو یقیناً اُسے پھینک دیتے تھے اور کہنے والے کے سر پر خاک ڈالتے تھے یہ طریقہ انمیں ایک زمانہ دراز تک جاری رہا اور اس روش سے ان لوگوں کو نقصانات بھی پہونچتے رہے یہانتک کہ ایک روز ایک سُنّی جو ملازمان حاکم میں سے تھا ایک غریب شیعہ سے جو چکّی سے آرہا تھا اور اپنے گھر کیلئے آٹا لئے جارہا تھا کہا تیری بوری میں ابوبکر ہے چونکہ وہ مرد فقیر عقل سے خالی نہ تھا جواب دیا کوئی ہرج نہیں ہے بھوسی کے ساتھ نکال ڈالونگا یہ عاقلانہ جواب لوگوں میں مشہور ہوگیا تب سے لوگ اپنی حماقت سے باز آئے۔

کرک نوح

یہ جبل عامل کے قریب ایک موضع ہے جہاں جناب نوحؑ کی قبر ہے اور حضرت خاتم المجتہدین علی بن عبداللہ العالی قدس اللہ روحہٗ جو متاخرین مجتہدین امامیہ میں سے تھے وہیں کے رہنے والے ہیں اور معجم البلدان میں لکھا ہے کہ کرک بفتح اوّل وثانی وکاف دیگر ایک محکم قلعہ کا نام ہے جو کوہستان شام میں بلقا کے نزدیک واقع ہے درمیان ایلہ وبحر قلزم اور بیت المقدس کے اور اسی طرح ایک بڑے موضع کا نام ہے نزدیک بعلبک کے جہاں ایک لمبی قبر ہے جو حضرت نوحؑ کی قبر کہلاتی ہے۔

جزیرہ بحر اخضر وبحر ابیض

یہ ملک بربر میں ایک جزیرہ ہے دریائے اندلس کے درمیاں کہ جناب صاحب الزمان علیہ السلام اور حضرت کے اصحاب واولاد وہاں رہتے ہیں اور اندلس سے دریا کے کنارے تک پندرہ روز کا راستہ ہے لیکن ابتدائی دو منزلیں غیر آباد ہیں جہاں پانی نہیں ملتا پھر باقی مسافت آباد ہے اور آبادیاں ایک دوسرے سے متصل ہیں اور اس ملک کے ساحل پر ایک موضع ہے جو جزیرہ سے مشابہ ہے اور اسے اہل اندلس جزیرہ رفضہ کہتے ہیں اسلئے کہ وہاں کے رہنے والے سب کے سب شیعہ امامیہ ہیں اور ان لوگوں کے لئے سامانِ معیشت جزیرہ اخضر سے سال میں دو مرتبہ اسطرح بر آتا ہے کہ جناب صاحب الزمان علیہ السلام کا وکیل کشتیوں پر بار کر کے بحر ابیض کے راستہ سے لاتا ہے اور ان لوگوں پر تقسیم

کر کے واپس جاتا ہے۔
زمانہ سابق میں ایک شخص صلحائے شیعہ سے اپنی خوش قسمتی سے اس مقام پر پہونچ گئے تھے اور اس قصہ کی شرح میں طول ہے شیخ اجل سعید شہید محمد بن مکی علیہ الرحمۃ نے اس مرد صالح سے روایت کی ہے اور اپنی کتاب امالی میں درج فرمایا ہے اور سید اجل صدر عالی قدر امیر شمس الدین محمد اسد اللہ شوشتری نے حسب خواہش بادشاہ صاحب قرآں مغفور کے رسالہ غیبت میں اس قصہ کا بھی ذکر کیا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس مقام مقدس میں حضرت کی اولاد و اصحاب موجود ہیں اور اپنے گھروں اور مسجدوں میں عبادت و درس و تدریس مسائل دینی میں مشغول رہتے ہیں اور شہر کے باہر فوجیں بھی مہیا ہیں جو فرج آل محمد کا انتظار کرتی ہیں۔ اور فرج جناب صاحب الامر علیہ السلام کے ناموں سے ایک نام بھی ہے اور یقیناً وہ ایسا رسالہ ہے کہ جنکا حفظ کرنا مومنین پر واجب ہے اسلئے کہ معاندین اہل سنت دربارہ غیبت حضرت صاحب الزمان علیہ السلام طرح طرح کے شبہے ڈالتے ہیں اور عوام الناس اور ضعیف العقل لوگ انکے شبہات سے شک میں پڑ جاتے ہیں اس رسالہ میں ان شبہات کی بھی رد ہے اور حضرت کی امامت و غیبت پر کافی دلائل منقول ہیں۔
بعض کتب معتبرہ میں حقیر کی نظر سے گذرا ہے کہ بنو عبد المومن جو دیار مغرب میں رہتے ہیں اور صاحبانِ علم ہیں سب کے سب شیعہ ہیں۔ اور وہاں کے اور رہنے والے بھی ان کے تابع ہیں۔

ہمدان

بفتح ہا و میم کتاب نزہت القلوب میں لکھا ہے کہ ہمدان اقلیم چہارم میں

ہے جمشید پیش دادی نے اسکی بنا کی تھی اور شہر کے اندر ایک قلعہ بنا ہوا ہے جسکو داراب بن داراب نے بنایا تھا اگرچہ اب وہ قلعہ خراب ہو گیا ہے پہلے یہ بہت بڑا شہر تھا اسکا دورہ بارہ ہزار قدم کا ہے وہان سردی بہت ہوتی ہے اور پانی پہاڑ سے آتا ہے شہر میں چشمے جاری ہیں میوے کثرت سے ہوتے ہیں وہاں کے رہنے والے اکثر معتزلہ اور مشبہ ہیں -

مولف کہتا ہے کہ کتاب خرائج میں شیخ اجل راوندی نے لکھا ہے کہ بعض خاندان ہمدان کے سنیہ تھے اور بسبب کرامت کے شیعہ ہوئے تھے اور منجملہ وہاں کے اکابر سوحدین کے کہ جنکے تشیع میں کسی کو کلام نہیں ہے سید المتالہین امیر سید علی ہمدانی ہیں کہ جنکا تفصیلی حال اس کتاب کی مجلس صوفیہ میں مذکور ہوگا اور وہ انکے عین القضاۃ ہمدانی وغیرہ ہیں لیکن اس دولت صوفیہ کی برکت سے اس زمانہ میں وہاں کے تمام رہنے والے مذہب امامیہ کے پابند اور جناب امیر المومنینؑ کے فدائیوں میں سے ہیں -

تبریز

صاحب حبیب السیر نے لکھا ہے کہ تبریز کو زبیدہ خاتون زوجہ ہارون الرشید نے بنا کیا تھا ایک مدت کے بعد ایک زلزلہ کے سبب سے خراب ہو گیا پھر متوکل عباسی نے اسکی تجدید کی پھر زمانہ سلطنت القاہر بامر اللہ یعنی ۳۲۳ھ میں ابو طاہر منجم شیرازی نے تبریز یونکو خبر دی کہ آج کی شب زلزلہ کے سبب سے اہل تبریز پر بڑی آفت آویگی اس خبر کی بنا پر داروغہ شہر نے لوگونکو نکل جانے کا حکم دیا لیکن ایک گروہ نے اطاعت کی اور دوسرے نے نہ مانا اتفاقاً اسی شب میں زلزلہ آیا اور چالیس ہزار آدمی سے زیادہ زیر خاک دفن ہو گئے دوسرے روز حاکم آذربائیجان نے

پھر تعمیر شہر کا حکم دیا ابوطاہر منجم نے ایک ساعت بتائی کہ جنکا طالع وقت برج عقرب تھا اور کہا اگر اسوقت تعمیر شروع کی جائے تو تبریز کبھی زلزلہ سے خراب نہ ہوگا اسی وقت معماروں نے بنا ڈالی پھر اس کے بعد سے تبریز کبھی زلزلہ کے سبب سے خراب نہیں ہوا۔

ہلاکو خان اور اسکی اولاد کے زمانہ میں یہ شہر دارالسلطنت ہو گیا تھا اور بڑی بڑی عمارتیں وہاں بنائی گئیں جنکی تفصیل نہیں بیان کی جاسکتی بادشاہ مغفور کے عہد میں تبریز آبادترین شہرہاے عالم میں شمار ہوتا تھا اور اپنے وفور عمارت وزراعت کے سبب سے رشک چرخ چنبرین تھا۔ تبریز میں باغوں کی بہت کثرت ہے، وہاں کے اکثر میوے اور درخت گویا جنت کے میوے ہیں۔

لیکن جاڑوں کے زمانہ میں سخت سردی ہوتی ہے یہانتک کہ بعض اوقات تو یہ نوبت آجاتی ہے کہ تین ماہ تک تو لوگ گھروں سے نہیں نکل سکتے اسی سبب سے ابتدائی فصل سرما میں تبریزی اپنے تمام ضروریات گھروں کے تہ خانوں میں رکھ لیتے ہیں تاکہ سردی کے زمانہ میں کام آویں۔ اور چونکہ وہاں کے اکثر لوگ افیون کے عادی ہیں اسلئے اگر وقت صبح کوئی ان سے بات کرے تو جواب سخت دیتے ہیں اور ظہر کے بعد جب نشہ ہو چکتا ہے تو اگر کوئی سوگالیاں بھی دے تو بھی نرمی سے پیش آتے ہیں مشہور ہے کہ اہل تبریز صاحب نخوت وغرور ہوتے ہیں اور بہت جلد رشتۂ محبت کو توڑ دیتے ہیں اس بنا پر ایک شاعر نے رباعی نظم کی ہے:۔

ہرگز نشود بطبع تبریزی دوست — مغز بدجہان و تبر تبریزی پوست

آنرا کہ بد دستی بنا بی صادق — گر نیز غریب است کہ تبریزی خوست

اور خواجہ ہمام الدین تبریزی نے اسکے جواب میں رباعی کہی ہے:۔

تبریز نکوست ہر چہ آنجاست نکوست | مغز اند مپندار تو ایشانرا پوست
با طبع مخالفان موافق نہ شوند | ہرگز نہ شود فرشتہ با دیوان دوست

یہ حبیب السیر کا کلام تھا مولف کہتا ہے کہ شاعر مقدم نے جو رباعی بذمت اہل تبریز میں لکھی ہے بظاہر وہاں کے عوام اور بازاری لوگوں کا حال لکھا ہے اور مغز و پوست میں شناخت نہیں کی ہے یا وہاں کے کسی شخص سے محبت کی اور بے وفائی دیکھ کر تمام اہل تبریز سے ناراض ہو گیا اور سب کی مذمت کر ڈالی۔ اور خواجہ ہمام تبریزی نے جو جواب دیا ہے یہ البتہ اہل تبریز کی حالت کے موافق ہے چنانچہ علامہ شیرازی نے شرح کلیات قانون میں تبریز کی خوبی آب و ہوا کے متعلق بہت مبالغہ سے کام لیا ہے اور غوث الحکماء امیر غیاث الدین منصور شیرازی نے اپنے فرزند میر صدر الدین کے رسالہ خلافت میں لکھا ہے کہ بہترین مردم صورتاً و اخلاقاً اہلِ آذربائیجان ہیں اور یقیناً شہر تبریز ایسا نفیس شہر ہے کہ جہاں وہ تمام چیزیں موجود ہیں کہ جسکی خواہش نفس کو ہوتی ہے اور جسکے دیکھنے سے آنکھوں کو لذت حاصل ہوتی ہے اور اسکی توصیف سے زبان قاصر ہے۔ مولف کہتا ہے کہ کتاب معجم البلدان میں اہلِ تبریز کے عقاید کا کچھ ذکر نہیں ہے اور نہ کسی دوسری کتاب میں نظر قاصر سے گذرا لیکن یہ متواتر خبروں سے معلوم ہوا ہے کہ جب سے سید حیدر تونی قدس اللہ روحہ اس ملک میں تشریف لے گئے اور اہل ملک کو ان سے ارادت و عقیدت پیدا ہوئی ان لوگوں نے مذہب اثنا عشریہ اختیار کر لیا اسلیئے کہ حضرت میر مذکور کا طریقہ تھا کہ جو شخص انکے پاس آتا تھا اور ارادت و عقیدت کا اظہار کرتا تھا تو وہ اسکے کان میں ظالمان اہلبیت پر لعنت کہتے تھے اگرچہ اس زمانہ میں تقیہ تھا لیکن جب بھی وہ اپنے اس فعل سے باز نہ رہتے تھے اور اب تو تقیہ برطرف ہو گیا ہے۔ انکے قائم مقام بظاہر اس طرح سے ترویج دین

کرتے رہتے ہیں لیکن ایک گروہ اہل تبریز کا جو اپنے کو سید نعمت اللہ کا مرید کہتے ہیں اور اپنے گمان میں اُنکو شافعی جانتے ہیں۔ یعنی شافعی المذہب ہیں اور بالفعل اِس ملک میں سوائے چند اشخاص کے اور کوئی سُنّی نہیں ہے۔

مخفی نہ رہنا چاہئے کہ جماعت حیدریہ جو تبریز میں ہیں سب کے سب شیعہ ہیں اور امیر حیدر رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت سے شیعہ ہوئے ہیں اگرچہ سابق میں سُنّی تھے اور بانیٔ اوّل اِس شہر کی زبیدہ خاتون تھیں جو ہارون الرشید کی زوجہ تھیں اور اُنکا تشیع ظاہر ہے جیسا کہ شیخ عبدالجلیل رازی نے اپنی کتاب نقض میں لکھا ہے کہ جب ہارون رشید نے زبیدہ کا تشیع دیکھا تو قسم کھائی کہ میں اسکو تین تین طلاق دونگا“ پس ایک کاغذ پر لکھکر بھیجا کہ تو جیسی تھی ویسی تھی اور اب جدا کردیگئی اور اس کاغذ کو اپنے غلام کے ہاتھ زبیدہ کے پاس بھیجا اسنے پشتِ کاغذ پر لکھدیا کہ ”میں اپنی حالت پر شکر خدا کرتی ہوں اور اپنے جدا ہونے پر پشیمان نہیں ہوں“

لیکن دوسرا بانی اس شہر کا متوکل عباسی تھا جسکی ناصبیت محتاج بیان نہیں ہے ”لعنہ اللہ“

بلدۂ قُم

یہ ایک بہت بڑا شہر ہے اور ان شہروں میں سے ہے جو ہمیشہ دارالمومنین ہے اور بہت سے اکابر مجتہدین شیعہ اہل قم سے تھے اور کتاب معجم البلدان میں لکھا ہوا ہے کہ بلدۂ طیبۂ قم زمانۂ اسلام کے بنائے گئے ہوئے شہروں میں سے ہے اور وہاں کے رہنے والے ہمیشہ شیعہ امامیہ تھے ابتدا اس شہر کی بنا زمانۂ عبدالملک بن مروان یعنی ۸۳ھ میں ہوئی اور وجہ اس کی یہ ہوئی کہ عبدالرحمن بن محمد اشعث بن

قیس جو حجاج بن یوسف کی طرف سے حاکم سیستان تھا حجاج کا مخالف ہوگیا۔ اسکے لشکر میں سترہ آدمی علما رتابعین عراق میں سے تھے۔ جب حجاج نے شکست دی تو وہ لوگ زمین قم میں پہونچے منجملہ انکے چند بھائی تھے جنکے نام عبداللہ۔ عبدالرحمن۔ اسحاق اور نعیم اور یہ چاروں سعد بن مالک بن عامر اشعری کے بیٹے تھے اس مقام پر چند قریے تھے جنمیں سے ایک کا نام کمندان تھا یہ چاروں بھائی زبردستی اس گاؤں میں اُترے اور وہاں قیام کیا پھر انکے اعزا راقارب عراق سے آکر انکے پاس رہنے لگے اور اس قدر عمارتیں بن گئیں کہ وہ سب مواضع آپس میں مل گئے اور سب کا نام کمندان ہوگیا لیکن یہ نام فارسی تھا عربوں نے اسکو قم کہنا شروع کردیا اور اسی طرح سے کتاب معجم میں مذکور ہے کہ چاروں بھائیوں میں سے پہلے بھائی عبداللہ کے ایک بیٹا تھا جس نے شیعیان کوفہ میں پرورش پائی تھی اور امامی المذہب تھا۔ اس نے قم میں آتے ہی قبل اسکے کہ وہاں کے لوگ دوسروں کی محبت سے آلودہ ہوں مذہب آئمہ اطہار علیہم السلام کا رواج دینا شروع کیا اور یہی مذہب انکے دلوں میں راسخ کردیا لہذا وہاں کبھی سنی پیدا ہی نہیں ہوتا یہ کلام صاحب معجم تھا جو نقل کیا گیا اور احادیث جو فضیلت قم میں جناب رسالتمآب صلعم اور ائمہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام سے وارد ہیں وہ بکثرت ہیں حضرت صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ آگاہ ہو کہ خدا کیلئے ایک حرم ہے اور وہ مکہ ہے اور آگاہ ہو کہ یقیناً رسولؐ کیلئے ایک حرم ہے اور وہ مدینہ ہے اور آگاہ ہو کہ بتحقیق امیرالمومنین علیہ السلام کے لئے ایک حرم ہے اور وہ کوفہ ہے اور آگاہ ہو کہ میرا اور میری اولاد کا حرم میرے بعد قم ہے اور قم چھوٹا کوفہ ہے آگاہ ہو کہ یقیناً جنت کے آٹھ دروازے ہیں جنمیں سے تین قم کیطرف ہیں اس شہر میں ایک عورت میری اولاد سے انتقال کریگی جسکا نام فاطمہ بنت موسیٰؑ ہوگا کہ جسکی شفاعت سے

میرے تمام شیعہ جنت میں داخل ہو گئے۔

اور یہ روایت بھی حضرت سے ہے کہ جب تمام شہروں کو فتنے اور بلائیں گھیر لیں تو تم لوگوں کو قم اور اسکے اطراف و نواحی کی طرف رجوع کرنا چاہیے اسلئے کہ بلائیں قم سے دور کر دیگئی ہیں۔

اور حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ آگاہ ہو یقیناً جنت کے آٹھ دروازے ہیں جنمیں سے تین اہل قم کی طرف ہیں۔ پس خوشا حال اُنکا اور پھر خوشا حال اُنکا اور سعد بن سعد اخرم نے روایت کی ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے اس کی زیارت کی اسکے لئے جنت ہے یا وہ اہل جنت سے ہے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے روایت ہے کہ سلام خدا کا اہل قم پر اور رحمت خدا کی اہل قم پر خدا انکے شہروں کو باران سے سیراب کرے اور ان پر برکتیں نازل فرمائے۔ پس انکے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے وہ لوگ رکوع کرنیوالے۔ خدا سے ڈرنے والے۔ سجدہ کرنے والے۔ عبادت میں کھڑے رہنے والے۔ اور روزے رکھنے والے ہیں وہ لوگ علم فقہ کے جاننے والے اور علماء اور صاحب فہم ہیں۔ وہی لوگ اہل دین اور اہل ولایت اور اہل عبادات اور اچھی عبادت کرنیوالے ہیں۔ صلوٰۃ ان پر اور رحمتیں اور برکتیں ان پر خدا کی نازل ہوں۔ اور صاحب مجمع نے یہاں پر ایک لطیفہ نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ:-

لطیفہ جب شہر قم بادشاہان اہل سنت کے قبضہ میں تھا تو ایک متعصب سنی وہاں کا حاکم تھا اس نے سُنا تھا کہ اہل قم خلفاء ثلاثہ سے ایسی عداوت رکھتے ہیں کہ انکے نام پر نام بھی نہیں رکھتے اس حاکم نے رؤسا اور اعیان شہر کو طلب کیا اور کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ تم خلفائے ثلاثہ کو دشمن رکھتے ہو اور اپنی اولاد کا نام ان پر نہیں رکھتے قسم خدا کی اگر تم کسی ایسے شخص کو اہل شہر سے میرے

پاس نہ لائے کہ جنکا نام ابو بکر یا عمر یا عثمان ہو تو میں سب کو سزائے سخت دونگا ان لوگوں نے تین روز کی مہلت طلب کی اور بکمال کوشش ہر ہر گھر میں تلاش کرتے رہے آخر کار تیسرے روز ایک مرد مسافر جو کہیں اور کا رہنے والا تھا اور کچھ عرصہ سے شہر قم میں مقیم تھا اور اسکے بیٹے کا نام ابو بکر تھا حاکم کے پاس لائے لیکن اسکی حالت یہ تھی کہ نہایت کریہ منظر فقر و فاقہ میں مبتلا سر و پا برہنہ منھ تک نہیں دھوئے ہوئے تھا القصہ ابو بکر مذکور جب دربار حاکم میں جلوہ افروز ہوئے اور حاکم کی نظر اُن پر پڑی تو نہایت پریشان ہوا اور اُن لوگوں کو سخت و سُست کہنے لگا کہ چند روز کے بعد تم لوگ ابو بکر کا ہمنام لائے بھی تو ایسے بدترین خلقت خدا کو؟ یہ سُنکر ایک ظریف قم کو تاب نہ رہی اُنہوں نے کہا کہ اے حاکم وقت آپ کا جو جی چاہے کریجئے قم میں ابو بکر کے نام والا اس سے بہتر پرورش نہیں پا سکتا آب و ہوائے قم ان ناموں کے مخالف ہے حاکم بھی چونکہ ظریف الطبع تھا ہنس پڑا اور اُن لوگوں کو چھوڑ دیا۔

اور یہی حکایت بعینہ سبزوار کے بارہ میں بھی مشہور ہے چنانچہ مولوی رومی نے اپنی مثنوی میں اسطرف اشارہ کیا ہے :۔

سبزوار است این جہاں بے مدار ما چو بو بکریم در وے خوار و زار

بہرحال یہ دونوں شہر اس حکایت کے قابل ہیں۔

ابن کثیر شامی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ۳۴۵ھ میں اہل قم اور اہل اصفہان کے درمیان ایک فتنۂ عظیم برپا ہوا اہل قم مال تجارت لیکر اصفہان گئے تھے وہاں جاکر صحابہ کو گالیاں دینے لگے۔ اہل اصفہان جو سب کے سب سُنّی المذہب تھے آمادہ جنگ ہو گئے اور بہت سے قمیوں کو قتل کر ڈالا اور مال تجارت کو لوٹ لیا جب یہ خبر رکن الدولہ بویہی کو پہونچی تو بسبب اپنے تشیع کے نہایت غصہ میں

آیا اور اہل اصفہان سے سخت مواخذہ کیا اور مال کثیر وصول کیا۔
اور شیخ عبد الجلیل رازی نے کتاب نقض میں لکھا ہے کہ ایک اصفہانی نے ایک قمی سے پوچھا کہ تم کس شہر کے رہنے والے ہو اسنے جواب دیا کہ شہر دندان کنان اصفہانی نے کہا کہ اسکے معنی کچھ سمجھ میں نہ آئے قمی نے کہا کہ اگر میں کہوں کہ قم کا باشندہ ہوں تو تم اسطرح سے آہ سرد کھینچو گے جیسے وہ شخص جسکے دانت اکھاڑ لیے گئے ہوں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں قمی شیعہ ہوتے تھے اور اصفہانی سنی ہی ہوتے تھے لیکن الحمد للہ کہ بادشاہان صفویہ کے زمانہ میں اصفہان بھی قم سے کم نہیں ہے اور اسکے بھی در و دیوار پر نور ایمان تاباں و درخشاں ہے اور مثل دار المومنین کاشاں ہے۔
مولانا عبید زاکانی نے اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ ایک شخص کو جسکا نام عمران تھا اہل قم مار رہے تھے کسی نے کہا کہ یہ عمر تو نہیں ہے اسے کیوں مارتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ یہ عمر تو تھا ہی علاوہ برین الف نون عثمان کا بھی اس نے چرا لیا ہے۔
اور منجملہ حکایت ہائے جرأت و شجاعت و پابندی مذہب اہل قم کے یہ ہے جو اواخر کتاب کشف الغمہ میں مذکور ہے کہ بعض خلفائے عباسیہ کے زمانہ میں اہل قم نے اطاعت حاکم سے انکار کر دیا اور جو حاکم آتا تھا اس سے لڑتے تھے اور موقع حکومت کا نہ دیتے تھے کئی مرتبہ فوجیں بھیجی گئیں لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا آخر کار خلیفہ نے اپنے امیر الامرا امیر ناصر الدولہ بن حمدان کو بھیجا جب ناصر الدولہ قم کے نزدیک پہونچے تو رؤسائے قم تحفے اور ہدیہ لیکر استقبال کیلئے آئے اور کہا کہ ہم غیر مذہب کی حکومت پر راضی نہ تھے تم چونکہ شیعہ ہو تمھاری اطاعت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے چنانچہ اس سال اہل قم نے بہ نسبت گذشتہ سالوں کے بہت زیادہ مال ناصر الدولہ کو دیا اور تمول

نے خلیفہ کے پاس بھیجا لیکن خلیفہ کو خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ ناصر الدولہ اہل قم سے موافقت کرلیں لہذا ان کو اپنے پاس بلا لیا اور منجملہ آثار شجاعت اہل قم کے یہ بھی ہے کہ جس زمانہ میں سلطان حسین مرزا بادشاہ خراسان تھے حاکم خراسان کے پاس ایک شخص سادات قم میں سے رہا کرتے تھے اتفاقاً ایک دن حاکم سیستان ہرات کے مجمع میں بیٹھا ہوا تھا کہ خلافت خلفاء ثلاثہ کا ذکر چھڑ گیا سید ممدوح نے انکی خلافت کو باطل کرنا شروع کیا اور حاکم اور حضار کی کوئی پروا نہیں کی بلکہ اپنے جوش میں دلائل ابطال سے تجاوز کرکے لعن وطعن بھی شروع کردیا وہ لوگ انہیں پکڑ کر شیخ الاسلام کے پاس لائے جو سعد الدین تفتازانی کی اولاد میں تھا وہاں جاکر سید مذکور کے رفض پر گواہی دی شیخ الاسلام سید مذکور کو بادشاہ وقت سلطان حسین مرزا کے پاس لے گیا اور اُن سے سب حالت بیان کی سلطان مذکور کو چونکہ سادات سے محبت تھی اسلیئے اس سید سے کہا کہ شاید تم اسوقت نشے میں ہو یا تمکو جنوں کا دورہ ہوتا ہو سید نے جواب دیا کہ میں نے اپنی مدت العمر نشہ کی چیزیں نہیں استعمال کیں اور نہ کبھی مجھے جنوں ہوا ہے لیکن چونکہ مجھے معلوم ہے کہ یہ خلفائے ثلاثہ میرے اباؤ اجداد طاہرین کے دشمن تھے اسوجہ سے میں ان پر لعن وطعن کرنا جائز اور موجب ثواب جانتا ہوں اور منجملہ عبادات کے سمجھتا ہوں۔ سلطان نے جب یہ سُنا تو سخت پس وپیش میں ہوا اسلیئے کہ علاوہ محبت اولاد رسول کے سلطان شاہ اسمٰعیل صفوی سے بھی ڈرتا تھا جو اس زمانہ میں تمام ملک ایران پر قبضہ کرچکے تھے لیکن شیخ الاسلام نے جو درحقیقت شیخ فساق اور رئیس کفار تھا سلطان سے کہا کہ اے بادشاہ تو امور دین میں سہل انگاری کرتا ہے؟ چونکہ سلطان اس زمانہ میں مفلوج تھا اور ارکانِ دولت پورے طور پر اطاعت نہیں کرتے تھے اسلیئے وہ معاملہ شیخ الاسلام پر چھوڑ دیا اس ملعون نے روح مطہر حضرت رسول صلعم سے شرم نہ کی اور سید مظلوم کے قتل کا حکم دیدیا وہ سید تو شہید

ہوگیا لیکن اسکے اعزا نے شاہ اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں شکایت کی بادشاہ مرحوم نے ان لوگونکو تسلی دی اور فرمایا کہ جب ملک خراسان پر ہم قبضہ کر چکینگے تو شیخ الاسلام کو تم لوگ اپنے بھائی کے عوض قتل کر ڈالنا اس زمانہ میں سلطان حسین مرزا نے وفات پائی اور شبیک خاں بادشاہ خراسان ہوا شاہ اسمٰعیل مغفور نے ملک خراسان کے فتح کا ارادہ کرلیا اور شبیک خاں کو واصل جہنم کرنے کے بعد دارالسلطنت ہرات میں نزول اجلال فرمایا سید شہید کے اعزا لشکر سلطانی کے ساتھ تھے فوراً شیخ الاسلام کو گرفتار کرکے بادشاہ دین پناہ کے سامنے لائے۔ شاہ مرحوم نے بموجب فرمان سابق اُنہیں کے سپرد کردیا۔ ان لوگوں نے پہلے اسکو سنگسار کیا پھر ایک چوراہے پر اسکی لاش جلا کر خاکستر ہوا میں اڑا دیا۔ الحمد للہ رب العالمین

کاشان

کتاب معجم البلدان میں لکھا ہے کہ کاشان ایک شہر اصفہان کے نزدیک ہے۔ اور اکثر شہر قم کے ساتھ اُسکا ذکر کیا جاتا ہے وہاں طباق اور پیالے کاشی عمدہ بنتے ہیں وہاں کے لوگ سب شیعہ امامیہ ہیں اور اپنے مذہب میں نہایت مضبوط ہیں اور سمعانی نے اپنی کتاب انساب میں لکھا ہے کہ کاشان قم کے نزدیک ایک شہر ہے اور اصفہان سے تیس فرسخ پر واقع ہے کہتا ہے کہ میں اس مقام پر پہونچا تھا اور دو روز وہاں ٹھیرا لوگ وہاں کے سب کے سب شیعہ ہیں اور انہیں صاحبان علم و فضل کثرت سے ہیں وہاں قاضی ابوالرضا فضل اللہ بن علی العلوی الحسینی الکاشانی کی خدمت میں پہونچا اور اُن سے چند حدیثیں سُنیں اور لکھیں۔ اور چند قطعات شعر بھی انکے لکھے جب اُنکے مکان کے

دروازہ پر پہونچا ہوں اور انکے باہر آنے کا انتظار کررہا تھا ایک ساعت تک جلوخانہ میں بیٹھا رہا۔ میں نے انکے ایوان پر لکھا دیکھا:۔

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا

اس آیت کے ظاہری یہ معنی ہیں کہ:۔

پس خدا کا یہی ارادہ ہے کہ دور کردے تم سے نجاست کو اے اہلبیت! اور تمکو ایسا پاک کردے جو پاک کرنے کا حق ہے۔

اور شیخ عبدالجلیل قزوینی رازی نے اپنی کتاب نقض میں لکھا ہے کہ کاشان الحمد للہ نورانی اور مشہور تھا اور ہے اور اسکی مسجدیں اور مدرسے زینت اسلام اور نور شریعت سے آراستہ و پیراستہ ہیں وہاں کے مشہور مدرسے حسب ذیل ہیں۔ صفویہ۔ مجدیہ۔ شرفیہ۔ عزیزیہ۔

مدرسوں کے لئے جو اسباب ضروری ہیں وہ ان مدارس میں مع اوقاف کے موجود ہیں مدرسوں میں سے بھی مثل سید امام ضیاء الدین ابوالرضا فضل اللہ بن العلی الحسینی کے ایسے حضرات ہیں جو علم و فضل و زہد تقوی میں بے نظیر ہیں اور علاوہ ان علماء اور فقہاء اور قضاۃ کے قاری و موذن بھی بکثرت ہیں اور ہر وقت مباحثے و مناظرے و مذاکرے میں مشغول رہتے ہیں۔ علاوہ بریں امام زادہ حضرت علی بن محمد الباقر علیہ السلام کا مزار بھی یہیں ہے جسکو مجدالدین نے تعمیر کیا تھا وہاں بھی ہر طرح کے اسباب زینت و آرائش و رونق موجود ہیں اور اس روضۂ مبارکہ میں سلاطین و وزراء و امراء اور تمام باشندے حاضر ہوا کرتے ہیں اور اپنی مرادیں پایا کرتے ہیں انکے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں اس شہر میں ہیں جو وہاں کے باشندوں کے خلوص ایمان پر دلالت کرتی ہیں اور میر مخدوم شریفی رازی علیہ ما علیہ نے کتاب نواقض الروافض میں لکھا ہے کہ اہل کاشان

کا گمان ہے کہ ابولولو رقاتل عمر بن الخطاب۔ اسکو قتل کرنے کے بعد کاشان
چلے آئے تھے اور دشمنوں کے خوف سے وہاں چھپے رہے اہل کاشان نے
بسبب محبت خاندان رسالت کے انکی تعظیم و تکریم کی اور دشمنوں سے محفوظ رکھا
یہانتک کہ انہوں نے اسی شہر میں وفات پائی اور انکا مزار بھی شہر کے باہر بنا ہے
لوگ انکو باباشجاع الدین کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس شخص نے ایسے
دشمن دین کو مارا ہو وہ یقیناً شجاع الدین ہے اور بابا کے معنی اگرچہ فارسی میں
باپ کے ہیں لیکن کبھی ایسے شخص کے بارہ میں بھی اسکا استعمال کیا جاتا ہے جس نے
کوئی بڑا کام کیا ہو۔ الغرض عوام واوباش شہر کاشان چھبیسویں تاریخ ذی الحجہ
کی جو روز قتل عمر ہے خمیر سے ایک شکل بناتے ہیں اور اسکو سرخ رنگ سے
بھر دیتے ہیں اور اسکا نام عمر رکھتے ہیں اور پھر اسکو نچاتے ہیں اور اسکے ناچ کے
ساتھ طبل و ڈھول اور طرح طرح کے باجے بجاتے ہیں اور عمر کے لعن وطعن
میں بہت زیادہ مبالغہ کرتے ہیں اور بڑا شور وغل مچاتے ہیں اور وہ پورا دن انہیں
حالتوں میں گذرتا ہے جب رات قریب ہوتی ہے تو شجاع الدین کے مزار
کی طرف سے اپنے گھروں کو پلٹتے ہیں اور بعضے اراذل اور اوباش چھری یا خنجر
اس صورت کے پیٹ پر مارتے ہیں کہ وہ رنگ بہنے لگتا ہے پس وہ سب کے
سب اسکو پیتے ہیں اور اسکا ثبوت دیتے ہیں کہ ہم لوگ عمر کے خون کے پیاسے
ہیں اور عمر اہل کاشان کی نظر میں ویسا ہی ذلیل و خوار ہے جیسا اہل
سبزوار کے نزدیک ابوبکر چنانچہ ملا حیرتی نے کہا ہے۔ بیت:-

خوارم اندر ولایت قرمی　　چوں عمر در ولایت کاشاں

اور عبید زرکانی کے بعض رسالوں میں مذکور ہے کہ کسی شخص نے ایک گدھا
کاشان میں بیچا جب اسکی دستاویز لکھانی چاہی دستاویز لکھنے والے نے

پوچھا کہ تمھارا کیا نام ہے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ "ابو بکر" اس نے کہا تمہارے باپ کا جواب دیا "عمر" آخر پوچھا تمھارے دادا کا کیا نام ہے انہوں نے کہا عثمان۔ دستاویز لکھنے والا متحیر رہ گیا کہ میں کیا لکھوں۔ دستاویز لکھنے والا چونکہ اہل کاشان سے تھا اس نے کبھی یہ نام آدمیوں کے نہ سُنے تھے اور نہ وہ ایسے نجس ناموں کو اپنے قلم سے لکھنا چاہتا تھا

آبہ

بباے موحدہ صاحب معجم کہتے ہیں ابو سعید نے حافظ ابو بکر بن موسیٰ ابن مردویہ سے نقل کیا ہے کہ آبہ کہ مضافات اصفہان میں ایک قریہ ہے۔ دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ ساوہ سے قریب ہے اور جلیل بن عبد الحمید ساکن شہر رے ہیں کے رہنے والے تھے اور میں کہتا ہوں کہ آبہ ساوہ کے مقابلہ میں مذکور ہوتا ہے اور عوام الناس اسکو آوہ کہتے ہیں اور وہاں کے رہنے والے شیعہ اور اہلِ ساوہ سُنی ہیں ہمیشہ آپس میں جنگ ہوا کرتی ہے وہاں کے اہل تشیع کے بارہ میں شعراے اہل سُنت سے ایک نے وہ قطعہ کہا ہے جو عربی زبان میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:—

"کسی کہنے والے نے مجھسے یہ کہا کہ تم اہل آبہ کو دشمن رکھتے ہو درحالیکہ وہ لوگ بڑے شاعر دلنشین ہیں میں نے جواب دیا کہ میرے پاس سے ہٹ یقیناً میرا ایسا آدمی ہر دشمن صحابہ کو دشمن رکھتا ہے۔"

یہ تحقیق ہے صاحب معجم کی۔ اور ساوہ کے ذکر میں بھی لکھا ہے کہ ساوہ کے قریب ایک شہر ہے جسے آوہ کہتے ہیں اور وہاں کے رہنے والے شیعہ امامیہ ہیں اور دونوں شہروں کے درمیان دو فرسخ کا فاصلہ ہے اور ہمیشہ لڑائی جھگڑے رہا کرتے ہیں یہ

دونوں شہر آباد تھے یہانتک کہ ۶۱۸ھ میں تاتاریوں کا لشکر وہاں پہونچا جس نے دونوں شہروں کو قتل عام کردیا شیخ اجل عبد الجلیل رازی کی کتاب نقض میں لکھا ہے کہ شہر آبہ اگر صورتاً چھوٹا ہے لیکن الحمد للہ کہ وہ ایک بہت بزرگ دین ہے بحیثیت دین اسلام کی رونق کے اس شہر میں آثار شریعت مصطفوی و سنت مرتضوی ظاہر اور نمایاں ہے اور وہاں کی بڑی اور چھوٹی مسجدیں ہمیشہ جمعہ اور جماعات سے آباد رہتی ہیں اور وہاں کے لوگ عیدین اور عید غدیر اور روز عاشورہ و شب و روز برات میں بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور ہمیشہ بڑی ہمت کے ساتھ ختم قرآن کرتے رہتے ہیں وہاں کے مدرسہ عز الملکی اور مدرسہ عرب شاہی بھی نہایت اچھی حالت میں ہیں جس میں سید ابو عبد اللہ اور سید ابو الفتح حسینی کے ایسے علماء و فضلاء درس دیا کرتے ہیں امام زادے عبد اللہ موسیٰ و فضل اور سلمان اولاد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا مزار بھی ہے یہ مزار ہمیشہ علماء و فقہاء سے بھرا رہتا ہے اور معتبرین نے جناب سید اولین و آخرین سے روایت کی ہے جسکا ترجمہ یہ ہے :-

"جب مجھے شب معراج آسمان کی طرف لیچلے تو میں ایک صفحہ زمین کی طرف سے گزرا جو مثل کافور کے تھی مجھے اس زمین میں ایک خوشبو معلوم ہوئی۔ جبریل سے پوچھا کہ یہ کونسی زمین ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اسکا نام آبہ ہے آپ کی رسالت اور آپکی اولاد کی ولایت اس زمین کے سامنے پیش کی گئی اس نے قبول کرلیا۔ خداوند عالم اس زمین سے ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو آپکو اور آپ کی ذریت کو دوست رکھتے ہونگے پس اس زمین اور اسکے رہنے والوں کو برکت عطا فرمائی

اگرچہ فضیلت آبہ میں اور بھی حدیثیں ہیں لیکن ہم اس حدیث مذکور پر اکتفا کرتے ہیں پھر اسی کتاب کے دوسرے مقام پر بیان کیا ہے کہ اعتقاد اہل آبہ معلوم ہوا ہے جز شیعہ کے اور کوئی مذہب رکھتے ہی نہیں اور کہا ہے کہ سادہ دیہی شیعہ ہیں لیکن

آبہ میں صرف شیعہ ہیں اور وہاں کے اکابر و متاخرین میں سے میر شمس الدین محمد آوی ہیں جو منجملہ صلحار و فضلار تھے اور سلطان علی بن موید بادشاہ خراسان کے مقربین سے تھے انہیں کی فرمائش سے جناب شہید اول نے کتاب لمعہ دمشقیہ تصنیف کی تھی اور سلطان مذکور کے ساتھ انکے پاس بھیجدیا تھا کتاب مذکور کے خطبہ میں جو بعض الدیانین کا لفظ ہے اس سے مراد یہی میر شمس الدین محمد ہیں

شیراز

دار السلطنت فارس ہے اور تمام عالم کے شہروں سے شہرت میں اور جامعیت میں ممتاز ہے **بیت**

چہ مصر و چہ شام و چہ بر و چہ بحر ہمہ روستا نید و شیراز شہر

یعنی خواہ مصر یا شام ہو یا خشکی ہو تری کے اور سب شہر دیہات ہیں اور در اصل شہر کہنے کا مستحق شیراز ہے۔

حبیب السیر میں لکھا ہوا ہے کہ شہر شیراز کا بانی حجاج بن یوسف کا چچا زاد بھائی محمد بن قاسم بن عقیل ثقفی تھا شیراز کی بڑی عمارتیں اور پرتکلف آئینہ کاری اور وسعت شہر زمانہ میں مشہور ہے۔ عضد الدولہ دیلمی کے زمانہ میں اسقدر آباد ہو گیا تھا کہ اہل لشکر کو بیٹھنے کی جگہ نہ ملتی تھی لہذا عضد الدولہ نے شیراز کے نزدیک ایک قصبہ بنا دیا تھا کہ لشکر وہاں قیام کیا کرے اس مقام کا نام سوق الامرا مشہور تھا اب وہ مقام بالکل ویران ہے شیراز کی آب و ہوا نہایت معتدل ہے اور زیر زمین نہروں کا پانی وہاں مستعمل ہوتا ہے منجملہ ان زیر زمین نہروں کے نہر رکن آباد ہے جو رکن الدولہ حسن بن بویہ نے بنایا تھا اور خواجہ حافظ نے اپنے اشعار میں اس پانی کی لطافت و شیرینی کی طرف اشارہ کیا ہے منجملہ ایسے

اشعار کے یہ بھی ہے :-

عیبش مکن کہ خال رخ ہفت کشور است
شیراز و آب رکنی و آں باد خوش نسیم

اور شہر شیراز میں خانقاہیں و مدرسے و مسجدیں اور خیرات خانے بکثرت ہیں اور مسجد عقیق جسکے بانی عمر بن لیث تقا رہیں منجملہ مشہور عمارتوں کے ہے مخفی نہ رہے کہ اہل شیراز کی طبیعت محبت اہلبیت کے ساتھ خمیر ہوئی ہے چنانچہ ابتدا ہی سے جناب سلمان فارسی کے خطاب "منا اہل البیت" سے ظاہر ہے منتہا ے امر یہ ہے کہ بعض اوقات اور زمانوں میں بادشاہان اہلسنت کے تسلط کی وجہ سے اہل شہر تقیہ کی حالت میں تھے اور نور ایمان انمیں مخفی تھا جیسا کہ زمانہ عضد الدولہ میں پورے طور پر ظاہر تھا اہل شہر میں سے بہت سے سادات رفیع الدرجات خصوصاً سادات انجوؔ ہیں جو اپنی قدامت تشیع میں مشہور ہیں اسی طرح سے طائفہ خاکیہ اور مثل انکے بعض اور خاندان کہ جو ہمیشہ سے دائرہ ایمان میں داخل ہیں۔ مصرع

کہ سعدی زیں سخاوت نیست بے بر

رَے

صاحب معجم کہتے ہیں کہ رَے بفتح اول و تشدید ثانی ایک مشہور شہر ہے اور تمام عالم کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے اور میں شہر رے میں گیا ہوں وہ ایک شہر لطیف و عجیب ہے اسکی دیواریں نہایت محکم اور ادپر کاشتی کام کیا ہوا ہے اور رنگ کبودی بھرا ہوا ہے اور وہ بہت بڑا شہر تھا لیکن بڑا حصہ اسکا اب ویران ہو گیا ہے - میں جب ۶۱۷ھ میں لشکر تتار کے خوف سے بھاگ رہا تھا تو اس مقام پر پہونچا تھا تب تک وہاں کی دیواریں قائم تھیں مگر اپنی حالتوں پر باقی

تھے چونکہ ویرانی کو تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا ابھی دیواروں میں رونق باقی تھی میں نے وہاں کے عقلاء میں سے ایک شخص سے پوچھا کہ اس شہر کی ویرانی کا سبب کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ سبب حقیقی تو ارادہ خداوندی ہے لیکن سبب ظاہری یہ ہے کہ اس شہر میں تین مذہب کے لوگ رہتے تھے۔ شافعی و حنفی اور شیعہ۔ شافعی سب سے کم حنفی اُن سے زیادہ اور شیعہ اُن سے بھی زائد اور اہل دیہات بھی اکثر شیعہ تھے اور کچھ ان میں حنفی بھی تھے لیکن شافعی کوئی نہیں تھا پہلے تو حنفیوں اور شیعوں میں جھگڑا پیدا ہوا یہانتک کہ شافعی اور حنفی ملکر شیعوں پر غالب آگئے اور انکو فنا کرنے کے بعد دونوں آپسمیں لڑ گئے لیکن باوجود قلت کے شافعی ظفریاب ہوئے اب جو یہ غیر آباد مقامات ہیں یہ شیعوں اور حنفیوں کے رہنے کے مکانات ہیں اور یہ چھوٹا سا محلہ جو آباد ہے یہ شافعیوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ اب شیعوں اور حنفیوں میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہ گیا ہے اور اگر ہو بھی تو اپنے مذہب کو چھپاتا ہے۔

اور اصطخری نے کہا ہے کہ رے اصفہان سے بڑا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ زمین مشرق میں بغداد کے بعد رے سے زیادہ آباد کوئی شہر نہیں ہے اگرچہ نیشاپور کا عرض و طول اس سے زائد ہے۔ شہر رے کا عرض و طول ڈیڑھ فرسنگ ہے اور شہر کے باہر بہت سے قریے ہیں جنمیں سے ہر ایک تقریباً ایک شہر کے برابر ہے یہ ملک عمر بن الخطاب کے زمانہ میں عمار یاسر نے فتح کیا تھا اور جعفر بن محمد رازی سے منقول ہے کہ جب مہدی عباسی خلافت منصور کے زمانہ میں رے میں آیا تو اسی نے اس شہر رے کی بنا ڈالی اور اسکے گرد ایک خندق کھدوائی اور ایک جامع مسجد بنوائی اور اسکے ملازمین نے کوششیں کیں یہانتک کہ ۱۵۸ھ میں اتمام کو پہونچا خراج ملک رے کا ہمیشہ ایک کرور مبلغ لاکھ درہم ہوا کرتا تھا لیکن جب مامون خراسان سے بغداد جا رہا تھا اور مقام

رے پر پہونچا تو اہل رے نے زیادتی مالگذاری کی شکایت کی مامون نے بیس لاکھ درہم کی تخفیف منظور کی اور صرف ایک کرور مالگذاری مقرر کردی بعض علماء سے منقول ہے کہ توریت میں مذکور ہے کہ رے دروازہ ہائے زمین میں سے ایک دروازہ ہے جو خلق کی تجارت گاہ ہے۔

اور اصمعی نے تعریف رے میں کہا ہے کہ رے دنیا کی دولہن اور خلائق کی تجارت گاہ ہے یا انکی جائے کشش ہے اور جب ابن زیاد ملعون نے عمر سعد کو لشکر دیکر حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ کیلئے بھیجا تھا۔ تو اسی حکومت رے دینے کا وعدہ کیا تھا ابن سعد کے تردد اور اس کے اشعار کا حال معہ ترجمہ کے اوائل کتاب میں بیان ہو چکا ہے۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ رے اور قزوین اور ساوہ ملعون اور منحوس ہیں اور اہل رے در اصل اہل سنت و جماعت تھے یہانتک کہ احمد بن حسن ماورانی کا تسلط ہوا اور انہوں نے اظہار تشیع کیا اور شیعوں کی پرورش کرنے لگے لوگوں نے مذہب شیعہ میں کتابیں تصنیف کرنا شروع کردیں اور اسکو حاکم تک ذریعہ توسل قرار دیا مذہب شیعہ اور فضائل اہلبیت کی کتابیں بہت سی تصنیف ہوگئیں احمد مذکور کا تسلط ۲۷۵ھ میں تھا جو زمانہ خلافت معتمد عباسی کا تھا قبل اسکے احمد مذکور کوتکین بن تکین و ترک کے ہمراہ تھے اور اسوقت سے ابتک مذہب شیعہ کا رواج اس شہر میں باقی ہے۔

اور صاحب معجم نے جو کچھ لکھا ہے اور انہوں نے جو بعض عقلاء سے اپنی سنی ہوئی روایت بیان کی ہے خلاف ظاہر ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرد عاقل صاحب معجم کے شافعی مذہب ہونے سے مطلع تھا لہذا اس نے انکی خوشامد میں اسطرح

کی تقریر کی ورنہ جیسا کتاب نقض سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ملک رے میں شافعی مذہب کے لوگ اسقدر کم تھے کہ جو حنفیہ کا مقابلہ کرہی نہ سکتے تھے اور حنفی ہمیشہ شافعی لوگوں کے مقابلہ میں شیعونکے موافق رہے تھے اس لئے کہ شافعی اصول میں اشاعرہ اور جبریہ کے تابع تھے چنانچہ بارہا انکو مجبور کیا گیا ہے کہ ممبر پر جاکر اپنے مذہب کا ابطال کریں اور انہوں نے کیا بھی ہے۔

اور کتاب نقض میں شیعۂ رے کی حالت اور شوکت جو بیان کی گئی ہے وہ بھی اسکی مقتضی نہیں ہے کہ شافعی ان پر غالب آجاتے چنانچہ لکھا ہے کہ شیعوں کے مقامات معتبرہ میں سے وہاں ایک بڑا مدرسہ ہے جہاں کے مدرس سید تاج الدین محمد کیکی ہیں جنکی عمر تقریباً نوّے برس کی ہے جہاں برابر کلام مجید کے دورے ہوا کرتے ہیں اور ہر شبانہ روز پانچ مرتبہ نماز جماعت اور ہر ہفتہ میں دو مرتبہ مجلس وعظ منعقد ہوتی ہے اور وہ شہر علماء و فقہا اور سادات شیعہ سے بھرا ہوا ہے۔ اور دوسرا مدرسہ شمس الاسلام ہے۔ وہ بھی شیعوں سے پُر ہے اور نزدیک سرائے ایالت کے واقع ہے اور وہاں پر بھی نماز جماعت و قرأت قرآن و مجلس وعظ اور طریق فتویٰ و تقویٰ جاری ہے پہلے کی بنا طغرل بزرگ کے زمانہ میں اور دوسرے کی بنا سلطان محمد اور سلطان ملک شاہ کے زمانہ میں ہوئی ہے ان دونوں مدرسوں کے درمیان میں بھی ایک مدرسہ ہے جسکا تعلق سادات کیکی سے ہے اس مدرسہ کو خانقاہ زمان کہتے ہیں اسکی بھی بنا سلطان محمد کے زمانہ میں ہوئی ہے چوتھا مدرسہ آمنین ہے جو سید زاہد ابو الفتوح کی طرف منسوب ہے اور دولت ملک شاہی میں بنا ہے۔ پانچواں مدرسہ علی جاستی ہے جسکو کوچہ اصفہانیاں میں خواجہ میرک نے عہد سلطان سعید ملک شاہ میں بنایا ہے اور وہاں بھی مجلس وعظ و ختم قرآن اور نماز جماعت ہمیشہ بالالتزام ہوا کرتی ہے۔ چھٹا مدرسہ خواجہ عبد الجبار مفید ہے

جہاں چارسو فقہا اور متکلمین اطراف عالم سے آکر جمع ہیں اور ہمیشہ مطالعہ اور مباحثہ میں مشغول رہتے ہیں اور اسکو بھی عہد مبارک ملک شاہی میں بنا کیا ہے اور ابتک مشہور و معروف ہے اور مدرسین و طلبا سے مملو ہے اور نماز جمعہ اور قرآن کا دورہ برابر ہوا کرتا ہے اسکے بانی شرف الدین مرتضی ہیں جو سادات شیعہ کے سرگروہ ہیں۔ ساتواں مدرسہ کوئے فیروزہ ہے وہ بھی عہد سلاطین مذکورین بنا گیا ہے اسکے علاوہ خانقاہ امیر اقبال جو عہد کریم غیاثی میں بنا گئی ہے اور خانقاہ علی عثمان جہاں ہمیشہ سادات علماء اور زاہدین دینداران کا مجمع رہتا ہے اور برابر نماز جماعت ہوا کرتی ہے وہ بھی ملک شاہ کے زمانہ میں بنی ہے اور ابتک آباد و مشہور ہے۔ آٹھواں مدرسہ خواجہ امام رشید رازی دروازہ جاروب بندان پر واقع ہے جسمیں دوسو سے زیادہ مدرسین اصول دین اور اصول فقہہ اور تمام علوم شرعیہ کی تعلیم دیتے ہیں اور یہ بھی عہد دولت سلطان سعید محمد میں بنایا گیا ہے اسکے علاوہ ایک کتب خانہ ہے جسمیں ہر طرح کی کتابیں جمع ہیں۔ نواں مدرسہ شیخ جنید ملی ہے در مصلی گاہ پر واقع ہے یہ بھی عہد سلطان محمد میں تعمیر ہوا علاوہ اسکے اور بہت مدرسے ہیں جنمیں برابر مذاکرہ و مباحثہ اور تلاوت قرآن و نماز جماعت اور اوراد و وظائف کا جرچا رہتا ہے اور شیعوں کی زیارت گاہوں میں سے کئی زیارت گاہیں بھی شہر رے میں ہیں جنمیں سے چند مشہد ہیں مشہد سید عبد العظیم حسنی مشہد سید عبد اللہ ابیض مشہد سید حمزہ موسوی ان مشاہد متبرکہ کی بزرگی محتاج بیان نہیں ہے۔ اور کتاب فضائح الروافض اور کتاب نقض میں اسکی تصریح ہے کہ رے کے شیعہ سنیوں سے زیادہ تھے چنانچہ صاحب فضائح نے شیعوں کی رد میں کہا ہے کہ مذہب شہر نہ اختیار کرنا چاہئے بلکہ مذہب حق اختیار کرنا چاہئے اور رے میں اغلب رفضی ہیں۔ اسپر مغرور نہ ہونا چاہئے اس لئے

کہ شمار کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور صاحب نقض نے اسکا جواب دیا ہے اور کہا ہے کہ خود اہلسنت اس قسم کی دلیل پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صرف سلمان و ابوذر و مقداد و عمار اور جابر و ابوایوب و خزیمہ و زید نے امامت امیرالمومنینؑ پر اتفاق کیا تھا اتنے قلیل لوگونکی کوئی قدر مقابلہ میں اسقدر کثیر مہاجرین و انصار کے نہیں ہو سکتی جنہوں نے امامت ابوبکر پر اتفاق کیا وہاں پر تو یہ دلیل پیش کرتے ہیں اور یہاں پر جب شیعوں کی کثرت دیکھتے ہیں تو کثرت پر اعتبار نہیں رہ جاتا؟ مثل مشہور ہے کہ "دروغ گورا حافظہ نباشد" جو کچھ اول میں کہتا ہے آخر کلام میں خود اسکو باطل کر دیتا ہے اور یہ تو شیعوں کا اعتقاد ہے کہ کثرت و قلت کا کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ عقل و دلیل کا اعتبار ہے۔ صاحب حق اگرچہ ایک ہی ہو تو بہر وہ صاحب حق ہے اور صاحب باطل اگرچہ کروروں ہوں جب بھی اہل باطل ہی رہیں گے۔ حق آدمیوں کے سبب سے نہیں پہچانا جاتا بلکہ آدمی حق کے سبب سے پہچانے جاتے ہیں خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اسنے ہمیں راہ حق دکھلائی اور باطل سے بچا لیا۔

وَرّام

صاحب معجم کہتے ہیں کہ رے کے نزدیک ایک شہر ورام ہے جہاں کے باشندے شیعہ ہیں۔

وَرّامین

صاحب معجم نے کہا ہے کہ یہ بھی مثل سابق کے ہے۔ لیکن اس عبارت میں دو احتمال ہیں کہ اسکا نام مثل سابق کے ہے یا یہ کہ اسکے باشندے بھی مثل شہر سابق کے باشندوں کے شیعہ ہیں اور ممکن ہے کہ دونوں باتیں مراد لی ہوں۔ پھر صاحب معجم نے قریہ تو

تو بہار کے حالات میں لکھا ہے کہ ورامین ایک قریہ ہے مثل مدینہ کے اور کتاب انساب سمعانی میں لکھا ہے کہ ورامین ایک بڑا گاؤں مثل شہر و نکے ہے اور وہاں سے بہت سے علما رپیدا ہوئے ہیں اور ہمارے زمانہ میں ایک بڑا رئیس تھا جس نے حرمین شریفین کی تعمیر کی تھی اور مال کثیر صرف کیا تھا اور انکا بیٹا حسین ورامینی بہت حج کرتا تھا اور خیرات و صدقات میں منہمک رہتا تھا لیکن شیعہ تھا اور شیعہ گری میں بڑا متعصب تھا۔

مؤلف کہتا کہ زمانہ قدیم سے اہل ورامین دوستی خاندان رسولِ امین میں مشہور و معروف ہیں اور اصحاب یمین میں سے ہیں انکے متاخرین سادات میں سے سید فاضل محبوب القلوب قاضی محمد ہیں جو بادشاہ صاحب قران مغفور کے ہمراہ رہتے تھے اور بذلہ سنجی و بدیہہ گوئی میں بے نظیر تھے انکے لطائف میں سے یہ ہے کہ ایک روز دربار شاہی میں بیٹھے ہوئے تھے بادشاہ کے ہاتھ میں وہ موتیوں کی تسبیح تھی جو سلطان سلیم عثمانی نے بطور تحفہ کے بھیجی تھی بادشاہ موتیوں کی لطافت دیکھ رہے تھے دل میں خیال ہوا کہ اہل مجلس میں سے کسی کی گردن میں پہنادیں اور دور سے موتیوں کی چمک دیکھیں۔ آقا جمالی جو نہایت بدنفس اور جہنمی آدمی تھا سامنے بیٹھا ہوا تھا بادشاہ نے وہ تسبیح اسکی گردن میں ڈال دی اور دور سے دیکھنے لگے قاضی محمد مذکور نے فوراً یہ شعر پڑھا:۔

بیت

تسبیح خارجی کہ نہ در ذکر حیدر است ۔۔۔ در گردن کسان جہنم شتاب کن

شیخ عبد الجلیل رازی نے جہاں شیعوں کے شہروں کا شمار کیا ہے وہاں کہا ہے کہ ورامین اگرچہ ایک گاؤں ہے لیکن شہروں سے کم نہیں ہے اسلئے کہ آثار شریعت اور خیرات اور صدقات وہاں کثرت سے ہیں مثل جامع مسجد و مدرسہ رضویہ وغیرہ کے اور سکے علاوہ بہت سے اوقاف بھی ہیں اور بہت سے مدرسین کہ جو علماء ادم

متشرعین اور فقہائے متقیں ہیں تعلیم و تدریس میں مشغول رہتے ہیں اور ہمیشہ حرمین شریفین اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے روضوں کے واسطے شمعیں اور مختلف اقسام کی چیزیں از قسم نقد و جنس بھیجی جاتی ہیں اور ہر ماہ رمضان میں وہاں کے لوگ برابر دعوتیں کیا کرتے ہیں۔

دُورَبست

جو اس زمانہ میں درشت بفتح دال و را و سکون شین معجمہ مشہور ہے اور کتاب معجم میں ہے کہ دوربست بضم دال و سکون واو و را و بائے مفتوحہ و سین مہملہ و تائے فوقانی منجملہ ان قریوں کے ہے جو رے کی طرف منسوب ہیں اور عبد اللہ بن جعفر بن محمد بن موسیٰ بن جعفر ابو محمد دُوربستی وہاں کے مشاہیر میں سے ہیں جو اپنے کو اولاد حذیفہ بن الیمان میں جانتے تھے اور فقہائے شیعہ امامیہ سے تھے۔ اور ۵۶۶ھ میں بغداد آئے اور عرصہ تک وہاں مقیم رہے انہوں نے احادیث ائمہ اپنے دادا محمد بن موسیٰ سے یاد کی تھیں اور بغداد میں بیان کرتے تھے پھر اپنے اصلی وطن کو واپس گئے اور ۵۷۰ھ کے تھوڑے عرصہ بعد وفات پائی۔

طالقان

طالقان قزوین صاحب معجم کہتے ہیں کہ یہ دو شہروں کا نام ہے ایک خراسان میں ہے اور دوسرا قزوین و ابہر کے درمیان ہے اور وہ چند گاؤں ہیں جن کا نام طالقان ہے وہاں کے بزرگوں میں سے صاحب بن عباد مشہور ہیں اور انکے والد عباد ابن العاص بن عباد ابو الحسن طالقانی ہیں اہل طالقان ہمیشہ سے محبان اہلبیت ہیں اور بہت سی احادیث طالقان اور اہل طالقان کی

مدح میں وارد ہیں چنانچہ احوال جناب صاحب الزماں علیہ السلام میں صاحب کشف الغمہ
نے لکھا ہے کہ اعثم کوفی نے کتاب الفتوح میں امیر المومنین علیہ السلام سے روایت
کی ہے کہ خوشا حال طالقان کا وہاں خدا کے خزانے ہیں جو سونے و چاندی کے
نہیں ہیں بلکہ وہاں حرمان مومنین ہیں جو خدا کو کما حقہ پہچانتے ہیں اور وہ مہدی آخر الزمان
علیہ السلام کے انصار ہونگے۔

جیلان

ایک ملک ہے یہاں بڑے اونچے اونچے پہاڑ اور بڑی گہری کھائیاں ہیں۔
اور جنگلوں میں درخت اس کثرت سے ہیں کہ مسافر کو گذرنا مشکل ہوتا ہے اور یہ
ملک دو قسمتوں پر منقسم ہے ایک قسمت کا نام لاہجان اور دوسری کا نام رشت
ہے قسمت لاہجان معہ اپنے گرد و نواح کے زمانہ قدیم سے مسکن سادات رفیع الدرجات
ہے جنکا ذکر مجلس سلاطین اہل ایمان میں آوے گا اور وہاں کے باشندے
ناصر الحق کے زمانہ سے جنہوں نے انکو دین اسلام کی ہدایت کی تھی بادشاہ
صاحب قران مغفور کے زمانہ تک زیدی اور جارودی تھے۔ بعد ازاں وہاں کے
بادشاہ معہ اکثر اہل لاہجان کے شیعہ امامیہ ہو گئے۔
فقہائے امامیہ نے اپنی کتب فقہیہ کی کتاب وقف میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص
مطلق مسلمانان پر وقف کرے تو وہ وقف محض شیعہ اثنا عشریہ کیلئے ہوگا اور
اگر خدانخواستہ انمیں سے کوئی نہ ہو تو باقی فرق امامیہ کیلئے قرار پائیگا اور اگر انمیں
سے بھی کوئی نہ ہو تو فرقہ جارودیہ کیلئے ہوگا۔ اور اگر وہ بھی نہ ہوں تو باقی فرقہائے
زیدیہ کیلئے ہوگا اور باقی فرقہائے زیدیہ اور اہلسنت اس حکم میں برابر ہیں۔

ویلمان

جیلان کے نواح میں واقع ہے اور سلاطین و امراے لاہجان خراب فصلوں میں تبدیل آب وہوا کیلئے یہیں آتے ہیں وہاں کے لوگ جب سے مسلمان ہوئے ابتک مذہب امامیہ رکھتے ہیں اور خاندان رسالت کی محبت انکی لوح دل پر نقش ہوگئی جس زمانہ میں ناصر الحق نے اہل جیلان کو مسلمان کیا اہل ویلمان بسبب قزوین کے قرب کے اور بسبب وہانکے امرا کے کہ جو اکثر سنی المذہب تھے تقیہ کرتے تھے ناصر الحق کو یہی گمان ہوا کہ یہ لوگ سنی ہیں اور ویلمان کی طرف لشکر کشی کی اور نوبت جنگ کی آئی جب شنکول نے جو امیر ویلمان تھا ناصر کے لشکریوں سے ایسی باتیں سنیں کہ جن سے معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ ہمکو سنی سمجھ کر لڑ رہے ہیں تو اسنے اپنے مذہب جعفری پر ہونے کا اعلان کیا اور ناصر سے امان کا خواستگار ہوا ناصر نے کہا کہ اگر اس سے پہلے تم نے اپنا مذہب ظاہر کر دیا ہوتا تو میں تمسے تعرض ہی نہ کرتا لیکن اب چونکہ لڑائی چھڑ چکی ہے اور لڑائی کی صورت میرے موافق ہے لہذا تم میرے پاس چلے آؤ اور میری اطاعت قبول کر لو تو البتہ نجات پا سکتے ہو شنکول نے اسطرح اپنے کو سپرد کر دینا مصلحت کے موافق نہ دیکھا اور جنگ کرتا رہا یہانتک کہ قتل ہو گیا تب باقی اہل ویلمان نے امان چاہی اور ناصر کے مطیع ہو گئے

طبرستان

بفتح اول و دوم و کسر را صاحب معجم کہتے ہیں کہ یہ ایک بڑا صوبہ ہے جسمیں بہت سے شہر ہیں اور یہ نام ان سب پر شامل ہے اور اس ملک میں بہت سے علما اور فقہا

اور اُدبا پیدا ہوئے اور یہاں کے مشہور شہروں میں ۔ دہستان و جرجان ۔ استرآباد
اور آمل ہیں اور آمل یہاں کے سلاطین کا پایہ تخت تھا اسکے علاوہ ساری اور نیالوش
بھی بڑے شہر ہیں اور بعضوں نے جرجان کو بلاد خراسان میں شامل کیا ہے اور
طبرستان کو مازندران میں ملادیا ہے اور اس ملک کے طبرستان کہنے کی کئی وجہیں
بیان کی گئی ہیں لیکن وجہ صحیح کہ جو وہانکے حالات سے بھی ظاہر ہے یہ ہے کہ ان
لوگوں میں جدال و قتال کا رواج بہت تھا اور ہمیشہ تبر (آلہ) سے لڑا کرتے تھے
یہانتک کہ ہر چھوٹے اور بڑے امیر و فقیر ابتک ایک تبر ہاتھ میں لئے رہتے ہیں اسوجہ
سے اسکا نام تبرستان ہوگیا اور عربی میں اسکی تے طا سے بدل گئی ۔ اور حسن بن
زید اور محمد بن زید آمل میں رہتے تھے اور آمل کے دیہاتوں میں سے ارم خاست
اعلیٰ اور ارم خاست ادنی اور تہروان جنبھک اور نامیہ طمیس بہت مشہور ہیں اور
کتاب ابانہ میں کہ جو علامہ زیدیہ نے کی تصنیف سے ہے لکھا ہے کہ رود سفید کے کنارے
سے لیکر جرجان تک طبرستان کہا جاتا ہے اور رود سفید کے اس طرف قومس تک
جیلان کی حد ہے اکثر اہل طبرستان شیعہ تھے اور وہاں کے بعض شہروں میں
مثل آمل کے کبھی سُنی نہیں ہوا جیسا کہ اسکے بعد مذکور ہوگا ۔

حکایت ہے کہ ایک مازندرانی کا گذر اہل سُنت کے شہر میں ہوا وہاں مجبوراً بیچارے
کو تقیہ کرنا پڑا اس نے ایک مسجد کے باہر بول و براز کیا اور آبدست نہیں لیا اسکے
بعد وضو کیا اور وضو کرنے کے بعد پانوں دھوئے اور اہلسنت کی طرح سے مسح کیا
اور پھر انہیں کے ساتھ ہاتھ باندھکر نماز جماعت پڑھی لیکن چونکہ بیچارے کو وضو اور
نماز اہلسنت کے طریقہ پر پڑھنے کی عادت نہ تھی ان لوگوں نے جانا کہ یا تو یہ جاہل
ہے یا رافضی ہے آخرکار اسکو رافضی قرار دیکر کے مواخذہ کرنا شروع کیا وہ بیچارہ
یہ حال دیکھ کر کہنے لگا کہ سبحان اللہ میں نے پاخانہ پھرکر آبدست بھی نہیں لیا وضو میں

پاؤں دھوئے ہاتھ باندھکر نماز پڑھی مجھسے بھی بڑھ کر کے سنّی تو پھر کتّا ہوگا

آمُل

صاحب معجم کہتے ہیں کہ آمُل بضم میم بہت بڑا شہر ہے اور وہاں جانمازیں اور کمل بہت اچھے بنے جاتے ہیں اور ابتدائے اسلام میں وہاں سے دو ہزار سوار مسلح نکل سکتے تھے اور بہت سے علماء وہاں پیدا ہوئے ہیں جو طبری کہلاتے ہیں اور انکی نسبت غیر طبرستان کی طرف کمتر دی جاتی ہے۔

اور ابوجعفر محمد بن جریر طبری صاحب تفسیر و تاریخ مشہور ہیں کے رہنے والے تھے۔ اور اسی طرح سے ابوبکر محمد بن عباس خوارزمی کی اصل بھی آمُل ہی سے ہے۔ اور ابوجعفر طبری کو اپنا ماموں سمجھتے تھے چنانچہ اپنے نسب کے بارہ میں عربی اشعار کہے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے :-

"میری ولادت گاہ آمُل ہے اور بنو جریر میرے ماموں ہیں اور آدمی اپنے ماموں سے مشابہ ہوا کرتا ہے پس آگاہ ہو کہ میں رافضی ہوں بذریعہ میراث کے اور دوسرا اگر رافضی ہوگا تو اپنی ذات سے ہوگا"

لیکن اسنے اپنی نسبت جو ابوجعفر کی طرف جوڑی ہے یہ جھوٹ ہے اسلئے کہ ابوجعفر رافضی نہ تھے لیکن حنبلی لوگ انکو حسد سے رافضی کہا کرتے ہیں۔ اور خوارزمی مذکور بالا اعلان صحابہ پر لعن کیا کرتے تھے بلکہ اپنے رافضی ہونے پر فخر کرتے تھے چونکہ ابوجعفر بن جریر کی طرف اپنی نسبت دینا اپنی مصلحت کے موافق جانتے تھے لہذا اپنے ساتھ انکو بھی رافضی کہا درحالیکہ وہ رافضی نہ تھے۔ مولف کہتا ہے کہ خوارزمی اس قول میں کاذب نہیں ہے انہوں نے جو بنو جریر کو اپنا ماموں کہا اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ محمد بن جریر طبری صاحب تاریخ و تفسیر ہی کو مراد لیا ہو کہ جو فقہاء

شافعیہ میں سے تھے بلکہ مراد ابن جریر طبری متکلم ہیں جو اکابر متکلمان امامیہ میں سے ہیں اور شیخ علامہ جمال الدین حسن بن مطہر حلی نے اپنی کتاب خلاصۃ الرجال میں انکو زمرۂ مقبولان میں شمار کیا ہے اور انکی تصنیفات میں کتاب مُسترشد اور کتاب ایضاح موجود ہیں اور تحقیق علماء رجال کی یہ ہے کہ صاحب تفسیر و تاریخ محمد بن جریر بن غالب طبری ہے اور اُسکا آملی الاصل ہونا نہیں معلوم اسلیئے کہ آملی الاصل کا سُنی ہونا نادر بات ہے۔ اور صاحب کتاب مُسترشد و ایضاح محمد بن جریر بن رستم طبری ہیں اُنکا مولد آمل تھا اور ایسی غلطی کرنا کوئی بات نہیں ہے جو صاحب معجم نے کی چنانچہ خواجہ ملا صاعدی اصفہانی نے شرح کشف الحق و نہج الصدق میں اس قسم کی غلطی کی ہے۔

ساری

بالکل بادشاہان طبرستان کا دار السلطنت ہے اہل ساری سب شیعہ امامیہ ہیں اور محبت اہلبیت اُنکے جسموں میں خون کی طرح ساری ہے اور ان کی لوح دل الفت اغیار کے نقوش سے خالی و عاری ہے۔

آرم

صاحب معجم کہتے ہیں کہ بضم اول و فتح دوم بوزن زُفر یا بسکون دوم ایک شہر ہے نواحی طبرستان میں اور ساری سے بہت قریب ہے وہاں کے رہنے والے شیعہ ہیں اور کتاب نقض میں شیخ عبدالجلیل رازی نے اہل آرم و ساری کے تشیع کے حالات لکھے ہیں جسکا جی چاہے دیکھ لے۔

جُرجان

اسکو استر آباد بھی کہتے ہیں صاحب معجم نے کہا ہے کہ بضم اول دنون در آخر درمیان طبرستان و خراسان ایک بہت بڑا شہر ہے اور بعضوں نے اسکو خراسان میں شمار کیا ہے اور بعضے طبرستان میں داخل جانتے ہیں اور کہا ہے کہ اسکا پہلا بانی زید بن مہلب بن ابی صفرہ تھا اور جُرجان میں پانی کی کثرت ہے اور قریئے اور قابل زراعت زمینیں بے شمار ہیں۔ زمین مشرق میں عراق کے بعد جرجان سے بہتر جامعیت حسن و خوبی وغیرہ کے لحاظ سے کوئی خطہ نہیں ہے اور باوجود برف پڑنے کے طرح طرح کے میوے پیدا ہوتے ہیں وہاں کے لوگ حلم و اخلاق و مروت سے آراستہ ہیں اور بہت بڑے بڑے صاحبان حیا و سخاوت وہاں پیدا ہوئے ہیں منجملہ انکے عمر کی ہیں جو مامون عباسی کے مصاحب تھے لیکن وہاں کی آب و ہوا میں بڑا اختلاف رہتا ہے یعنی کبھی سخت سردی اور کبھی شدید گرمی چنانچہ صاحب بن عباد نے اس ہوا کی مذمت میں چند شعر عربی کہے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے:۔

اے جرجان ہم تیری ہوا سے بہت خوف زدہ اور بے چین ہیں کبھی تو گرمی کے سبب سے ہماری جلدیں پختہ ہونے لگتی ہیں پس اگر شمالی ہوا چلنے لگی تو سردی کے سبب سے منجمد ہو جاتی ہیں مثل اس معشوق عربدہ جو کے جو وعدہ وصل کر کے پھر کچھ موانع پیش کر دیتا ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اہل جُرجان مذہب تشیع میں مشہور ہیں اور انکا رسوخ مذہب مذکور میں معروف ہے چنانچہ ملا جامی علیہ ما علیہ نقل کرتے ہیں کہ مجھسے ایک دن ایک مسافر سے ملاقات ہوئی میں نے پوچھا تو کون ہے اسنے کہا کہ سید طالب علم اور استرابادی

ہوں میں نے کہا کہ کلام میں اختصار کرنا چاہیئے تو صرف کافر مطلق کہدیتا تو کافی تھا
اس حکایت سے ملا جامی کا تعصب کہ وہ شیعوں کو کافر سمجھتے تھے اگرچہ وہ سید بھی
ہوں ظاہر ہو رہا ہے اور نیز یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ استر آبادی کا نام سنکر ہر سنی
سمجھ لیتا تھا کہ شیعہ ہوگا۔

کتاب کشف الغمہ میں قطب راوندی سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے اُستاد جعفر بن
شریف جرجانی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں ایک سال حج کو گیا تھا
اثنائے راہ میں مقام سر من رای میں وارد ہوا اور خدمت حضرت امام حسن عسکری
علیہ السلام میں پہونچا میرے دوستوں نے کچھ مال میرے ہمراہ بھیجا تھا کہ میں حضرت تک
پہونچادوں میں نے ارادہ کیا کہ اب اس مال کے بارہ میں کچھ ذکر چھیڑوں کہ حضرت نے
میرے دل کا حال جان لیا اور فرمایا کہ اس مال کو میرے خادم مبارک کے سپرد کرو
میں نے عرض کی کہ شیعیان جرجان نے حضور کی خدمت میں سلام عرض کیا ہے
بعد اسکے حضرت نے فرمایا کہ جب حج سے فارغ ہوگے تو کیا مکان واپس جاؤ گے؟
میں نے عرض کیا ہاں! حضرت نے ارشاد فرمایا کہ آج سے ایک سو اکانوے روز کے
بعد ربیع الآخر کی تیسری تاریخ اول روز جمعہ جرجان پہونچو گے اور جب وہاں پہونچنا تو میرے
شیعوں کو خبر دیدینا کہ میں بھی اسی روز آخر میں جرجان آؤنگا اسکے بعد فرمایا کہ جا خدا
تجھے اور جو کچھ تیرے ساتھ ہے اسکو سلامتی کے ساتھ مکان تک پہونچادے اور تیرے
بیٹے شریف کے یہاں ایک بیٹا پیدا ہوگا اسکا نام صلت رکھنا کہ وہ درجہ کمال کو
پہونچے گا اور ہمارے اولیاء میں سے ہوگا۔ میں نے عرض کی اے فرزند رسولؐ
ابراہیم بن اسمٰعیل خلجی جو آپ کے شیعوں میں ہے اور آپکے شیعوں کے ساتھ بہت مروت
و احسان کا برتاؤ کرتا رہتا ہے اور ہر سال چھ ہزار درہم سے زیادہ فقرائے شیعہ پر صرف
کرتا ہے اسکے کوئی اولاد نہیں ہے حضرت نے فرمایا کہ خدا نے اسکے احسان کو قبول کر لیا

اور اسکے گناہونکو بخشدیا اور اُسکو ایک صحیح الخلقت لڑکا جو ناصر دین حق ہو عطا فرمایا
تم اس سے کہدینا کہ حسن بن علی علیہ السلام نے پیام دیا ہے کہ اپنے بیٹے کا نام
احمد رکہو"

اسکے بعد میں حضرت سے رخصت ہوکر حج کو روانہ ہوا اور آپکی دعا کی برکت سے
خداوند عالم نے مجھے صحیح وسالم رکھا یہانتک کہ بموجب حضرت کی خبر کے اول روز جمعہ
اسی تاریخ جرجان پہونچا جب لوگ مجھسے ملنے اور مبارکباد دینے کیلئے آئے تو میں
نے امام علیہ السلام کے وعدہ کی خوشخبری انکو دی کہ آج ہی حضرت بھی تشریف
لاوینگے اپنی حاجتیں اور مسائل مشکلہ یاد کر رکھو۔ جب وہ لوگ نماز ظہرین پڑھ چکے
تو سب کے سب میرے گھر میں جمع ہوئے کہ یکایک حضرت تشریف لاتے ہوئے
دکھائی دئے اور قبل اسکے کہ ہم لوگ سلام کریں آپ نے خود ہی ہم لوگوں پر سلام کیا
پس ہم لوگ دوڑے اور آپکے ہاتھوں کو بوسہ دیا حضرت نے ان لوگوں سے فرمایا
کہ میں نے جعفر بن شریف سے وعدہ کیا تھا کہ آج کے دن آخر روز تمھارے پاس آؤں
میں نماز ظہر و عصر سُر من رئ میں پڑھکر تمہارے پاس آیا ہوں کہ تمسے تجدید عہد کروں
جلدی اپنی حاجتوں اور مسئلوں کو میرے سامنے پیش کرو پس منجملہ سب سے پہلے نضر بن جابر
نے اپنی حاجت عرض کی کہ میرا بیٹا جسکا نام جابر ہے نابینا ہوگیا ہے میں چاہتا ہوں
کہ آپ دعا کریں تاکہ آپکی دعا کی برکت سے بینا ہو جاوے حضرت نے اس لڑکے کو
اپنے پاس بلایا اور دست مبارک اسکی آنکھوں پر پھیر دیا فوراً آنکھیں اچھی ہوگئیں۔
اسکے بعد سب لوگ اپنی حاجتیں اور مسائل پیش کرتے اور پوچھتے رہے حضرت جواب
دیتے رہے اور سب کی حاجتیں آپنے پوری کیں اور آخر میں دعاے خیر دیکر آپ اسی
روز واپس تشریف لیگئے واقعی یہ بزرگی اہل جرجان کی ایسی ہے کہ اگر اسکے سبب سے
اہل قم و کاشان سے اپنے کو بہتر سمجھیں یا اہل مشہد و سبزوار پر افتخار کریں تو بجا ہے

رستمدار

ایک خطہ ہے نہایت مشہور وہاں کی آب و ہوا نہایت خوشگوار اور درختان میوہ دار بے شمار اور وہاں کے قلعے بلند استوار اور وہاں کے پہاڑ بھی نہایت اونچے اور شاندار ہیں کہ وہم کا ہاتھ بھی جنکے دامنوں تک نہیں پہونچ سکتا اور پائے خیال انکی راہوں سے نہیں گزر سکتا وہاں کے لوگ جرأت و شجاعت میں مثل رستم کے مشہور اور بنور تشیع انکی پیشانیاں پُرنور اور دل محبت اہل بیت سے معمور ہیں۔ وہاں کے متاخرین فضلا ہیں مولانا محمد بن فخرالدین علی رستمداری ہیں جو مشہد مقدس میں روضہ منورہ کے خادم تھے اور اس آستان ملائک پاسبان کے بعض مدرسوں میں درس بھی کرتے تھے اور جس زمانہ میں عبداللہ خان اوزبک نے مشہد مقدس کا محاصرہ کیا تھا ایک شخص نے فقہائے مشہد مقدس سے ایک خط خان مذکور کے پاس بھیجا جسکا حاصل مضمون یہ تھا کہ :-

جناب خان و اہل لشکر کس دلیل و برہان سے مشہد مقدس کا محاصرہ کیئے ہوئے ہیں اور کس دلیل سے وہاں کے لوگوں کا برباد کرنا حلال جانا ہے حالانکہ اسمیں اکثر لوگ ذریت پیغمبر خدا میں سے ہیں اور کس دلیل سے جان و مال و زراعت کا لوٹنا اور تاراج کرنا اور اوقاف سرکار فیض آثار امام ہمام علیہ السلام کا برباد کرنا جائز سمجھا ہے ؟

جب یہ خط خان مذکور کو پہونچا تو اس نے فاضل ماوراء النہری کو جو ملازم رکاب تھا دیا اسلئے کہ اس نے جواز قتل و غارت اہل مشہد پر فتوی دیا تھا خان مذکور نے کہا کہ اس خط کا جواب لکھو! فاضل مذکور نے بہت سے دلائل فاسدہ جواز قتل و غارت اہل مشہد مقدس پر تحریر کرکے وہ خط بھیجدیا جب وہ خط مولانا محمد رستمداری

مذکور نے دیکھا تو ایک نامہ نامی فاضل موصوف کے نام لکھا جسمیں انکی تمام دلیلوں
کو رد کردیا جب وہ تحریرِ خان مذکور کے پاس پہونچی تو اسنے پھر فاضل ماورار النہری کے حوالہ کیا
اور حکم دیا کہ اسکا جواب لکھو لیکن جب اُس نے اپنے کو جواب لکھنے سے عاجز پایا تو
خان سے کہا کہ ان لوگوں سے گفت وشنید کرنا موجب ضعف اعتقاد دوسرونکے لئے ہوتا ہے
لہذا اس خط میں جو آیات قرآنیہ لکھی ہوئی ہیں انکو قینچی سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا جاوے اور
باقی خط سب کے سامنے جلا دیا جاوے اور کہدیا جاوے کہ ان لوگوں کی باتیں
قابل جواب نہیں ہیں آخر ایسا ہی کیا گیا۔ مولف بنظر فائدہ مومنین کے جواب
فاضل ماورار النہری کو اور جواب الجواب مولانا ممدوح کو نقل کرتا ہے :۔

ترجمہ جواب فاضل ماورار النہری بجانب اہل مشہد مقدس

کسی مومن عالم پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد
رسول اللہ کہنے والونکے جان ومال کو قتل وغارت کرنا کسی طرح سے جائز نہیں
ہے جبتک اُس سے ایسے افعال اور اقوال نہ سرزد ہوں کہ جو انکے کفر کا باعث
ہوجائیں اور جب وہ بزرگونکے طریقہ پر اور ائمہ اثنا عشر کے قاعدہ پر عمل کرتے رہیں
اُسوقت تک وہ مسلمان سمجھے جاسکتے ہیں لیکن جب وہ صرف کلمہ طیبہ تو زبان سے
پڑھ لیں لیکن مذہب اہل سنت وجماعت اور طریقہ علمار متقین کو بالکل چھوڑ دیں
شیعہ شنیعہ کے طریقہ کا اظہار کریں اور حضرات شیخین ذوی النورین اور بعض
ازواج طاہرات پر سب وشتم اور لعن کریں جو موجب کفر ہے تو ایسے وقت میں
بادشاہ اسلام بلکہ تمام اہل اسلام پر اسکا قتل وغارت کرنا واجب ولازم ہے۔
اور انکے مکانات کو منہدم کردینا اور انکا مال لے لینا جائز ومباح ہے اور اگر بادشاہ
زماں اور خلیفہ دوراں دام اقبالہ ایسے جہاد میں جو باجماع علمار واجب ہے اور
جناب رسالتمآب اور اصحاب کرام اور اولاد عظام کے طریقہ کے موافق ہے باوجود

استطاعت وقدرت کے تساہل اور کاہلی کو دخل دیں تو روز قیامت خدا کے سامنے کیا جواب دیں؟ جسکے متعلق خداوند عالم فرماتا ہے۔ وَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِینَ اُرْسِلَ اِلَیْھِمْ یعنی "ہم سوال کرینگے ان لوگوں سے کہ جنکی طرف رسول بھیجا گیا ہے" اور اسکے علاوہ بہت سی آیتیں وارد ہیں اور کسی عاقل پر جو اپنی عقل پر عمل کرے اور آیات واحادیث میں غور کرے مخفی نہیں رہ سکتا کہ جن لوگوں نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ کی صحبت اور آپکی متابعت اور خدمت کا شرف حاصل کیا اور آپکے ساتھ جہاد کیا وہ یقیناً مستحق جنت ہیں خصوصاً وہ لوگ جو آیہ کریمہ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ میں داخل ہیں۔ جسکا ظاہری ترجمہ یہ ہے کہ خدا مومنین سے راضی ہوا جسوقت کہ وہ تیری بیعت کر رہے ہیں درخت کے نیچے اور اسمیں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرات شیخین رسول اللہ کی صحبت اور سسرالی قرابت داری سے مشرف وفیضیاب تھے اور صدیق اعظم کو خداوند عالم نے کلام قدیم میں صاحب کے لقب سے یاد فرمایا ہے اور کہا کہ "اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ" یعنی جب اپنے صاحب سے (حضرت رسول خدا صلعم) کہہ رہے تھے کہ رنج نہ کر اور بموجب آیہ شریفہ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی یعنی ہمارے رسول اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتا اسکا کلام صرف وحی ہوتی ہے جو اسکی طرف بھیجی جاتی ہے۔ تمام افعال واقوال آنحضرت صلعم کے حکم خدا کے موافق ہیں اور حضرت شیخین کی تعظیم وتوقیر فرماتے تھے اور ہر ایک کی مدح میں بہت سی احادیث وارد ہیں پس جو انکے کمال کا منکر ہو وہ یقیناً کامل گمراہ ہے اور در حقیقت منکر قرآن اور رسول خدا کا تکذیب کرنے والا ہے اور جو انکا معتقد ہے وہ شیخین کا بھی معتقد ہوگا اسلیے کہ خدا فرماتا ہے کہ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ یعنی کہدو اے رسولؐ کہ اگر تم لوگ خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو تا خدا بھی تمہیں

دوست رکھے گا اور تمھاری مغفرت کریگا پس جس شخص نے شیخین کی تعظیم و تکریم کرنے میں رسول کی پیروی نہ کی اسکو نہ خدا دوست رکھیگا اور نہ اسکی مغفرت فرمائیگا علاوہ بریں امیرالمومنین علی علیہ السلام کی شجاعت محتاج بیان نہیں ہے لیکن انھوں نے بھی تمام خلقت کے ساتھ شیخین سے بیعت کی پس جو لوگ شیخین کو برا کہتے ہیں وہ اگر غور کریں تو ان کی سمجھ میں آوے کہ درحقیقت شیخین کا برا کہنا علیؑ کو برا کہنا ہے اسی طرح سے حضرت عائشہ صدیقہ کا برا کہنا کہ جو یقیناً رسول اللہ کی زوجہ اور محبوبہ تھیں کیونکر جائز بلکہ اسکا سننا کیونکر مباح ہو سکتا ہے اسلیئے کہ کلام مجید میں ہے اَلْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ ۝ یعنے خبیثہ عورتیں خبیث مردوں کے لیئے ہیں اور خبیث مرد خبیثہ عورتوں کے لیئے ہیں اور سیعنے پاک و پاکیزہ عورتیں پاک و پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاک و پاکیزہ مرد پاک و پاکیزہ عورتوں کے لیئے۔ پس غور کرنا چاہیے کہ عائشہ کو خبیثہ کہنا کسکے خبث کہنے کی طرف اشارہ کرتا ہے اگر کسی کمینہ بازاری آدمی کی عورت کو ایسی باتیں کہی جائیں جو شیعہ حضرت صدیقہ کو کہتے ہیں تو وہ کسقدر ناراض ہو گا چہ جائے کہ جناب خیرالبشر کی زوجہ کے متعلق ایسی بےادبی کرنا نعوذ باللہ من ذالک اور اگر تم میں سے بعض لوگ عذر کریں کہ ہم لوگ ایسی باتیں نہیں کرتے ہیں تو کم سے کم اتنا ضرور ہے کہ تم ان باتوں کو سنتے ہو اور منع نہیں کرتے ہو۔ پس تم بھی انہیں لوگوں کے حکم میں داخل ہو اور یہ جو تمنے لکھا ہے کہ حکم آیہ :-

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ۔ یعنی آپس میں اپنے اموال کو باطل کے ساتھ نہ کھاؤ۔ و بموجب حدیث لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ اِلَّا عَنْ طِيْبِ نَفْسِهٖ یعنی کسی مرد مسلمان کا مال بغیر اسکی خوشی خاطر سے حلال کیئے حلال نہیں ہو سکتا تو مشہد مقدس کی زراعتوں اور محصولات کو تباہ و برباد کرنا کیونکر جائز ہو گا اسکا جواب یہ ہے

کہ آیت و حدیث میں مومن اور مسلم کے مال کی تخصیص ہے اور شیعہ شنیعہ کے حرکات جو ہمارے پاس اخبار متواترہ سے ثابت ہو چکے ہیں ایسے ہیں جنہوں نے انکو دائرہ ایمان واسلام سے باہر کر دیا ہے ۔ اور یہ آیت بنا بر اپنے مفہوم مخالف کے جسکو بعض علمار نے اعتبار کیا ہے اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ غیر مومنین مسلمین کا مال تباہ و برباد کرنا جائز ہے اور کفار کے باغات اور زراعتوں کا ویران کر دینا اور جلا ڈالنا مباح ہے اور کسی کو اسمیں اختلاف نہیں ہے ۔ اور ایسے گروہ سے لڑنا جو بادشاہ اسلام اور خلیفہ کی اطاعت سے باہر ہو گئے ہوں اور بعد بیعت کرنے کے مخالفت کی ہو باجماع علمار جائز ہے اگرچہ وہ کلمہ گو اور مسلمان ہیں اور دلیل اس پر جہاد اسد اللہ الغالب علیؑ ابن ابیطالب کا ہے جو انہوں نے اپنی خلافت کے زمانہ میں کیا اور اُسی قبیل سے یہ لڑائی بھی ہے جو عالی حضرت خاقانی نے بعض مسلمانوں کے مقابلہ میں لڑی ہے ۔ اور یہ جو تمنے لکھا ہے کہ مشہد مقدس کے اطراف کے باغات اور زراعتیں سرکار مزار فائض الانوار کیلئے وقف ہیں جنکو حضرت خاقانی کے آبا واجداد نے وقف کیا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ ملک دار الحرب ہے اور لشکر اسلام کے نزدیک موقوفات معینہ و ممتاز نہیں ہیں لہذا انکا حکم بھی مثل اور باغات و زراعات کے ہے اور اگر بالفرض وہ پہچان بھی لیے جائیں تو انکا مصرف مسلمانوں پر ہونا چاہیے اور جب انکا مصرف مسلمانوں پر نہیں ہوتا تو خلیفہ کیلئے جائز ہے کہ غازیان لشکر اسلام کیلئے حلال کر دے اور یہ جو تمنے لکھا ہے کہ یہاں کے اکثر رہنے والے ذریت پیغمبر سے ہیں تو شاید تمنے آیہ انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح کو نہیں سنا ؟ اور یہ تمہارا لکھنا کہ یہاں سب صالح لوگ رہتے ہیں غلط ہے اسلئے کہ صلاح اسلام کی فرع ہے جب تم مسلمان ہی نہیں تو صالح کیونکر ہو سکتے ہو اور یہ جو تمنے لکھا ہے کہ تم لوگ مکہ و مدینہ اور شام کے علما کی صحبتوں میں بیٹھ چکے ہو اور علمار نے تمکو اچھا کہا ہے اسکو ہم تسلیم نہیں کرتے یہ شعر تمہارے حسب حال ہے :۔

ہر کہ اُو روے بہ بہبود نہ داشت دیدن روے نبی سود نہ داشت

اور اگر یہ مان بھی لیں کہ علمار نے تمکو اچھا کہا تھا تو بسبب تمہارے عقیدۂ فاسدہ کے نہ جاننے کے کہا ہوگا اور یہ جو تمنے لکھا ہے کہ ماہ رجب ماہ ہاے حرام میں سے ہے جنمیں لڑائی جائز نہیں ہے اسکا جواب یہ ہے کہ حرمت ماہ ہاے حرام کی بنا بر احادیث صحیحۂ مشہورہ کے منسوخ ہو گئی۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے بعض غزوات انہیں مہینوں میں فرمائے ہیں اور جو تمنے یہ لکھا ہے کہ آیہ شریفہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ منجملہ ان آیتوں کے ہے جنکے معنی ظاہر ہیں یعنی نہیں پیدا کیا میں نے جن وانس کو مگر اس لئے کہ میری عبادت کریں یہ صحیح ہے لیکن اسمیں کوئی شبہہ نہیں ہے کہ کفار سے جہاد کرنا بڑی عبادتوں میں سے ہے تف ہے ا ایسے لوگوں پر جو عبادت کو چھوڑ کر بزرگوں کو برا بھلا کہیں اور اسکو اپنے لئے باعث ثواب و مغفرت سمجھیں حالانکہ شیطان پر لعنت کرنا جسکی تصریح ملعونیت موجود ہے خالی از ثواب ہے اور تعجب ہے کہ باوجود ایسے لوگوں کے موجود ہونے کے جو ظاہر آیات و احادیث کے معنی سمجھ سکتے ہیں جیسا کہ ترجمہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے پھر بھی اس مذہب باطل سے روگردانی نہیں کرتے اور ائمہ اثنا عشر کا طریقہ نہیں اختیار کرتے اور اگر بعض گمراہ کرنے والوں نے بعض بزرگوں یا ائمہ پر افترا کیا ہے اور تمہارے عقاید کو تقویت دی ہے تو اپنے رئیس اللہ کو بھیجدو کہ وہ ملازمانِ شاہی سے مناظرہ کرے تاکہ مذہب حق سب پر ظاہر ہو جاوے۔ والسلام علی من اتبع الھدی۔

ترجمہ جواب الجواب جو مولانا محمد رستمداری نے تحریر فرمایا ہے:۔

حضرت عالی کی راے حکمت آرا پر مخفی نہ رہے کہ جناب سید المرسلین نے بنا بر کتب اہل سنت و شیعہ کے اپنی امت کو کتاب خدا اور عترت طاہرہ کی پیروی کا حکم دیا ہے اور یہ حقیر

امام الجن والانس حضرت ابوالحسن علی بن موسیٰ الرضا کے حرم محترم کا خادم ہے اور جو عزتیں اس حقیر کو برکت روح مطہر آنحضرت سے حاصل ہوئی ہیں انکا بیان کرنا اس خط میں مناسب نہیں ہے نہ مجھے قزلباش سے محبت ہے نہ اوزبک سے عداوت ہیں نے کتاب خدا اور احادیث جناب رسول خدا پر غور کیا ہے اور جو عقائد مجھے صحیح معلوم ہوئے انہیں کو اختیار کیا ہے لہذا یہ چند کلمے جو محض بنظر انصاف میں نے لکھے ہیں امیدوار رہوں کہ حضرت عالی مقدار کی نظر سے گذر جائیں جو شخص صاحب تمیز و انصاف ہوگا وہ حق و باطل میں فرق کرسکتا ہے اور بعض ماوراء النہر کے طالب علموں سے سُنا گیا ہے کہ آپکے وزیر ان دونوں صفتوں سے آراستہ ہیں اور علماء ماوراء النہر کی جو تعریفیں انہوں نے بیان کیں وہ ہمارے نزدیک پایہ ثبوت کو نہیں پہونچی ہیں اسلئے کہ ہمارے فضلاء میں سے کوئی اونکی صحبت سے مشرف نہیں ہوا ہے۔ اور ان علماء اہل سنت نے حضور والا کے دل میں ڈالدیا ہے کہ مذہب شیعہ ایک نوایجاد اور باطل مذہب ہے اسکی کوئی اصلیت نہیں ہے حضور والا اگر بعد تحقیق حال فریقین کے کسی مذہب کے اختیار کرنے کا حکم دیں تو یقیناً بحکم کلام الملوک ملوک الکلام آپ کے امر کا امتثال کیا جائیگا یوں تو شیعہ و سُنی دونوں مذہبوں میں کثرت سے کتابیں اور احادیث موجود ہیں لیکن جو احادیث متفق علیہ دونوں فرقوں کی ہیں وہ قابل اعتبار ہیں اور عقل و احتیاط کا مقتضا یہ ہے کہ انہیں پر عمل کیا جاوے اور حدیث مختلف فیہ کے مخالف ہونے سے متفق علیہ کو ترک نہ کیا جاوے اہل اسلام کے یہ دو بڑے فرقے ہیں جو لوگ حضرت ابوبکر کو رسول اللہ کا خلیفہ بلا فصل جانتے ہیں وہ سُنی ہیں اور جو علی بن ابیطالب علیہ السلام کو خلیفہ بلا فصل جانتے ہیں وہ شیعہ ہیں ان دونوں قولوں کے سوا تیسرا قول اسلام میں نہیں ہے پس جو چیز فریقین کی متفق علیہ ہو اسکے مقابلہ میں مختلف فیہ کو اختیار نہ کرنا چاہیئے پس یہ حقیر اس تمہید کے

بعد عرض کرتا ہے کہ حضور والا نے جو تحریر فرمایا ہے کہ شیعہ آل پیغمبر کے چند دلائل کی رو سے کافر ہیں اور پہلی دلیل یہ ہے کہ حضرت پیغمبر خدا صلعم نے خلفائے ثلاثہ کی تعریف فرمائی ہے اور بموجب آیہ کریمہ وما ینطق عن الھوی کلام رسول عین وحی ہے اور شیعہ جو خلفاء کی مذمت کرتے ہیں وہ وحی کے مخالف ہے اور وحی کی مخالفت کفر ہے جواب اس کا یہ ہے:-

اس سے دلیل خلافت خلفاء ثلاثہ کی باطل ہوئی جاتی ہے اور انکا نقص ظاہر ہو رہا ہے اسلئے کہ بہت بڑے بڑے علمائے اہل سنت نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنے مرض الموت میں ارشاد فرمایا کہ :- "ایتونی بقرطاس اکتب لکم شیئاً لا تضلوا بعدی" یعنی مجھے ایک کاغذ دو میں تمہارے لئے ایسی چیز لکھ دوں کہ میرے بعد گمراہ نہ ہو- لیکن عمر اس پر راضی نہ ہوئے اور کہا کہ :- "ان الرجل غلبۃ الوجع وعندنا کتاب اللہ حسبنا" یعنی یقیناً اس مرد پر درد و غالب آگیا ہے اور ہمارے پاس کتاب خدا ہے جو ہمیں کافی ہے

اس پر صحابہ میں اختلاف ہوا اور شور و غل ہونے لگا یہاں تک رسول اللہ صلعم ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میرے سامنے سے اٹھ جاؤ میرے پاس جھگڑنا نہ چاہیئے اور یہ صحیح بخاری کے اوائل ہی میں ہے اور بہت سی اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہے- اسکے علاوہ دوسری مخالفت اسکے بعد کی گئی کہ جب حضرت پیغمبر صلعم نے ایک جماعت کو مقرر کیا کہ اسامہ کے ساتھ سفر پر جائیں اور بعض وہاں سے پلٹ کر چلے آئے حضرت نے پھر کر حکم دیا کہ "جھزوا جیش اسامہ لعن اللہ من تخلف عنہ" یعنی جیش اسامہ کا ساتھ دو خدا لعنت کرے اس پر جو اسکے لشکر سے پلٹ آئے- لیکن باوجود اسکے پیرِ متابعت نہیں کی-

اب میں عرض کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلعم نے جو کاغذ مانگا تھا وہ مطابق وحی تھا اور حضرت

عمر کی مخالفت وحی صریح ہے اور جیسا کہ آپ نے خود اعتراف کیا ہے مخالفت وحی کفر ہے چنانچہ خداوند نے یہی فرمایا ہے وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۔ یعنی جو شخص موافق اسکے جو خدا نے نازل کیا ہے حکم نہ کرے تو وہی لوگ کفار ہیں۔ اور کافر یقیناً خلافت پیغمبر صلعم کے قابل نہیں ہے اور جب حضرت عمر کی عدم قابلیت آپ ہی کی دلیل سے ثابت ہوگئی تو ابوبکر و عثمان بھی خلیفہ نہیں ہوسکتے اسلیئے کہ خرق اجماع مرکب لازم آتا ہے یعنی ایک ایسی بات اختیار کرنا پڑتی ہے جسکا اہل اسلام میں سے کوئی فرقہ قائل نہیں ہے اسلیئے کہ مسلمین میں کوئی گروہ ایسا نہیں ہے کہ جو عمر کو خلیفہ نہ جانتا ہو اور ان دونوں کو مانتا ہو کیونکہ بعض فرقے ایسے ہیں جو تینوں کو خلیفہ جانتے ہیں انکا قول تو آپ ہی کی دلیل سے باطل ہوا جاتا ہے کہ عمر قابل خلافت نہیں ہیں لہذا دوسرا فرقہ اسلام کا جو تینوں کو خلیفہ نہیں جانتا ہے اسی کا قول اختیار کیجئے ورنہ تمام اہل اسلام کے مخالف عقیدہ آپکو اختیار کرنا پڑے گا اور یہی خرق اجماع مرکب ہے جو بنا بر مذہب فریقین کے ناجائز ہے۔ پھر جیش اسامہ سے پلٹ آنا جو مقتضائے دلیل مذکور کفر ہے یہ تینوں خلفاء کیلئے کتب معتبرہ اہل سنت سے ثابت ہے لہذا تینوں قابل خلافت نہ رہے اور انہیں دونوں دلیلوں سے مذہب شیعہ کی حقیت بہت سے وجوہ سے ثابت ہوتی ہے جنکی تفصیل کی اس خط میں گنجایش نہیں ہے۔ اور حضور والا نے اپنے خط میں اسکا بھی اعتراف کیا ہے کہ فعل آنحضرت صلعم وحی ہے اور واقعاً بھی ایسا ہی ہے بس ہم عرض کرتے ہیں کہ پیغمبر صلعم کا مروان کو مدینہ سے نکالنا یقیناً وحی ہے اور عثمان کا انکو مدینہ بلا لینا اور تمام امور کا انکے سپرد کر دینا اور انکی تعظیم کرنا یقیناً مخالف وحی اور کفر ہے دو دلیلوں سے پہلی دلیل تو وہی ہے جسکا خود آپ نے ذکر کیا اور دوسری دلیل قول خداوند عالم کا بجد قوماً يؤمنون بالله واليوم الآخر يوادون من حاد الله ورسوله و

لو کانوا اباءھم و اخوانھم و عشیرتھم۔ یعنی اے رسولؐ تم خدا اور روز قیامت پر
ایمان لانے والوں میں ایسوں کو نہ پاؤ گے جو دوست رکھیں ان لوگوں کو جنہوں نے
خدا و رسولؐ سے دشمنی کی ہے۔ اگرچہ وہ انکے باپ بھائی اور خاندانی ہی لوگ کیوں نہ ہوں
اور عثمان نے مروان کے ساتھہ دوستی کی۔ لہذا وہ مومنین باللہ والیوم الآخر یعنی خدا و قیامت
پر ایمان لانے والوں میں سے خارج ہو گئے اور ایسا شخص خلیفہ رسول نہیں ہو سکتا
علاوہ بریں مذہب حق کی حقیت پر کثرت سے دلائل ہیں لیکن مثل مشہور ہے کہ بوسہ
بہ پیام نہیں ہو سکتا اگر ملازمت حاصل ہو تو عرض کروں لیکن بشرطیکہ مناظرہ دلائل علمیہ سے
ہو نہ جوتی اور لکڑی اور تلوار سے۔ اور یہ خلفائے ثلاثہ میں جو روایتیں ہیں وہ متفق علیہ
اہل اسلام نہیں ہیں اسلئے کہ کتب شیعہ میں انکا پتہ بھی نہیں ہے اور حدیثیں خلفائے ثلاثہ
کی مذمت میں وارد ہیں وہ متفق علیہ اہل اسلام ہیں اور علمائے اہل سنت نے خود اسکا
اعتراف کیا ہے کہ بہت سی حدیثیں لوگوں نے بنالی ہیں پس ایسی صورت میں متفق علیہ
کو چھوڑ کر مختلف فیہ پر عمل کرنا درحالیکہ اسمیں احتمال وضع کا بھی ہے کیا کسی عاقل کا فعل
ہو سکتا ہے اور اسلئے نہیں ہو سکتا کہ مختلف فیہ سے اختلاف کرنا یقیناً موجب کفر
نہیں ہے چنانچہ مجتہدین میں اختلاف ہوا ہی کرتا ہے اور متفق علیہ سے اختلاف کرنا
یقیناً مخالف وحی اور کفر ہے پس کون مسلمان اسکو گوارا کر سکتا ہے کہ باوجود دعوائے اسلام
بعض عبادات اسلامیہ بجالانے کے فی الحقیقت کافروں میں محسوب ہو۔ اور جناب پیغمبر خدا
صلعم کی نسبت یہ خیال کہ آپ خلفاء کی تعظیم و تکریم کرتے تھے اگر صحیح بھی مان لیا جائے
تو یہ تعظیم آپکی قبل صدور مخالفت کے تھی اور انکی عاقبت بخیر ہونے پر دلالت نہیں کرتی
اسلئے کہ معصیت صادر ہونے سے قبل سزا نہیں دیجایا کرتی چنانچہ حضرت امیرالمومنین نے
ابن ملجم کے متعلق خبر دی تھی کہ یہ میرا قاتل ہے لیکن اسکو سزا نہیں دی اور اگر خلفاء کے کسی خاص
فعل کی تعریف میں کوئی آیت یا حدیث ہو بھی تو اس سے بھی انکے انجام کا اچھا ہونا نہیں

ثابت ہوتا کیونکہ اچھے فعل کی اسلیئے تعریف کیجاتی ہے تاکہ آیندہ بھی اسکو رغبت ہو اور آیندہ بھی ایسے افعال بجالاتا رہے مثلاً اگر آقا اپنے غلام کو مزاج داں بنانے کے لیئے اسکی معمولی خدمتوں پر بھی تعریف کردیا کرتا ہے اور کہدیا کرتا ہے کہ ہم تم سے بہت راضی اور خوش ہوئے تاکہ یہ آیندہ بھی ایسی ہی خدمتیں کرتا رہے لیکن اگر وہ غلام اسکے بعد ہمیشہ آقا کی مخالفت ہی کرے اور اسکے جاری کیئے ہوئے نظام ہی کو اُلٹ دے تو کیا سابق زمانہ کی رضا اور خوشنودی اس غلام کے کوئی کام آسکتی ہے؟

یہی جواب ہے حضور والا کی دوسری دلیل کا جو آپ نے فرمایا ہے کہ آیہ کریمہ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (جسکا ترجمہ سابق میں ہو چکا ہے) جسمیں خلفائے ثلاثہ بھی شامل ہیں لہٰذا ان پر لعن کرنا اور سب و شتم کرنا موجب کفر ہے۔ علاوہ بریں دوسرا جواب یہ ہے کہ الفاظ آیت مثل کلمہ اِذْ کے جو معہ اپنے مابعد کے زمانہ مخصوص کو ظاہر کرتا ہے اس امر پر دال ہیں کہ خدا کی رضامندی محض اس فعل بیعت سے جو اسوقت زیر درخت کیا جارہا تھا متعلق تھی۔ اور اس سے ہمکو انکار نہیں ہے کہ جناب رسول خدا صلعم کی صحبت و ہدایت اور رُعب کی وجہ سے اِن لوگوں سے بھی کبھی اچھے کام ہو گئے ہیں جو خداوند عالم کی مرضی کے مطابق تھے لہٰذا اس نے اپنی رضامندی کا اظہار فرما دیا مومنین کے اس فعل سے ہم راضی ہوئے لیکن اسکے بعد جو افعال قبیحہ ان سے سرزد ہوئے اور جو مخالفتیں انہوں نے رسول خدا صلعم اور وحی خداوندی کے ساتھ کیں اور جو عہد انہوں نے امر خلافت کے بارہ میں روز غدیر خم کیا تھا اور بیعت کی تھی اسکو توڑ دیا اور نص پیغمبر خدا صلعم کو جو خلافت کے بارہ میں وارد ہوا تھا پس پشت ڈالدیا اور خلافت غصب کرلی اور جناب فاطمہ علیہا السلام کو آزردہ کردیا جیسا کہ صحیح بخاری اور مسلم میں موجود ہے اور تتمہ عبارت صحیح مذکور کا یہ ہے:-

فَغَضِبَتْ فَاطِمَۃُ فَھَجَرَتْ عَنْہُ وَلَمْ تَتَکَلَّمْ مِنْہُ حَتّٰی مَاتَتْ یعنی آزردہ ہوئیں

جناب فاطمہؑ پس چلی آئیں اس کے پاس سے اور مرتے دم تک اس سے بات نہیں کی۔ اور اس حقیر نے یہ عبارت خود صحیح مذکور میں اپنی آنکھ سے دیکھی ہے۔ اور پھر صحیح بخاری میں باب مناقب جناب فاطمہ علیہا السلام میں یہ بھی مذکور ہے کہ مَنْ اَغْضَبَهَا فَقَدْ اَغْضَبَنِیْ یعنی جو انہیں غصہ میں لایا وہ مجھے غصہ میں لایا۔

اور کتاب مشکوٰۃ کے باب مناقب میں جناب رسالتمآب صلعم سے منقول ہے کہ مَنْ اٰذَاهَا فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہ یعنی جس نے فاطمہ کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے اذیت دی اسنے خدا کو اذیت دی

اور کلام مجید میں یہ آیت موجود ہے :- اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ یعنی جو لوگ خدا اور رسول کو ایذا دیتے ہیں خدا اُن پر دنیا و آخرت میں لعنت کرتا ہے پس اگر بندگانِ خدا نے بھی ایسا کیا تو کیا برائی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ انہیں افعال ذمیمہ اور رسول اللہ صلعم کی مخالفت اور رسول کا حکم نہ ماننے اور لشکر اسامہ سے پلٹ آنے وغیرہ کے سبب سے یہ لوگ مستحق ملامت ہو گئے اسلئے کہ باوجود مخالفت پیغمبر صلعم کے عاقبت بخیر نہیں ہو سکتی۔

تیسری دلیل خصور والا کی یہ ہے کہ خداوند عالم نے ابوبکر کو صاحب پیغمبر کہا ہے اور صاحب پیغمبر قابلِ مذمت و لعنت نہیں ہو سکتا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ خداوند عالم نے دوسرے مقام پر کہا ہے :- قَالَ لِصَاحِبِہٖ وَھُوَ یُحَاوِرُہٗ اَکَفَرْتَ الخ یعنی کہا اسنے اپنے صاحب سے درحالیکہ وہ اس سے بحث رہا تھا کہ آیا تو کافر ہوا۔ ایسے خدا کے ساتھ جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے اور پھر تجھے ایک پورا مرد بنا دیا۔

اس آیت میں خود اس بات پر دلالت ہے کہ یہ باتیں مومن و کافر کے درمیان میں ہو رہی تھیں اور خداوند عالم نے کافر کو مومن کا صاحب ارشاد فرمایا ہے علاوہ بریں جناب یوسف کی زبانی کلام مجید میں موجود ہے - یَا صَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ

القهار ۔ یعنی اے میرے قید خانہ کے صاحبو؟ آیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا خدائے واحد قہار اس آیت سے خود ظاہر ہے کہ وہ لوگ بہت سے خداؤں کے قائل تھے باوجود اس کے حضرت یوسف ؑ نے جو پیغمبر تھے انکو اپنا صاحب کہا ۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ صرف صاحب ہونا یعنی ساتھی حضرت کا ہونا خوبی کی دلیل نہیں ہے اور آپکے قلم سے تو خود بخود نکل گیا ہے کہ ؎

ہر کرا او روے بہ بہبود نداشت ۔ دیدن روے نبی سود نداشت

لیکن تعجب ہے کہ جو حضرات کلام مجید کے دقائق سمجھنے کے مدعی ہیں انہوں نے اس شعر میں بجائے "ہر کرا" کے "ہر کہ او" لکھا اور شعر کو دو لغت کر کے ملا جامی کی روح کو ناراض کیا لیکن چونکہ تمام اہل خراسان اور انکے (بھوت) مکانات تباہ و برباد ہوئے تو ملا ندکو بھی اہل خراسان ہی سے تھے اگر انکی ایک بیت خراب ہو گئی تو کوئی حرج نہیں ہے مثل مشہور ہے :۔

"مرگ انبوہ جشنے دارد"

لیکن اتنا التماس ہے کہ محض الفاظ کے ظاہری معنوں کو دیکھ کر بغیر غور و خوض کئے ہوئے استدلال نہ فرمائیں تو بہتر ہے ۔

"چوتھی دلیل جو آپنے تحریر فرمائی ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے باوجود کمال شجاعت کے خلفائے ثلاثہ کی بیعت میں شرکت کی اور لوگوں کو انکی بیعت سے منع نہ کیا یہ بیعت کے حق ہونیکی دلیل ہے نہیں تو حضرت علی علیہ السلام کی دیانت میں نقص آتا ہے ۔"

اسکا جواب یہ ہے کہ قبل اسکے کہ حضرت امیر علیہ السلام جناب پیغمبر خدا صلعم کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوں خلفائے ثلاثہ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں معہ اکثر اصحاب کے ابوبکر کی بیعت کر لی جسکی تفصیل لکھنے کا یہاں محل نہیں ہے اور جب حضرت امیر علیہ السلام کو اطلاع ہوئی تو آپ بسبب اپنے ساتھیوں کی کمی بخوف ہلاکت اہل حق اور دیگر وجوہ کے آمادہ جنگ نہیں ہوئے اور یہ امر بیعت کے حق ہونے پر دلالت نہیں کرتا اسلئے کہ حضرت امیر علیہ السلام باوجود اپنی عام شجاعت

وقوت کے رسول اللہ صلعم سے بڑھکر نہ تھے۔ جب خود رسول اللہ صلعم نے باوجود اسکے کہ حضرت امیر علیہ السلام سا ایسا شجاع اور بہت سے اصحاب آپکے معین تھے کفار سے جنگ نہ کی اور مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے پھر دوبارہ بقصد مکہ تشریف لئے جاتے تھے اور مقام حدیبیہ پر کفار مانع ہوئے تب بھی حضرت نے جنگ نہ کی اور صلح کر کے مدینہ واپس چلے آئے۔ پس جبکہ پیغمبر خدا صلعم ایسے شجاع نے باوجود کثرت صحابہ کے جنگ نہ فرمائی تو حضرت امیر علیہ السلام کا تنہا یا معہ معدودے چند اشخاص کے جنگ نہ کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اور کفار قریش کا خلاف حق ہونا بھی اظہر من الشمس ہے بلکہ خود خداوند عالم نے اپنے بندگان گنہگار کو بمصلحت مہلت دی ہے۔ چنانچہ فرعون نے جو دعوائے خدائی کرتا تھا چار سَو برس تک سلطنت کی اور شداد و نمرود وغیرہ نے بھی سالہا سال یہ دعوائے باطل کیا۔ لیکن خداوند عالم نے باوجود کمال قدرت کے انکو ہلاک نہ کر دیا یہانتک کہ بہت سے لوگ اسی عقیدۂ باطل پر مر گئے اور جب خدائے قادر و قہار کا یہ فعل قابل اعتراض نہیں ہو سکتا تو بندہ کا صبر کرنا اور ظاہری مجبوریوں کو خیال کر کے ساکت رہنا بالکل محل تعجب نہیں ہے۔ اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے خود انکے ساتھ بیعت کر لی اسکو ہم تسلیم نہیں کرتے اور ہماری کتابوں میں کہیں اسکا ثبوت نہیں ہے بلکہ آپکی کتابوں میں بھی اسکے خلاف واقعات موجود ہیں کہ حضرت اپنی آخر عمر تک خلافت خلفائے ثلاثہ سے راضی نہ تھے۔ چنانچہ اپنی خلافت کے زمانہ میں بھی خطبہ شقشقیہ میں اسکا صاف صاف اظہار فرمایا ہے۔

غرضکہ شارح عقائد نسفی نے جو اہل سنت کے علمائے اعلام میں سے ہیں سب شیخین کے موجب کفر ہونے میں اشکال کیا ہے اور صاحب جامع اصول نے شیعوں کو اسلامی فرقوں میں شمار کیا ہے اور صاحب مواقف نے بھی اسی پر عمل کیا ہے اور جن لوگوں نے شیعوں کی تکفیر کی ہے انکے دلائل رد کیا ہے اور محمد غزالی کے نزدیک سب شیخین کفر نہیں ہے اور شیخ اشعری نے شیعوں کو بلکہ تمام اہل قبلہ کو مسلم قرار دیا ہے پس آپ حضرات نے

تکفیر شیعہ کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا وہ نہ تو مطابق قرآن وحدیث ہے اور نہ موافق طریقہ علمائے اہل سنت ہے باوجود اسکے کہ مفہوم تشیع کا وہی ہے جو ابتدائے خط میں لکھا جاچکا شیعہ اگر خلفائے ثلاثہ کے نام کبھی اپنی زبان پر نہ لائے لیکن امیر المومنین علی علیہ السلام کو خلیفہ بلا فصل جانتا ہو جب بھی وہ شیعہ ہے اسکی ضرورت نہیں ہے کہ نام بنام خلفاء پر تبرا کرے اور اگر بعض جاہل شیعہ اسکو شرط مذہب جانتے ہوں تو انکا قول معتبر نہیں ہے جسطرح سے کہ جہلائے اہلسنت وجوب قتل شیعہ کا حکم دیتے ہیں درحالیکہ یہ حکم تمام دلائل کے خلاف ہے قَالَ الشَّیخ بن سینا مَنْ تَعَوَّدَ اَنْ یُّصَدِّقَ مِنْ غَیْرِ دَلِیلٍ فَقَدِ انْسَلَخَ عَنِ الفِطْرَۃِ الْاِنْسَانِیَّہ یعنی شیخ بن سینا نے کہا ہے کہ جو شخص بغیر دلیل کے کسی قول کی تصدیق کا عادی ہوجائے تو فطرت انسانی سے خارج ہے۔

اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ جو شخص بعض حکایتوں کو سنے اور منع نہ کرے تو وہ کافر ہے اس پر نہ تو کوئی عقلی دلیل ہے نہ شرعی۔

اور عائشہ کے متعلق جو آپ نے لکھا ہے کہ شیعہ ان کے متعلق کلمات فحش استعمال کرتے ہیں یہ بالکل غلط ہے فحش کا استعمال ہمارے نزدیک مطلقاً جائز نہیں ہے چہ جائیکہ حرم پیغمبرؐ کی نسبت!

البتہ چونکہ عائشہ نے حکم خدا کے خلاف کیا اور وَقَرْنَ فِی بُیُوتِکُنَّ (اپنے گھروں میں قرار لو) پر عمل نہ کیا اور بصرہ میں آکر حضرت علی علیہ السلام سے جنگ کی حالانکہ حدیث حَربُکَ حَربِی (یعنی اے علیؑ تمہاری جنگ میری جنگ ہے) فریقین کے نزدیک صحیح ہے اس سبب سے عائشہ کا شمار مقبولان پروردگار میں نہیں ہوسکتا اسلئے کہ انہوں نے گویا پیغمبرؐ سے جنگ کی اگرچہ یہ کہا جاتا ہے کہ بعد کو انہوں نے توبہ کرلی تھی لیکن توبہ کی خبر ایک خبر واحد ہے اور جنگ کا واقعہ یقینیات میں سے ہے۔ چالیس ہزار مسلمان اس جنگ میں

قتل ہوئے انکا خون کس کی گردن پہ رہے گا؟ اور اگر بفرض محال یہ توبہ انکی مقبول
بھی سمجھی جائے تو پھر اسکے بعد وہ اپنی عداوت سے باز نہیں آئیں اور فرزند رسولؐ
امام حسن علیہ السلام کی نعش کو پیغمبرؐ کے روضہ میں دفن نہ ہونے دیا اور پھر گھر چھوڑ کر
خچر کی سواری پر باہر آئیں اور حضرت کی لاش پر تیر چلانے کا حکم دیا جنمیں سے کئی تیر
جسدِ مبارک تک پہونچ گئے تھے اسکے بعد توبہ کرنے کی خبر تو کہیں آپکی کتابوں میں بھی
نہیں پائی جاتی اور آیہ کریمہ الخبیثات للخبیثین کے یہ معنی ہی نہیں ہیں جو آپ نے
لکھے ہیں ورنہ وہ دوسری آیات کے خلاف ہوجائے چنانچہ خود کلام مجید میں حضرت نوحؑ
اور حضرت لوطؑ کی ازواج کا ذکر بمذمت فرمایا ہے اگریہی ہو کہ زوجہ کے بُرے ہونے سے
شوہر کی مذمت ہوتی ہو تو گویا خداوند عالم نے حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی مذمت
فرمائی درحالیکہ وہ انبیاء معصومین میں سے تھے اور آسیہ زوجۂ فرعون کے صاحبِ
ایمان ہونے کا ذکر کلام مجید میں موجود ہے اس بناء پر لازم آتا ہے کہ فرعون بھی مومنین
کاملین میں سے ہو اس سے ظاہر ہو گیا کہ آیہ الخبیثات للخبیثین سے شوہر اور زوجہ مراد
نہیں ہیں۔ بلکہ اسکے معنی ہی کچھ اور ہیں۔ اور سادات عظام کی تکفیر کے متعلق جو آپ
نے تحریر فرمایا ہے درانحالیکہ سادات اولاد جناب رسالت مآب صلعم ہیں یہ نہایت محل تعجب ہے
کہ آپ زوجۂ رسولؐ کو باوجود انکے تمام گناہونکے محض زوجیت کے سبب سے قابل مدح سمجھتے
ہیں اور فرزندانِ رسولؐ کو باوجودیکہ انکا کوئی گناہ نہیں ثابت ہوا کافر جانتے ہیں
اگر سادات کا آپ نے کوئی گناہ ثابت کیا ہے تو وہ اتنا کہ وہ ایسے لوگوں کو جنکو اپنے
علم میں دشمن رسول سمجھتے ہیں خلیفۂ رسولؐ نہیں سمجھتے۔

بڑے حیرت کا مقام ہے کہ زوجۂ رسولؐ تو باوجود نص قرآنی وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ اور حدیث
مقبولۂ فریقین یا علیؑ حربک حربی کی مخالفت کرنے اور چالیس ہزار صحابہ اور تابعین
کے باعث قتل ہونے اور فرزند رسولؐ کی لاش کو روضہ رسولؐ میں دفن ہونے سے

ممانعت کرنے کے قابل ہی رہے اور اولاد حرام بے خطا کافر سمجھی جاوے۔ ان دلائل کا جواب تو ہو چکا اب اگر کوئی اور دلیل آپکے پاس ہو تو ارشاد فرمایئے کہ ہمکو اس سے فائدہ پہونچے بہر حال ہمکو تو انصاف سے غرض ہے۔

اور شیعوں کی کتابوں میں تو یہ لکھا ہوا ہے کہ ایک روز ابن مکتوم نابینا جناب رسول خدا کی خدمت میں حاضر تھے آپکے اہل حرم میں سے کوئی عورت اس طرف سے گذری تو حضرت نے اعتراض فرمایا انہوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ! یہ اندھا ہے حضرت نے فرمایا کہ تم تو نابینا نہیں ہو۔

اور علمائے اہلسنت اپنی کتابوں میں تحریر فرماتے ہیں کہ پیغمبر خدا عائشہ کو اپنے شانے پر سوار کئے ہوئے نامحرموں کا ناچ دکھلاتے تھے اور بہت دیر ناچ دکھلانے کے بعد فرمایا اے حمیرا اب تمھارا جی بھرا؟ خیال تو فرمائیے کہ یہ ایسا فعل ہے کہ کوئی ذلیل آدمی بھی اپنے ازواج کے متعلق اسکو گوارا نہ کرے گا چہ جائے کہ سید المرسلین!

ہمارے نزدیک تو جو اسے سچ سمجھے اسکے کافر ہوتے ہیں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اسلئے کہ ہم بعد ذات باری تعالیٰ کے اور سب سے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ کو افضل و اکمل و اشرف سمجھتے ہیں اور کسی ایسی چیز کا اعتقاد نہیں کر سکتے جو آپ کی جلالت شان کے منافی ہو۔

شعر

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم | کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

اور ماہہائے حرام کی حرمت کے منسوخ ہونے کے متعلق جو آپ نے فرمایا ہے اسکے اوپر کوئی دلیل نہیں ہے کلام مجید میں اسکی حرمت تصریحاً موجود ہے لہٰذا وہی اصل ہے جبتک اسکے خلاف کوئی دلیل معتبر بیان نہ کی جائے قول تنسیخ قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ اور حضرت امیر علیہ السلام کی جنگ جو آپ تحریر فرماتے ہیں کہ بعض ماہہائے حرام میں واقع ہوئی ہے اگر ہم تسلیم بھی کر لیں جب بھی آپکا جواب یہ ہے کہ وہ جنگ ابتدائی نہ تھی بلکہ دشمن کی زیادتی

کا دفاع تھا جو ہر وقت اور ہر حالت میں ضروری اور لازمی ہے بلکہ آپ کی لڑائیاں تو کل ایسی ہی تھیں۔ بہرحال جب کفر شیعہ کا ثابت نہ ہو سکا جیسا کہ اس خط کے مضامین سے ظاہر ہے تو آپ کا قتل کرنا اور ساکنانِ مشہد مقدس کا لوٹنا کیونکر جائز ہوا؟ اور آپ کو اہلِ مشہد کے دلوں کا حال کیونکر معلوم ہوا کہ وہ باوجود دعوائے اسلام کے کافر ہی ہیں بہرحال بادشاہوں کا مزاج تو مثل آگ کے ہوتا ہے لیکن علمائے کرام کو چاہیئے کہ اپنے مواعظ حسنہ سے بادشاہ کے مزاج کو اعتدال پر قائم رکھیں اور آتشِ حرب کو مشتعل نہ ہونے دیں اور بندگانِ خدا کی ہلاکت کے باعث نہ ہوں ورنہ محشر میں کیا جواب دینگے

شعر

چو آتش مشو تند و سرکش مباد	که دود از دلِ مبتلائے برآید

اور کھلی ہوئی بات ہے کہ ایسے ہی فتوے اہل فوج کیلئے بندگانِ خدا کی ہلاکت کرنے کا بہانہ ہو جاتے ہیں لیکن انکا گناہ مفتی ہی کے سر رہتا ہے اور خدا تو اپنے کافر بندوں کو بھی دنیا میں ہلاک نہیں فرماتا بلکہ انبیاء علیہم السلام نے جو بد دعائیں کی ہیں انکو بھی پسند نہیں فرمایا ہے چنانچہ روایت میں وارد ہوا ہے کہ حضرت نوحؑ روز قیامت فکر مند ہونگے اور اسکے اوپر بہت سی احادیث و اخبار دلالت کرتے ہیں کہ جنکی تفصیل کی گنجائش اس خط میں نہیں ہے **بیت**:-

دراں روز کس فعل بر سند و قول	اولوالعزم را دل بلرزد ز ہول
بجائے کہ دہشت خورد انبیاء	تو عذرِ گنہ را چہ داری بیا

خدا ترس تو ایسے ہوتے ہیں جیسے جناب سید ابن طاؤس علیہ الرحمۃ تھے کہ باوجود اپنے اس کمال و استعداد کے مدۃ العمر اجتہاد نہیں کیا کہ مبادا کوئی فتویٰ غلط ہو جائے اور لوگ اس پر عمل کریں۔ خداوند عالم کے اوپر افترا کرنا اور امر غلط کی نسبت دینا اعظم ترین گناہان ہے پس آپکو بھی چاہیئے کہ طریقہ احتیاط کا لحاظ رکھئے اور روز قیامت مظلوموں کے

جواب دینے سے ڈرئے خصوصاً وہ غیر مکلف بچے جنکی طرف ابھی احکام شرعیہ متوجہ بھی نہیں ہوئے ہیں اور جنکے مطلق رُفِعَ الْقَلَمُ عَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰی يَبْلُغَ (یعنی نابالغ بچہ جب تک بالغ نہ ہوجاوے مرفوع القلم ہے) وارد ہے۔ جب روز قیامت اپنے خون کا مطالعہ کرینگے تو انکا کیا جواب دیجئے گا! **شعر**

بجرم عشق مرا گر کشتی چہ خواہی گفت جواب خونِ رقیباں کہ بے گناہ کنند

بہر حال:-

مرا مراد ازیں جملہ نیک خواہی تست وگرنہ زیں ہمہ گستاخیم چہ مقصود است

چونکہ تمام عالم میں فسادات محض دنیاوی اغراض کی جہت سے ہوا کرتے ہیں اسلئے صاحبانِ علم و فضل کو چاہیے کہ اس سے منزہ ہوں۔ بعد مدت کے فاضل ماوراالنہر حوالی مشہد مقدس میں آئے تھے انہیں چاہیے تھا کہ فقرائے مشہد مقدس کو اپنے پاس بلاتے اُن پر مہربانی کرتے۔

اگر فقرار بادشاہ فریدوں جاہ کی خدمت میں جانے کے قابل نہ تھے تو علمار کی خدمت میں تو وہ حاضر ہوسکتے تھے اور انہیں کے ذریعہ سے ممکن تھا کہ بادشاہ تک رسائی ہوسکتی یا بادشاہ کی مہربانیاں اُن سے متعلق ہوسکتیں۔ افسوس ہے کہ بجائے اسکے علمار ہی نے قتل کا فتوی دیدیا۔ بارک اللہ۔ عظم اللہ اجورکم و اصلح امورکم **شعر**

مکن مکن کہ رہ جور را کنارہ نہ باشد مکش بکش کہ پشیماں شوی و چارہ نہ باشد

تُون

صاحب معجم لکھتے ہیں کہ ایک شہر ہے خطہ قہستان خراسان میں قائن کے نزدیک مخفی نرہے کہ اہل **تون** زمانہ قدیم سے شیعہ امامیہ اثنا عشریہ تھے اور اہل قائن اکثر قہستان کے شہر اوائل زمانہ میں شیعہ اسمعیلیہ تھے اور نزاری قہستانی جنہوں نے

اپنا تخلص بعض بادشاہان اسمعیلی کے نام پر رکھا ہے وہیں کے رہنے والے تھے اور خود بھی اسمعیلی تھے لیکن مدت کے بعد علمائے کرام کے مواعظ کی برکت سے مذہب اثنا عشری اختیار کرلیا اور خصوصاً قائن کہ جب سے سید اجل زاہد امیر عبداللہ وہاں تشریف لے گئے مذہب تشیع کی طرف راجع ہوا یہاں تک کہ اب تو تشیع وہاں کے در و دیوار پر چمک رہا ہے

سبزوار

صاحب معجم کہتے ہیں کہ یہ خطہ بیہق کا دار السلطنت ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اسکا دار السلطنت خسروجرد ہے بہر حال وہاں سے بہت کثرت کے ساتھ علماء و فضلاء و فقہاء نکلے ہیں لیکن باوجود اسکے وہاں کو اکثر رہنے والے رفضی المذہب اور غالی ہیں وہاں کے مشہورین میں سے کہ جو متہم برفض ہیں امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی ہیں جن کی تصنیفات بہت مشہور و معروف ہیں یہ کلام صاحب معجم کا تھا اور اس سے پہلے حالات قم میں صاحب معجم کی زبانی وہ قصہ بھی مذکور ہو چکا ہے جو بعینہٖ سبزوار کے بارے میں بھی دوسروں سے نقل کیا ہے یعنی کسی کا ابوبکر نام نہ ہونا اور مولوی روم نے اپنی مثنوی میں سبزوار ہی کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں :-

سبزوار است این جہان بے مدار　　　ما چو بوبکریم دروے خوار و زار

لیکن اس حقیر نے جس زمانہ میں بغرض تحصیل علوم مشہد مقدس میں ساکن تھا۔ وہاں کے بعض معتبرین سے سنا ہے کہ جب کمال الواعظین مولانا حسین کاشفی سبزواری اپنے بعض مصالح دنیویہ کی غرض سے ہرات گئے اور وہاں میر علی شیر کی صحبت میں گرفتار ہوئے اور ملا جامی کے داماد ہوگئے تو اہل سبزوار ان سے بدگمان ہو گئے جب وہ مدتوں کے بعد اپنے وطن میں واپس آئے تو ان لوگوں نے ان کا امتحان لینا شروع کیا چنانچہ ایک روز وہ وعظ کہہ رہے تھے کہ ایک مرد پیر عصا لیکر منبر کے پاس کھڑا ہوا اتفاقاً

مولانا نے بیان کیا کہ جبرئیل جناب رسول خدا صلعم پر بارہ ہزار مرتبہ نازل ہوئے ہیں اس بڈھے نے پوچھا جناب امیر علیہ السلام پر کتنی مرتبہ نازل ہوئے ہیں مولانا کو سخت تردد ہوا کہ کیا جواب دیں اگر کہتے ہیں کہ نازل نہیں ہوئے تو اہل سبزوار انکو سنی سمجھ ہی رہے ہیں وہ بہت بری طرح سے پیش آوینگے اور یہ بڈھا اپنے عصا کو بغیر انکے خون سے رنگے ہوئے نہ چھوڑیگا اور اگر کہتے ہیں کہ نازل ہوئے تو اسکی کوئی روایت انکی نظر میں نہ تھی آخر کار ذہانت سے انہوں نے جواب دیا کہ چوبیس ۲۴۰۰۰ ہزار مرتبہ بڈھے نے کہا کہ میری خوشامد کہہ رہے ہو یا کوئی دلیل بھی ہے ۔ مولانا نے جواب دیا کہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "انا مدینۃ العلم وعلیٌّ بابہا" یعنی میں شہر علم ہوں اور علیؑ اسکے دروازہ ہیں جو شخص شہر میں جائے گا دروازہ سے جائیگا اور پھر جب واپس ہوگا دروازہ ہی سے واپس ہوگا لہذا اگر رسولؐ کی خدمت میں بارہ ہزار مرتبہ گئے تو جناب امیر علیہ السلام کی خدمت میں چوبیس ہزار مرتبہ حاضر ہوئے۔

مترجم کہتا ہے کہ ملا حسین کاشفی مذکور کا تشیعہ ہونا ثابت نہیں ہے بلکہ انکے سنی ہونے کی شہرت بہت زیادہ ہے اور محض سبزواری ہونا شیعہ گری کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

نیشاپور

مشہد مقدس سے دس فرسنخ کے فاصلہ پر واقع ہے اور جناب امام رضا علیہ السلام کئی مرتبہ اس شہر سے گذرے ہیں اور حضرت کے فیض سے تو تشیع وہاں کے در و دیوار پر روشن و تاباں نظر آتا ہے اور بہت علماء و مجتہدین امامیہ وہاں پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے مذہب امامیہ میں بڑی بڑی کتابیں تصنیف کی ہیں کتاب نزہت القلوب میں لکھا ہے کہ پہلے اس شہر کو تہمورث دیو بند نے آباد کیا تھا پھر اردشیر بابکان نے اصلی شہر سے تھوڑی دور علیحدہ ایک شہر آباد کیا اس زمانہ میں اسکا بیٹا شاپور حاکم خراسان

تھا اس نے باپ سے اس شہر کی حکومت بھی طلب کی لیکن اس نے انکار کیا آخر جب خود بادشاہ ہوا تو اسنے اسکو پھر سے آباد کیا اور اسکا نام اپنے نام پر نیشاپور رکھا اور ذوی الاکتاف نے اس شہر کی آبادی میں اور زیادتی کی آخر زمانہ طاہریان تک ملک خراسان کا دار السلطنت بلخ اور مرو رہا کیے لیکن بنی لیث کی سلطنت کے زمانہ میں نیشاپور دار السلطنت ہو گیا ۵۰۶ھ میں یہ شہر زلزلہ کی وجہ سے خراب ہو گیا تب اسکے قریب دوسرا شہر آباد ہو گیا جسکا نام شادجہان رکھا گیا جس کا محیط چھ ہزار نو سو قدم) کا تھا لیکن ۹۷۶ھ میں پھر زلزلہ آیا اور وہ شہر پھر تباہ ہو گیا تب اس شہر کی بنا ہوئی جو اسوقت خراسان کے مشہور شہروں میں سے ہے۔ جو حضرات بادشاہانِ بنی لیث کے عقائد سے واقف ہیں ان پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ ان لوگوں کی سلطنت کے سبب سے نیشاپور میں مذہب شیعہ کا بڑا رواج ہوا چنانچہ مجالس سلاطین میں اس کا ذکر آوے گا انشاء اللہ تعالی۔

مشہد مقدس رضوی

در اصل یہ ایک گانوں تھا سناباد لیکن حضرت کے روضہ مبارک کی وجہ سے تھوڑے ہی دنوں میں خراسان کے بہت بڑے شہروں میں ہو گیا اور شہر طوس جو اس کے قریب ہی تھا بالکل نیست و نابود ہو گیا۔ وہاں کے رہنے والے سادات رفیع الدرجات موسوی و رضوی کثرت سے ہیں انکے علاوہ اور ساکنین بھی سب کے سب دین نبوی اور مذہب مرتضوی کے پیرو ہیں بادشاہ صاحب قرآن مغفور کے زمانہ میں اس شہر کو جو رونق حاصل ہوئی وہ محتاج بیان نہیں ہے حضرت کی زیارت کی فضیلت کے متعلق جو احادیث وارد ہیں وہ بکثرت ہیں اور کتب زیارات میں مذکور ہیں جس کا جی چاہے دیکھ لے۔

سیستان

صاحب معجم کہتے کہ سیستان کا معرب سجستان ہے اور یہ ایک بڑے خطہ کا نام ہے جو ہرات کے جنوب میں واقع ہے وہاں کی اکثر زمین پتھریلی و ریگستانی ہے اور اکثر تیز ہوائیں چلا کرتی ہیں وہانکی چکیاں پانی کے زور سے چلا کرتی ہیں۔ خرمے کی پیداوار بے شمار ہوتی ہے باشندے شجاعت و ہمت میں مشہور ہیں یہانتک کوچہ بازار میں بھی بغیر ہتیار کے راہ نہیں چلتے اور اہل بازار خوش معاملگی میں معروف ہیں خرید و فروخت میں ایک رتی کی کمی نہیں کرتے۔ مظلوموں کی دادرسی اور کمزوروں پر مہربانی کرنے کا خاص طور پر رواج ہے۔

وہاں کے باشندے امر بمعروف کرنے کے ایسے عادی ہیں کہ اگرچہ اسمیں انکو کیسی ہی سختیاں پیش آئیں اور جنگ کرنی پڑے لیکن باز نہیں آتے منجملہ ان لوگوں کے فضائل کے ایک بڑی فضیلت یہ ہے جو ذہبی شامی نے اپنی کتاب میزان میں ذکر کی ہے کہ جب بادشاہان بنی امیہ نے اپنی تمام سلطنت میں حکم دیدیا تھا کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام پر تبرا کہا جاوے تو اہل سیستان نے اس حکم کو قبول نہیں کیا یہانتک کہ اپنے عہدنامہ میں جو بادشاہان بنی امیہ میں سے ہوا یہ شرط بھی داخل کی کہ ہم لوگ حضرت علی علیہ السلام کو برا نہ کہیں گے۔

اگر بنظر غور دیکھا جاے تو یہ شرف انکے لئے بہت کافی ووافی ہے وہاں کے مشاہیر میں سے جریر بن عبد اللہ ہیں جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے اور خلید سجستانی جنہوں نے تاریخ آل محمد علیہم السلام تصنیف کی ہے وہیں کے رہنے والے تھے۔

کشمیر

اشرف الفضلا، مولانا شرف الدین علی ایزدی نے اپنی کتاب ظفر نامہ میں لکھا ہے کہ کشمیر اقلیم چہارم کے درمیان میں واقع ہے اور وہ ایک مستطیل زمین ہے جو ہر طرف اونچے پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے اسکا جنوبی پہاڑ دہلی اور دوسرے بعض شہروں کی طرف ہے اور شمالی پہاڑ بدخشاں کی جانب اور بعض مواضع خراسان کی طرف ہیں اور غربی پہاڑ اُن مقامات سے ملے ہیں جو قوم افغان کے رہنے کی جگہیں ہیں اور شرقی پہاڑ زمین تبت سے متصل ہے اسکے میدان کا طول شرق سے غرب تک قریب چالیس فرسخ کے ہے اور جنوب سے شمال تک قریب بیس فرسخ کے ہے اور اس زمین ہموار پر تقریباً دس ہزار قریہ آباد ہیں اور بہت سے چشمے آب شیریں کے جاری ہیں اور بہت اچھی اچھی سیر گاہیں اور سبزہ زار ہیں اور وہاں کے باشندوں کا بیان ہے کہ زمین ہموار اور کوہستان ملا کر ایک لاکھ موضع ہیں جسمیں زراعت کی جاتی ہے۔ وہاں کی آب و ہوا کی خوبی اس سے ظاہر ہے کہ وہاں کے لوگ نہایت حسین و خوبصورت ہوتے ہیں یہانتک کہ انکی خوبصورتی ضرب المثل ہوگئی ہے اور شعرا نے طرح طرح سے نظم کیا ہے چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے :- رباعی

شاہ ہمہ دلبراں کشمیر توئی — خرم دل آن سیاہ کشمیر توئی
آں حور کہ روح را ستزد کش گویند — کاندر کف پائے نار کشمیر توئی

اور کوہ و دشت کشمیر میں طرح طرح کے اشجار میوہ دار اور اثمار شیریں و خوشگوار پیدا بیشمار ہیں اگرچہ بسبب زیادتی سرما کے میوہ ہائے گرم مثل نارنج و لیمو و خرما وغیرہ کے نہیں پیدا ہوتے لیکن وہ بھی نزدیک کے گرم ملکوں سے لائے جاتے ہیں۔ اس ملک میں ایک شہر ہے جسکا نام نقر ہے جو وہاں کا پایتخت ہے اور مثل دجلہ و بغداد کے ایک بڑا دریا شہر میں جاری ہے اور تعجب یہ ہے کہ اسقدر زیادہ پانی ایک ہی چشمہ سے یہ کر آیا ہے کہ جسکا منبع اس ملک میں ہے اور اہل کشمیر

نے اس دریا پر تقریباً بجاس پل باندھے ہیں جنپر آمدورفت کا راستہ بہت وسیع اور کشادہ ہے تقریباً ساٹھ پل صرف شہر نقر میں ہیں یہ دریا کشمیر سے گزرکر جب اور مقامات پر پہونچتا ہے تو ان مقامات کے لحاظ سے کہیں اسکا نام ندانہ اور کہیں جمنا مشہور ہے اور یہ ملتان کے اوپر سے دریاے چنار میں ملتا ہے اور حدود سندھ میں ہوتیکر بحیرہ عمان میں گرتا ہے یہ خداوندعالم کی صنعتیں ہیں کہ اسنے اتنے بڑے وسیع ملک کے گرد پہاڑونکی شہر پناہ بنادی ہے. تاکہ وہ لوگ دشمنوں کے حملے سے محفوظ رہیں اور غیر قومیں انکے انتظام میں خلل نہ ڈال سکیں. اس ملک سے باہر جانے کے لئے تین بڑے راستے ہیں اول خراسان کی طرف جو ایک نہایت تنگ اور دشوار گذار راہ ہے اس راستے سے چوپائے اسباب لیکر نہیں جا سکتے. دوسرا ہندوستان کی طرف ہے اور وہ بھی ایسا ہی ہے جو لوگ اسباب لیکر جاتے ہیں تو راستہ میں بہت سے مقامات ایسے پیش آتے ہیں جہاں اسباب اپنی پشت پر لادکر چلنا پڑتا ہے اور بڑی مسافت طے کرنیکے بعد چوپایوں پر رکھا جا سکتا ہے. تیسرا راستہ تبت کی طرف ہے وہ اگرچہ ان دونوں راستوں سے وسیع ہے لیکن راہ میں زہریلی گھاس بہت اُگی ہے جسکے سبب سے جانور ہلاک ہوجاتے ہیں اور کوئی قوم اپنی سواریوں کے ساتھ اس طرف سے نہیں گذر سکتی. صاحب معجم البلدان نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں ایک شہر ہے جسکا نام کشمیر ہے وہ شہر ایک طرف قوم ترک سے متصل ہے اور انکی نسل بھی ترکوں سے مخلوط ہوگئی ہے اسی سبب سے وہانکے لوگ خوبصورتی میں بہترین خلق خدا ہیں انکی عورتونکی خوبصورتی ضرب المثل ہے جنکی ایک کنیز دوسو اشرفیونکو بکتی ہے مخفی نہ ہے کہ مذہب اہل کشمیر کے حالات مجھے کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوئے بلکہ میں نے خود جب میرا گذر اس ملک سے ہوا ہے تحقیق کئے ہیں کہ وہانکے رہنے والے نو مسلم ہیں اور ابتک بہت سے باشندے کافر ہی ہیں جب سے سید اجل سید محمد بن سید علی ہمدانی نے اس ملک میں رہنا شروع کیا وہانکے لوگ شیعہ ہونے لگے انکے بعد میر شمس عراقی جو شاہ قاسم نوربخش کے خلفا میں سے تھے کشمیر میں آئے انکے آنے سے مذہب شیعہ کا رواج اور زیادہ ہوا وہانکے اکثر فوجی لوگ مثل

گروہ ڈونا اور گروہ ماکریان اور گروہ دانگر وغیرہ کے کلیۃً شیعہ ہیں اہل شہر میں سے محلہ حسن آباد اور محلہ روبیل کے رہنے والے سب کے سب شیعہ ہیں اسی طرح سے بابا علی کی اولاد جو خلفائے میر شمس میں سے تھے اور انکے مریدوں کا کثیر گروہ شیعہ ہے وہاں کے قصبوں میں سے قصبہ شہاب الدین پورہ بہترین قصبات سے ہے اور وہاں کے رہنے والے بھی سب شیعہ فدائی ہیں۔ وہاں کے پرگنوں میں سے پرگنہ تسو ہے کہ جسمیں دو سو گاؤں ہیں سب کے سب شیعہ ہیں اور دوسرے پرگنوں میں بہت سے متفرق گاؤں ہیں کہ جہاں کے باشندے شیعہ ہیں جنکی تفصیل میں طوالت ہے۔

تبت

کشمیر کے قریب دو ملک ہیں جنکا نام تبت ہے ایک بڑا تبت جہاں کے رہنے والے سب کافر ہیں اور دوسرا چھوٹا سنہ ۸۰۰ھ میں امیر علی ہمدانی تبت میں گئے جو ابتک وہیں ہیں انہوں نے بتوفیق خداوندی تبت کو فتح کر لیا اور وہاں کے بہت سے بت خانہ توڑ ڈالے اور بہت سارے کفار کو قتل کیا اور اموال و خزائن پر قبضہ کیا۔ وہاں کے باشندے جب سے میر شمس مذکور وہاں پہونچے مسلمان ہو گئے اور سب کے سب یعنی حاکم و سپاہی و رعایا مذہب شیعہ اثنا عشری رکھتے ہیں اور تشیع میں اسقدر مضبوط ہیں کہ اگر سنیان کشمیر میں سے کوئی وہاں پہونچ جاتا ہے تو اس سے جزیہ لیتے ہیں اور باوجود اسکے کہ سلطنت ہندوستان کے جوار میں واقع ہیں خطبہ میں نام بادشاہ عالیجاہ ایران کا لیتے ہیں اس ملک میں بھی سرد ملکوں کے تمام میوے پیدا ہوتے ہیں اور مشک بھی بکثرت ہوتا ہے اور سونے اور بلور کی کانیں ہیں۔

واللہ اعلم بحقیقۃ الحال والیہ المرجع والمآل والصلوٰۃ علی رسولہ المفضال وعترتہ خیر عترۃ وآل ما لمع وطلع ہلال +

تمام شد مجلس اوّل

مدتوں سے آرزو تھی دلمیں جسکی آج وہ	گوہر نایاب ہاتھ آیا تو ہاتھ بڑھکر لیجیے
فضل حق سے مجلس اوّل چھپی اے مومنین	قدر اسکی حوصلہ افزائی میری کیجیے

مجلس دوم

اُن قوموں کے حالات میں جو سلک اہل ایمان میں ہیں الاوس والخزرج یہ دونوں انصار کے بڑے قبیلے ہیں جنکا حال بسبب زیادتی اشتہار کے محتاج اظہار نہیں ہے اور تشیع ان دونوں گروہونکا خصوصاً رئیس خزرج سعد بن عبادہ اور انکی اولاد اجداد کی محبت حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ مشہور و معروف ہے ۔ قاضی میر حسین شافعی کہتے ہیں کہ سعید بن جبیر نے روایت کی ہے کہ جب جناب علی مرتضیٰ معاویہ سے لڑنے کیلئے تشریف لے گئے تو آپ کے ساتھ نوے ہزار (۹۰۰۰۰) فوج تھی جنمیں آٹھ سو انصار تھے اور نو سو ایسے لوگ تھے جو بیعت رضواں میں شریک تھے اور حضرت نے اپنے اشعار میں اِن لوگوں کی مدح و ثنا فرمائی ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں :-

الاوس والخزرج القوم الذین ہم اووا فاعطوا فوق ما وھبوا ۔ یعنی قبیلہ اوس و خزرج وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو جگہ دیتے ہیں اور اسقدر عطا کرتے ہیں کہ جتنا اُن خود کو نہیں ملا ہے

بنو حنیف

صحرائی عربوں کا ایک گروہ ہے جو زمانہ رسالت مآب صلعم میں مسلمان ہوگے اور انکے رئیس القوم مالک بن نویرہ تھے جو بادشاہ ہونکے ہم صحبت اور اپنے زمانہ کے بہادروں اور فصیح البیانوں میں مشہور تھے اور جناب رسالت مآب صلعم کی صحبت سے مشرف ہوئے خود اپنی قوم کے محبان اہلبیت میں سے تھے جب مالک نے سُنا کہ لوگوں نے

ابو بکر کو خلیفہ بنایا ہے تو انہیں پسند نہیں آیا وہاں سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اتفاقاً جمعہ کے دن مدینہ میں پہونچے مسجد میں آئے تو یہ دیکھا کہ ابو بکر جناب رسالتمآب کے ممبر پر خطبہ پڑھ رہا ہے پس یہ ابو بکر سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ :- "اے ابو بکر اپنی حد سے نہ بڑھ اور اپنے اوپر ایسا بوجھ نہ لاد جو تجھ سے نہ اُٹھ سکے اپنے گھر میں جا کسی گوشہ میں بیٹھ اور خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ اور حق کو صاحب حق کے سپرد کردے کیا تجھکو خدا سے شرم نہیں معلوم ہوتی؟ کہ تو ایسی جگہ بیٹھا ہے جہاں پر خدا اور رسول صلعم نے دوسرے کو معین کیا ہے کیا تو علی ابن ابی طالب علیہ السلام پر امیر المومنین کے ساتھ سلام کرنا بھول گیا۔"

اسکے بعد مہاجرین و انصار سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ اے مہاجرین و انصار اگر تم حق کو اسکے مرکز اصلی تک نہ پہونچاؤ گے تو بڑی سختی اُٹھاؤ گے۔

جب ابو بکر نے یہ باتیں سُنیں تو کہا خاموش رہ تو سابقین اسلام میں سے نہیں ہے اور تو نے اسلام میں جہاد نہیں کیا ہے۔

مالک نے کہا کہ تمہیں نے کون سا بڑا جہاد کیا ہے جو دوسروں پر طعن کرتے ہو ہمیشہ آل تیم جاہلیت و اسلام میں ذلیل در ذلیل اور دوسری قوموں کے مطیع رہے۔

جب ابو بکر نے یہ باتیں سُنیں تو حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا کہ "اس اعرابی کو یہاں سے نکالدو" لوگ مالک پر ٹوٹ پڑے اور انکو مسجد سے باہر کر دیا۔ لیکن وہ لوگوں کو جب بھی ڈرائے جاتے تھے۔

جب ابو بکر نماز سے فارغ ہوئے اپنے گھر گئے اور خالد بن ولید کو بلا بھیجا۔

خالد و مالک کے درمیان میں زمانہ جاہلیت سے عداوت تھی۔ ابو بکر نے خالد سے کہا کہ جتنے لوگوں کو چاہو اپنے ہمراہ لے جاؤ اور مالک بن نویرہ کو زکوٰۃ نہ دینے کے بہانہ سے قتل کردو اور انکی قوم کو اسیر کرکے لے آؤ اسلئے کہ مجھے ڈر ہے کہ یہ لوگ امر خلافت میں

خلل انداز نہ ہوں پس خالد ایک سو سواروں کے ہمراہ قوم بنی حنیف کے پاس پہونچا لیکن ان سے مقابلہ کی طاقت نہ پائی اسلیئے کہ مالک ایک نہایت مرد دلیر اور شجاع تھے خالد نے کہا کہ میں دوسری جگہ جارہا ہوں تمہارے یہاں بطور مہمان کے وارد ہوا ہوں۔ جب مالک نے یہ سُنا تو اسکی ضیافت اور مہمان داری میں مشغول ہوئے جب سب سوگئے تو خالد تلوار لیکر اُٹھا اور مالک کو فرش خواب پر قتل کرڈالا اور پھر اپنے لشکر کو آواز دی وہ سب کے سب فوراً سوار ہوئے اور اس قوم کو قتل کرنے لگے اور عورتوں اور بچوں کو اسیر کرلیا اور اُنکا مال لوٹ لیا اور خالد نے اسی شب مالک علیہ الرحمہ کی زوجہ کے ساتھ زنا کی۔

چونکہ زمانۂ جاہلیت میں مالک اور عمر ابن الخطاب سے دوستی تھی جب انکے قتل ہونکی خبر عمر کو پہونچی تو وہ مسجد میں آئے خالد اپنے وہی جنگی کپڑے پہنے ہوئے بہت فخر کے ساتھ مسجد میں ٹہل رہا تھا جن کپڑوں پر زرہ کا زنگ جابجا بھرا ہوا تھا عمر نے کہا کہ "اے دشمن خدا ریاکاری سے کام کرتا ہے اور پھر مسجد رسول خدا میں متکبرانہ و مستانہ چلتا ہے؟ حالانکہ تو نے ایک مرد مسلمان پر ظلم کیا اور اسکو دھوکے سے قتل کیا اور اسکی زوجہ کے ساتھ زنا کا مرتکب ہوا۔

خالد کے عمامہ پر بہت سے تیر لگے ہوئے تھے عمر نے ان سب کو نوچ کر پھینکدیا اور اس کو مسجد سے باہر نکالدیا اور کہا اگر مجھے قدرت ہوئی تو میں مالک کے عوض میں تجھکو یقیناً قتل کرونگا۔

خالد مسجد سے روتا ہوا ابوبکر کے پاس آیا اور ماجرا بیان کیا ابوبکر نے عمر کو بُلاکر نصیحت کی کہ خالد کو اس معاملہ میں ملامت نہ کرو اسنے جو کچھ کیا ہے میرے حکم سے کیا ہے اور مصلحت اسی میں تھی۔ عمر نے پھر کچھ نہیں کہا یہانتک کہ جب خود خلیفہ ہوا تو ارادہ کیا کہ خالد کو قتل کردے وہ بھاگ کر شام چلا گیا اور وہیں مرگیا۔

شیخ فاضل محمد بن ابی جمہور نے کتاب جمع الجمع میں دعبل بن علی خزاعی سے روایت کی ہے کہ امام رضا علیہ السلام سے میں نے سنا اور حضرت نے اپنے جد بزرگوار سے اور انہوں نے اپنے جد سے روایت کی ہے کہ ایک روز سب شیعہ کہ جنمیں جابر بن یزید جعفی بھی تھے امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت سے پوچھا کہ آیا آپکے جد بزرگوار علی مرتضیٰ علیہ السلام اول و ثانی کی امامت پر راضی تھے؟ حضرت نے فرمایا کہ نہیں۔ ان لوگوں نے عرض کی کہ پھر خولہ حنفیہ کو جسے ان لوگوں نے اپنے طریقہ سے اسیر کیا تھا کیوں کنیزی میں لیا امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سوال کا جواب جابر انصاری سے پوچھنا چاہئے پس کسی کو بھیجکر انہیں بلا بھیجا اور یہی سوال کیا جابر نے کہا کہ میں اسوقت موجود تھا جب خولہ کو اسیروں کے ساتھ مسجد رسول میں لائے ہیں جب نظر خولہ کی قبر اقدس پر پڑی تو انہوں نے کہا کہ السلام علیک یا رسول اللہ! ان لوگوں نے جو آپ کی امت میں سے ہیں مجھے مثل رومی و دیلمی لوگوں نے اسیر کیا ہے اور میرا کوئی گناہ سوائے آپکے اہلبیت کی محبت کے نہیں ہے پھر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہا "مجھے کیوں اسیر کیا باوجودیکہ میں کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتی ہوں" ابوبکر نے کہا کہ اسوجہ سے کہ تمنے زکوٰۃ نہیں دی خولہ نے جواب دیا کہ اگر مردوں نے ایسا کیا بھی ہو تو عورتوں کا کیا گناہ؟ لیکن باوجود ان سب باتوں کے کسی نے اعتنا نہیں کی اور ان عورتوں کو مثل کنیزوں کے اپنے اوپر حلال قرار دے لیا لیکن حضرت امیرؑ نے خولہ بنت جعفر کو جو مادر محمد حنفیہ ہیں بموجب اس کرامت کے جو کتابوں میں مذکور ہے ان لوگوں سے لے لیا اور انکے ساتھ نکاح کیا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مالک کا قتل ہونا اور انکی قوم اور عورتوں اور بچوں کا اسیر کرنا بسبب منع زکوٰۃ کے نہ تھا بلکہ دراصل بسبب محبت جناب امیر علیہ السلام اور مخالفت خلافت ابوبکر کے تھا جیساکہ پہلے مذکور ہو چکا ہے اور انکے قتل سے اصل مطلب حضرت امیرؑ کے

آعوان و انصار کا کم کرنا تھا چنانچہ بہت سے ایسے گروہ جنپر ابو بکر نے مرتد ہونے کی تہمت رکھی اسلام میں ثابت قدم تھے لیکن ابو بکر کی خلافت سے انکار کرتے تھے اور خلافت اہلبیت رسالت کے طالب تھے چنانچہ احمد بن عاثم کوفی نے جنگ حضرموت کے بارے میں حارث بن سراقہ وغیرہ کے متعلق نقل کیا ہے کہ جب ابو بکر نے مسیلمہ کذاب کے قتل کرنے کے بعد زیاد بن لبید انصاری کو اپنی بیعت لینے کیلئے اہل حضرموت اور اہل کندہ و حنین کے پاس بھیجا تو ان قبیلوں میں سے بعض نے کہ جو مثل اشعث بن قیس کے جو بادشاہان کندہ میں سے تھا خلافت ابو بکر کو قبول نہیں کیا اور کہا کہ جب تمام مسلمان ابو بکر کی خلافت پر متفق ہو جائینگے تو ہم بھی موافقت کرینگے لیکن بعض قبائل نے زیاد بن لبید کی باتوں میں آکر بیعت کرلی کچھ دنوں کے بعد زیاد نے لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ اے مسلمانو صدقات جمع کرو تاکہ صدیق کے پاس بھیجوں اسلیئے کہ وہاں بہت بڑا لشکر ہے جسکے اخراجات بکثرت ہیں اور خداوند عالم نے مرتد لوگوں کو سزا دی ہے۔

لوگوں نے صدقات فراہم کرنا شروع کیئے ایک جوان نے آکر کہا: "میں اپنے اس اونٹ کو دوست رکھتا ہوں اسے نہ لو میں اسکے عوض میں اس سے بہتر اونٹ دونگا لیکن زیاد نے قبول نہیں کیا اس جوان کا نام معاویہ بن یزید مغیری تھا وہ حارث بن سراقہ کے پاس گیا جو وہاں کے روساء میں سے تھے اور کہا کہ آپ زیاد سے میری سفارش کریں کہ وہ اونٹ مجھے واپس دیدے حارث زیاد بن لبید کے پاس آئے اور کہا کہ یہ اونٹ اس جوان کو واپس کردو۔ یہ امر کوئی مشکل نہیں ہے لیکن زیاد نے قبول نہ کیا اور کہا کہ اس اونٹ پر داغ لگایا جا چکا ہے اب اسکا واپس کرنا جائز نہیں ہے حارث کو غصہ آیا اور اس جوان کو اپنے ہمراہ لیئے ہوئے اونٹوں کے پاس گئے اور کہا کہ اپنا اونٹ کھول لو! اور میرے سامنے اپنے گھر چلے جاؤ! اگر اس بارے میں کوئی

کوئی دخل دیگا تو میں اسکا مغز، سرناک کے راستہ سے گرادونگا ہم لوگ خدا کے حکم سے اسکے رسول صلعم کے مطیع تھے لیکن انکو خدا نے بلا لیا اگر انکے اہلبیت میں سے کوئی انکی جگہ پر ہوتا تو ہم انکی اطاعت کرتے ابو قحافہ کے بیٹے کو کیا حق ہے کہ وہ ہم پر حکومت کرے اسکو ہم سے کیا مطلب؟ اور اسی مضمون میں ایک شعر بھی کہا:۔ کہ جسمیں محبت اہلبیت کا اقرار اور ابو بکر سے بیزاری کا اظہار کیا تھا وہ شعر لکھکر زیاد کے پاس بھیجدیا۔ زیاد یہ حالت دیکھکر نہایت خوف زدہ ہوا اور مع اپنے ساتھیوں کے مدینہ کی راہ لی وہاں سے دو منزل جانے کے بعد کچھ اشعار لکھکر حارث کے پاس بھیجے جسمیں اسکو ڈرایا تھا۔ پھر زیاد وہاں سے قبیلہ بنی زبیدہ میں گیا اور بنی کندہ کی شکایت کی اور ابو بکر کی اطاعت کی طرف رغبت دلائی۔ ان لوگوں نے بھی کہا کہ اے زیاد! تو ہم لوگوں کو ایسے شخص کی اطاعت کیطرف کیوں بلاتا ہے جسکے بارہ میں پیغمبر صلعم نے کوئی وصیت نہیں کی زیاد نے کہا کہ یہ سچ ہے لیکن تمام مسلمانوں نے اسکو پسند کرلیا ہے ان لوگوں نے جواب دیا کہ اگر اجتہاد ہی پر دارومدار تھا تو اہلبیت رسول صلعم کو درمیان سے کیوں نکالدیا اسلیئے کہ یہ حق انہیں کا تھا جیسا خداوند عالم نے فرمایا ہے:۔

"واولو الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب الله" یعنی کتاب خدا میں بعض قرابت دار وارث ہونے میں اولی ہیں۔

زیاد نے کہا کہ مہاجر و انصار امر شریعت میں تمسے زیادہ واقف ہیں ان لوگوں نے کہا کہ:۔ "خدا کی قسم ان لوگوں نے حسد کیا اور مستحق سے حق غصب کرلیا ہمیں یقین ہے کہ رسول اللہ صلعم بغیر اپنے اہلبیت میں سے کسی کو مقتدا اقرار دئے ہوئے دنیا سے نہیں گئے اب تم ہمارے قبیلہ سے چلے جاؤ ہم ہرگز تمہاری دعوت قبول نہ کرینگے" یہ تمام مضمون عاثم کوفی نے اپنی کتاب فتوح میں ذکر کیا ہے۔

اور بعض روایات میں مذکور ہے کہ جب ابو بکر نے مالک سے زکوۃ طلب کی تو انہوں نے

کہلا بھیجا کہ پیغمبر صلعم نے ہمیں حکم نہیں دیا ہے کہ ہم تمہیں زکاۃ دیں اور نہ تمہیں کو طلب کرنے کا حکم دیا ہے پس تم ہم سے ایسی چیز کیوں طلب کر رہے ہو جسکی اجازت تمکو خدا و رسول صلعم کی طرف سے نہیں ہے؟

ابو بکر نے جب کوئی جواب نہ پایا تو ان لوگوں کا نام اہل رِدّہ یعنی مرتد رکھا اور اسی بہانہ سے خالد کو فوج دیکر بھیجا کہ اسنے انکے مردوں کو قتل اور عورتوں اور بچوں کو قید کیا اور شیخ ابن حجر عسقلانی نے کتاب اِصابہ میں لکھا ہے "جناب پیغمبر خدا نے مالک بن نویرہ کو عامل صدقات قرار دیا تھا کہ وہ اپنی قوم سے صدقات وصول کر کے بھیجا کریں جب آنحضرت صلعم کی وفات اور ابو بکر کی خلافت کی خبر مالک کو پہونچی تو انہوں نے صدقات موجودہ کو اپنی قوم پر تقسیم کر دیا جب خالد نے انکو قتل کیا اور انکی زوجہ پر متصرف ہوا اور انکی قوم کو اسیر کیا تو مالک کا بھائی ابو بکر کے پاس آیا اور اس بارے میں گفتگو کی ابو بکر نے قیدیوں کو واپس کر دیا"

اور زبیر ابن بکار نے روایت کی ہے کہ ابو بکر نے خالد کو حکم دیا کہ چونکہ تو مالک کی زوجہ پر حرام سے متصرف ہوا ہے لہذا اب اُسے چھوڑ دے - اور عمر نے اس بارہ میں خالد پر بہت سختی کی لیکن ابو بکر نے خالد کو معفو رکھا"

اور ثابت بن قاسم نے روایت کی ہے :- کہ "جب خالد نے مالک کی زوجہ کو دیکھا جو حسن و جمال میں بے نظیر تھی تو مالک نے اپنی زوجہ سے کہا کہ تو میرے قتل کا باعث ہوگی میں تیرے ہی سبب سے قتل کیا جاؤنگا"

یہ تینوں روایتیں ابن حجر نے نقل کی ہیں :- حاصل کلام :- چونکہ یہ ظلم بالکل کھلا ہوا تھا اس سبب سے عمر بن الخطاب نے بھی خالد کو ملامت کی - اور یہ بھی روایت میں ہے کہ عمر نے اپنے زمانۂ خلافت میں مالک کے ہم قوموں کو جمع کیا اور مسلمانوں کے پاس جو کچھ انکا لٹا ہوا مال تھا انکے بچے اور عورتیں تھیں واپس لیکر انکے حوالے کیا۔

اور بعض روایتوں میں وارد ہوا ہے کہ عمر نے اس بارے میں اسقدر اہتمام کیا کہ ان میں سے بعض عورتوں کو جنہیں سر حد شتر پرلے گئے تھے اور وہ حاملہ بھی ہو گئی تھیں بلوا کر انکے شوہروں کے سپرد کیا۔ بہر حال ان دونوں میں سے ایک کا گناہ بغیر ثابت ہوئے نہیں رہتا یا تو ابو بکر نے گناہ کیا کہ مسلمان عورتوں کو مثل کفار کی کنیزیں قرار دیکر لوگوں پر تقسیم کر دیا اور باعث بہت سے زنا کاریوں کے ہوئے اور یا اگر ان کا یہ فعل صحیح مانا جائے تو عمر کا واپس کرنا خالی از گناہ نہیں ہو سکتا اب دوستان ابو بکر و عمر جس شق کو چاہیں اختیار فرمائیں اور اپنے ان دونوں مقتداؤں میں سے جسکو چاہیں گنہگار قرار دیں۔

اور یافعی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ صحابہ کے ساتھ حسن ظن رکھنا واجب ہے اور صحابہ کی شان اس سے عالی ہے کہ ان سے ایسے امور قبیحہ سرزد ہوں لہذا انکی تاویل کرنا چاہیئے۔ اس بنا پر خالد کے حالات بیان کرنے میں جھوٹ کو جائز و مباح سمجھا ہے لیکن یہ نہ سمجھا کہ ہزار من لسن کیلئے ایک قطرہ چاشنی کافی نہیں ہے اگر خالد کے حالات میں جھوٹ بولکر بات بنا بھی لی تو اور ہزاروں واقعات کو کہانتک درست کریگا۔

الغرض اس نے خالد و مالک کے واقعہ میں ایسی باتیں لکھی ہیں جنکا پتہ کتب تواریخ و سیر میں کہیں نہیں ہے لیکن باوجود اسقدر دروغگوئی کے بمصداق مثل " دروغگو را حافظہ نباشد " آخر میں خود ہی واقدی سے نقل کیا ہے کہ جب مالک کے قتل کرنے اور انکی بیوی پر تصرف کرنے کی خبر مدینہ میں پہونچی تو عمر نے ابو بکر سے کہا کہ خالد نے زنا کیا ہے لہذا اسکو سنگسار کرنا چاہیئے۔ ابو بکر نے کہا کہ میں اس گناہ کے عوض میں خالد کو ہرگز نہ قتل کرونگا ممکن ہے کہ اس نے اس باب میں کوئی تاویل کی ہو اور اس تاویل کرنے میں خطا واقع ہو گئی عمر نے کہا کہ اچھا اسکو معزول ہی کر دو۔

ابو بکر نے جواب دیا کہ جس تلوار کو خدا نے غلاف سے نکالا ہے میں اسے نیام میں نہ رکھونگا اسکے بعد پھر یافعی نے ابو زہیر کے وہ اشعار بھی نقل کیئے ہیں جو اس نے خالد کی مذمت

میں کہے ہیں اور جسکا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ "خالد نے اپنے کینۂ دیرینہ کے سبب سے مالک کو قتل کیا پس مالک شہید ہو گئے اور انکے بعد یتیموں اور بیواؤں کی خبرگیری کون کریگا اور کون فقراء پر مثل مالک کے مہربانی کر سکتا ہے جاننا چاہیے کہ جسطرح سے خالد صحابی تھے اسی طرح سے مالک بھی صحابی تھے اور دونوں سابق الاسلام نہ تھے اور دونوں میں سے کسی نے رسول اللہ کے ساتھ جہاد نہیں کیا تھا چنانچہ صاحب استیعاب نے خالد کے حالات میں لکھا ہے کہ "قبل فتح مکہ کے وہ کسی لڑائی میں حاضر نہیں ہوا"

اور یہ بھی لکھا ہے کہ "ایک مرتبہ جناب رسالتمآب صلعم نے خالد کو غمیصا جنگ کیلئے بھیجا تھا وہاں کے لوگ صلح پر آمادہ تھے لیکن خالد نے زبردستی جنگ کی اور ان لوگوں کو قتل کیا جب رسالتمآب صلعم کو خبر پہونچی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "اے اللہ میں خالد کے فعل سے بیزار ہوں" پس اگر جناب رسالتمآب صلعم نے خالد کو ایک خدمت پر مامور کیا تھا اور وہ اسکو صحیح طور پر انجام نہ دے سکا۔ یہانتک کہ رسول اللہ اس سے بیزار ہوئے تو مالک کو بھی آپ نے چند سال تک عامل صدقات مقرر فرمایا تھا اب وہ حضرت کی وفات تک اس خدمت کو صحیح طور پر انجام دیتے رہے لہذا خالد کے گناہوں کے بارے میں تاویلیں کرنا اور مالک کو خواہ مخواہ مرتد قرار دینا محض ناانصافی ہے۔ اور صاحب اصابہ اور علاوہ انکے دیگر علمائے اہلسنت کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالک نے اصل زکوٰۃ کو نہیں روکا تھا بلکہ مال زکوٰۃ کو ابوبکر کو دینا نہیں چاہتے تھے اور اسکو حرام جانتے تھے یہی سبب تھا کہ مالک نے زکوٰۃ لیکر اپنی قوم کے فقراء پر تقسیم کر دیا اگر اصل زکوٰۃ کو حرام جانتے تو چاہیے تھا کہ صاحبان مال کو واپس کرتے غرضکہ سبب ان تاویلات کا سوائے اسکے کچھ نہیں ہے کہ مالک حضرت امیر علیہ السلام کے دوست تھے اور خالد حضرت کا دشمن تھا جیسا کہ اہل انصاف پر پوشیدہ نہیں رہ سکتا

شعر

بدل اندر غضب دشمنی آل عبا است ... بے گمان گفتن تو باز نماید کہ ترا

اور شیخ عبد الجلیل رازی نے خوب ہی کہا ہے :۔ جس سینہ میں فرزند ابوطالبؑ

کے بغض نے جگہ لے لی پھر اسمیں توفیق ہدایت وسعادت واقبال وشریعت وکمال بصیرت وضیائے ایمان وغیرہ صفات حسنہ کے رہنے کی جگہ نہیں رہ جاتی۔ اور جو کچھ کرتا ہے وہ ریاکاری سے خالی نہیں ہوتا۔

تنبیہ:۔ جاننا چاہیئے کہ حسن ظن خدائے تعالیٰ اور انبیاء اور اوصیائے معصومین علیہم السلام کے ساتھ رکھنا واجب ہے اسلئے کہ وہ معصوم ہیں اُن سے جو فعل سرزد ہوگا وہ یقیناً بہتر ہی ہوگا اگر کوئی ایسی روایت انکے متعلق ملے کہ جسمیں کسی امر قبیح کی انکی جانب نسبت دیگئی ہو تو وہ روایت ضعیف اُن دلائل یقینیہ عقلیہ کے مقابلہ میں جو انکی عصمت پر قائم ہو چکے ہیں غلط سمجھی جائیگی لیکن ایسے لوگوں کے متعلق کہ جو جائز الخطا ہیں حسن ظن کا وجود باین معنی کہ بے سمجھے بوجھے انکے ہر فعل کو اچھا ہی سمجھیں بالکل بے معنی ہے اور کوئی دلیل عقلی ونقلی اسپر شاہد نہیں ہے بلکہ لوگوں کے حالات کا دریافت کرنا اور انکے نفس کی خوبی وبدی کا امتحان کرنا صاحبان عقل وحکمت کے حالات کے نزدیک واجب ہے بالخصوص ایسی حالت میں کہ جب ہمکو انکی اقتدا کرنی مقصود ہو یا ان سے کوئی حدیث روایت کرنا چاہتے ہوں اسلئے کہ اکثر ایسا ہوا کرتا ہے کہ بعض صاحبان بہ کید وحیلہ اپنی ظاہری حالت کو اچھا دکھا کر دوسروں کو دام مکر وفریب میں گرفتار کر لیتے ہیں اور بہتوں کی گمراہی کا باعث ہو جاتے ہیں۔

اور صاحب کتاب احتجاج نے اس باب میں ایک روایت جناب امام زین العابدین علیہ السلام سے نقل فرمائی ہے جس سے یہ صول بخوبی سمجھ میں آجاتے ہیں اور ترجمہ اس کلام بلاغت نظام کا یہ ہے:۔

جسوقت تم کسی شخص کو دیکھو کہ اسکی صورت وسیرت اچھی معلوم ہوتی ہے اور گفتگو اسکی نہایت فصیح وبلیغ ہے۔ اسکی حرکتوں میں انکسار ہے پس غافل نہ ہو اسلئے کہ کہیں وہ تمہیں دہوکا نہ دے رہا ہو کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو تحصیل دنیا کے عاجز ہو جاتے ہیں

اور بسبب اپنی ضعف نیت اور کمزوری دل کے دنیا کے محرمات بھی حاصل نہیں کر سکتے
پس وہ دین کو اپنا آلہ بنا لیتے ہیں اور برابر لوگوں کو دھوکا دیتے رہتے ہیں پس اگر انہیں حرام
سے کوئی چیز ملے تو بے پرواہ اس پر تصرف کرتے ہیں۔ اور جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ مال حرام
سے بھی پرہیز کرتا ہے جب بھی دھوکا نہ کھاؤ اسلئے کہ خلق کی خواہشیں مختلف ہوا کرتی ہیں
بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو مال حرام سے اگرچہ وہ بہت زیادہ بھی ہو پرہیز کرتے
ہیں لیکن اپنے نفس کو بُرائی سے نہیں بچاتے ہیں پس وہ محرمات کا مرتکب ہوتا ہے۔ پس اگر
دیکھو کہ اس بارے میں بھی وہ صاحبِ عفت ہے جب بھی دھوکا نہ کھاؤ جب تک کہ
تم یہ نہ دیکھ لو کہ اسکی عقل اُسے کیا سکھاتی ہے اسلئے کہ اکثر اشخاص جو ان تمام برائیوں کو
ترک کر دیتے ہیں لیکن عقل سلیم کی طرف رجوع نہیں کرتے انکو انکا جہل فاسد کر دیتا ہے
پس جسوقت تم اسکی عقل کو بھی درست و سالم پاؤ جب بھی دھوکا نہ کھاؤ جب تک یہ نہ دیکھ لو
کہ اسکی عقل خواہش پر غالب رہتی ہے یا اسکی خواہش عقل پر۔ اور باطل ریاست
حاصل کرنے سے اسکی محبت کا کیا عالم ہے؟ اسلئے کہ دنیا میں بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں
جو "خَسِرَ الدُّنیَا وَالاٰخِرَۃ" کہنے کے مستحق ہوتے ہیں اسلئے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ریاست
باطلہ کی لذت حلال نعمتوں کی لذت سے بڑھ کر ہے پس وہ دنیا میں زہد کرتے ہیں اور ان
نعمتوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور اگر اُن سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو انکو یہ کلمہ اپنی عزت
کے خلاف معلوم ہوتا ہے پس انکو جہنم کافی ہے اور وہ بُرا فرش ہے پس وہ بدترین نقصانات
اُٹھاتا ہے اور دنیا میں بُرے کام کرنے کیلئے اسکو ہر طرح کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے حلال خدا
کو حرام اور حرام خدا حلال کر دیتا ہے۔ دین میں کوئی خرابی پڑنے کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں
کرتا بشرطیکہ اسکی ریاست میں کہ جسکے لئے وہ خدا سے ڈرتا ہے خلل نہ پڑے پس وہی
لوگ ایسے ہیں کہ جن پر غضب ہے خدا کا اور لعنت اسکی اور جنکے لئے خدا نے ذلیل ترین
عذاب مہیا فرمایا ہے لیکن مرد اور پورا مرد اور اچھا مرد وہی شخص ہے کہ جو اپنی خواہش کو

حکم خدا کا مطیع قرار دے اور اپنے قویٰ کو رضائے خداوندی حاصل کرنے میں صرف کرے امر حق میں ذلت اٹھانے کو ہمیشہ کی عزت سے بہتر سمجھے اور یہ جانتا ہو کہ اس دنیا میں جو تھوڑی سی تکلیف اٹھاویگا یہ تکلیف کا اٹھانا ہمیشہ کی راحت کا باعث ہوگا جو کبھی نہ ختم ہوگی اور نہ فنا۔

اور یہ جانتا ہو کہ بہت سی خوش حالیاں ایسی ہیں کہ جو عذاب ابد تک پہونچا دیتی ہیں۔ پس ایسا مرد اچھا مرد ہے اس سے تمسک کرو اور اسکی اقتدا کرو اور اسکو اپنا وسیلہ قرار دو اسلئے کہ اسکی کوئی دعا رد نہیں ہوتی اور نہ کسی خواہش میں ناامید کیا جاتا ہے۔"

اور کتاب انساب سمعانی میں مذکور ہے کہ بنی حنیفہ ایک قوم ہے کہ جسمیں کے اکثر یمامہ میں رہتے تھے اور حضرت علی علیہ السلام نے خولہ حنیفیہ کو جو بنی حنیف کی لوٹ میں آئی تھیں ابوبکر سے لے لیا اور اس سے محمد حنفیہ پیدا ہوئے اہل سنت اسی دلیل سے صحت امامت ابوبکر پر استدلال کرتے ہیں کہ اگر امامت ابوبکر کی صحیح نہ ہوتی تو لازم آتا تھا کہ تصرف انکا مال غنیمت میں بھی صحیح نہ ہوتا درحالیکہ حضرت امیر علیہ السلام نے انہیں سے اس کنیز کو حاصل کیا ہے اور آزاد کرنے کے بعد اپنے نکاح میں لائے لہذا معلوم ہوا کہ ابوبکر کی امامت صحیح تھی۔

لیکن اس قول پر کئی اعتراض وارد ہوتے ہیں اولاً تو یہ کہیں ثابت نہیں ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے خولہ کو کنیز سمجھکر لیا بلکہ حضرت نے مثل آزاد عورتوں کے انکے ساتھ عقد کر لیا اس سے ابوبکر کے فعل کی صحت نہیں ثابت ہوتی اور چونکہ عموماً لوگ اسے کنیز سمجھے ہوئے تھے حضرت نے ظاہر میں اسے آزاد بھی فرمایا ورنہ وہ تو آزاد تھی ہی۔

اسی طرح سے وہ دلیل بھی ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو اسکا جواب یہ ہے کہ بفرض محال پڑھتے بھی رہے ہوں تو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ آپ نیت اقتدا بھی کرتے تھے اسکا ثابت کرنا نہایت مشکل ہے اور چونکہ آپ امام حقیقی تھے لہذا جو شخص

نماز میں آپ پر تقدم کرتا اسکی نماز باطل ہو جاتی خواہ ابوبکر ہوں یا کوئی اور۔ اور اسی تقریر سے اہل سنت کے اس استدلال کا جواب بھی ظاہر ہو گیا جو خلافت ابوبکر پر آیہ کریمہ یا ایھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ و لا یخافون لومۃ لائم سے کرتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے کہ:-

اے مومنین! تم میں سے جو مرتد ہو جائیگا پس عنقریب خداوند عالم ایسی قوم لائے گا جسکو خدا دوست رکھتا ہو گا اور وہ قوم خدا کو دوست رکھتی ہو گی مومنین کے مقابلہ میں وہ لوگ انکسار کرینگے اور کفار سے بکمال غلبہ پیش آئینگے راہ خدا میں جہاد کرینگے اور کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔"

اہل سنت مدعی ہیں کہ یہ آیت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اسی آیت کو اپنی شان میں ثابت کرنے کیلئے ابوبکر نے بنی حنیفہ کا نام اہل ردہ رکھا۔

فخرالدین رازی نے بھی اپنی تفسیر میں اس آیت سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ آیت فساد مذہب امامیہ پر بہترین دلائل میں سے ہے اسلئے کہ اگر اہل سنت مرتد سمجھے جائیں تو چاہیے کہ خداوند عالم ان پر ایک ایسی قوم بھیجے جو ان سے جہاد کرے، لیکن معاملہ برعکس ہے اسلئے کہ ہمیشہ اہل سنت ہی شیعوں پر مسلط رہتے ہیں اور ان سے جہاد کرتے رہتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ فرقہ شیعہ کا شمار مرتدین میں ہے اور اہل سنت ہی وہ قوم ہے جنکی خدا نے تعریف فرمائی ہے۔

لیکن فاضل نیشاپوری نے فخرالدین رازی کے اس قول کو رد کر دیا ہے باوجودیکہ فاضل مذکور خود سنی المذہب ہیں اور اصول میں اشعری کے اور فروع میں شافعی کے مقلد ہیں چنانچہ اپنی آخر تفسیر میں اسکی تصریح بھی کر دی ہے۔ تقریر انکی رد استدلال مذکور میں یہ ہے:- ممکن ہے کہ آئندہ کوئی ایسی قوم پیدا ہو کہ جو اہل سنت کے ساتھ جہاد

کرے اور شاید مراد اس سے مہدی موعود علیہ السلام ہوں اسلیئے کہ خداوند عالم نے اس قوم کو پیدا کرنیکے لیئے کوئی وقت معین نہیں فرمایا ہے"

اس دلیل کے بیان کرنیکے بعد انہوں نے اپنے اہل مذہب سے معذرت بھی کی ہے اور لکھا ہے کہ میں نے مذہب شیعہ کی محبت کی وجہ سے یہ دلیل نہیں بیان کی بلکہ صحابہ کرام کا مرتد ہونا میرے نزدیک ایک امر شنیع ہے لہذا میں نے یہ جواب یوں لکھا۔

مولف کہتا ہے کہ یہ تردید اگرچہ حق ہے لیکن اس سے بہتر جواب یہ ہے کہ وہ مرتد لوگ گروہ نام کثین و مارقین اور قاسطین تھے کہ جس سے مراد اہل جمل اور اہل نہروان اور اہل صفین جنکی خبر جناب رسالت مآب صلعم نے حضرت امیر علیہ السلام کو دی تھی کہ تم انسے جہاد کروگے اور حضرت نے ویسا ہی کیا اور ان میں کے اکثر خلفائے ثلاثہ کے دوست تھے اور مویّد اس کی وہ روایت ہے جو خود اہل سنّت نے لکھی ہے کہ روز جنگ جمل حضرت امیر علیہ السلام اس آیت کو پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس آیت والے لوگوں سے آج کے پہلے قتال نہیں کیا گیا آج میں مامور ہوا ہوں کہ انکے ساتھ قتال کروں پھر اسکی مویّد یہ دلیل بھی ہے جو فاضل نیشاپوری نے شیعوں سے نقل کی ہے کہ پیغمبر خدا نے روز خیبر حضرت علی علیہ السلام کے اوصاف میں بیان فرمایا تھا کہ میں ایسے شخص کو علم دونگا جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہو اور خدا اور رسول اُسے دوست رکھتے ہوں یہ حدیث اس آیت کی تفسیر کرتی ہے کہ مراد حبیب و محبوب خدا سے حضرت علی علیہ السلام ہی ہیں اور حضرت ہی مرتد سے جہاد فرمائیں گے اور لا یخافون لومۃ لائم کا فقرہ اسکا مویّد ہے اسلیئے کہ اصحاب جمل و صفین و نہروان میں بہت سے صحابہ رسول تھے جنکے قتل کے متعلق دوسروں کی ملامت کا خیال کیا جاسکتا تھا لیکن حضرت علیؑ نے راہ خدا میں اس ملامت کا خیال نہیں کیا لہذا خداوند عالم نے آپکی مدح فرمائی ہے۔

ہمدان

کتاب انساب سمعانی میں مذکور ہے کہ ہمدان فتح ہا و سکون میم و دال مہملہ یمن کا ایک قبیلہ ہے جنہوں نے کوفہ میں اپنی منزل قرار دی تھی اور نسب انکا قحطان تک پہونچتا ہے اسکی شاخیں بہت سی ہیں سبیع و دیام اور شبام اور مرعب اور اُرحب ان سب گروہوں میں لوگ بکثرت ہیں جنکا ذکر اپنے اپنے مقامات پر آویگا۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ اہل کوفہ اور اہل بصرہ میں یہ بحث ہوئی کہ کس شہر میں زیادہ قبائل آباد ہیں اہل کوفہ جس قبیلہ کا نام لیتے تھے اہل بصرہ کہتے تھے کہ ہمارے یہاں بھی لوگ اس قبیلہ کے موجود ہیں یہانتک کہ ہمدان کی نوبت آئی تو اہل بصرہ ساکت ہوگئے اور انہوں نے اعتراف کیا کہ واقعی قبیلۂ ہمدان میں سے ہمارے یہاں کوئی نہیں ہے اور اس کتاب انساب میں مذکور ہے کہ کوفہ میں اہل ہمدان بکثرت ہیں جنمیں کے اکثر عالم و زاہد اور صاحبان ورع و تقوی ہیں اور تشیع میں مشہور ہیں اور یہ بھی روایت کی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے قبیلہ ہمدان کی شان میں یہ شعر ارشاد فرمایا ہے

شعر

فلو کنت بوابا علی باب جنۃٍ لقلت لہمدان ادخلی بسلامٖ

یعنی اگر میں جنت کا دربان ہوتا تو قبیلہ ہمدان سے کہتا کہ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

اور شیخ مجدالدین فیروزآبادی شافعی صاحب کتاب قاموس اللغت نے اپنی کتاب سفرالسعادت میں لکھا ہے کہ بیہقی نے روایت کی ہے کہ جب امیرالمومنین علی علیہ السلام نے یمن سے جناب رسالتمآب صلعم کے نام خط لکھا کہ قبیلۂ ہمدان کے لوگ مشرف باسلام ہوگئے تو آنحضرت صلعم نے سجدۂ شکر ادا فرمایا اور مکرر فرمایا کہ السلام علی ہمدان مخفی نہ رہے کہ سمعانی نے جو شعر حضرت امیر علیہ السلام کا تاریخ ہمدان میں نقل کیا ہے

وہ ان اشعار کا آخری شعر ہے جو حضرت نے جنگ صفین میں فرمائے ہیں اور قاضی میر حسین میبذی نے ان اشعار کی شرح بھی کی ہے لہذا حقیر مع شرح کی ذکر کرتا ہے:

وَلَمَّا رَأَيْتُ الْخَيْلَ يُقْرَعُ بِالْقَنَا ... فَوَارِسُهَا حُمْرُ الْعُيُونِ دَوَامِ
وَاَقْبَلَ رَهْجٌ فِي السَّمَاءِ كَأَنَّهُ ... غَمَامَةُ دُجْنٍ مُلْبِسٍ بِقَتَامِ
وَنَادَا ابْنُ هِنْدٍ ذَا الْكَلَاعِ وَيَحْصَبًا ... وَكِنْدَةَ فِي لَخْمٍ وَحَيِّ جِزَامِ
تَيَمَّمْتُ هَمْدَانَ الَّذِينَ هُمُ هُمُ ... إِذَا نَابَ اَمْرٌ جُنَّتِي وَسِهَامِي
وَنَادَيْتُ فِيهِمْ دَعْوَةً فَاَجَابَنِي ... فَوَارِسُ مِنْ هَمْدَانَ غَيْرُ لِئَامِ
فَوَارِسُ مِنْ هَمْدَانَ لَيْسَ بِعُزَّلٍ ... غَدَاةَ الْوَغَا مِنْ يَشْكُرٍ وَشِبَامِ
وَمِنْ اَرْحَبِ الشُّمِّ الْمَطَاعِينَ بِالْقَنَا ... وَرِهْمٍ وَاَحْيَاءِ السَّبِيعِ وَيَامِ
وَمِنْ كُلِّ حَيٍّ قَدْ اَتَتْنِي فَوَارِسٌ ... ذَوُو نَجَدَاتٍ لَدَى اللِّقَاءِ كِرَامِ
بِكُلِّ رُدَيْنِيٍّ وَعَضْبٍ تَخَالُهُ ... إِذَا اخْتَلَفَ الْاَقْوَامُ شُعْلَ ضِرَامِ
يَقُودُهُمْ حَامِي الْحَقِيقَةِ مِنْهُمْ ... سَعِيدُ بْنُ قَيْسٍ وَالْكَرِيمُ يُحَامِي
فَخَاضُوا لَظَاهَا وَاصْطَلَوْا ... لِشَرَارِهَا وَكَانُوا لَدَى الْهَيْجَا كَشَرْبِ مُدَامِ

یعنی جب میں نے گھوڑوں کو دیکھا کہ سواران سرخ چشم انکو بضرب نیزہ دوڑا رہے ہیں اور لڑائی کا ابر آسمان پر چھایا ہوا ہے۔ اور لشکر کی گرد سے آسمان پوشیدہ ہو گیا ہے اور ہند کا بیٹا (معاویہ) قبیلہ ذو الکلاع اور قبیلہ یحصب اور قبیلہ کندہ اور قبیلہ جزام کو پکار رہا ہے تو میں نے بھی قبیلہ ہمدان کا قصد کیا کہ جو لوگ مصیبت کے وقت میری سپر اور میرے تیر ہیں میں نے انکو ایک ہی مرتبہ پکارا بس مجھے جواب دیا سواران ہمدان نے کہ جو نہایت شریف لوگ ہیں کہ جو صبح جنگ اسلحہ سے خالی نہیں رہتے اور وہ لوگ قبیلہ یشکر اور قبیلہ شبام اور قبیلہ ارحب سے ہیں جو تیر و تبر و نیزے مارنے والے ہیں اور قبیلہ رہم و سبیع و یام سے ہیں اور ہر قبیلہ سے میرے پاس صاحبان شجاعت سوار

لڑائی میں نیزہ زُود دینی اور ایسی تلواروں کے ساتھ کہ جو اپنی آمد و شد کی حالت میں آتش شعلہ رو کے مانند معلوم ہوتی ہیں حاضر ہوئے اور انکی کما حقہٗ نگہداشت کرنے والے سعید بن قیس ہیں اور کریم حامی ہے۔ پس اس آتش گرم میں کود پڑے اور اسکی گرمی سے گرم ہو گئے اور وہ لوگ لڑائی کے وقت ایسے خوش و خرم و مطمئن ہیں کہ گویا شرب مُدام کر رہے ہیں

تتمۂ اشعار حضرت امیر المومنین علیہ السلام

جَزَی اللّٰہُ ھَمْدَانَ الْجِنَانَ فَاِنَّھُمْ — سِھَامُ الْعِدَیٰ فِی کُلِّ یَوْمِ خِصَامٖ

لِھَمْدَانَ اَخْلَاقٌ وَّدِیْنٌ یُزَیِّنُھُمْ — وَلِیْنٌ اِذَا لَاقَوْا وَحُسْنُ کَلَامٖ

مَتٰی تَاْتِھِمْ فِیْ دَارِھِمْ لِضِیَافَۃٍ — تَبِتْ عِنْدَھُمْ فِیْ غِبْطَۃٍ وَّطَعَامٖ

اَلَا اِنَّ ھَمْدَانَ الْکِرَامَ اَعِزَّۃٌ — کَمَا عَزَّ رُکْنُ الْبَیْتِ عِنْدَ مَقَامٖ

اُنَاسٌ یُحِبُّوْنَ النَّبِیَّ وَرَھْطَہٗ — سِرَاعٌ اِلَی الْھَیْجَاءِ غَیْرُ کِھَامٖ

فَلَوْ کُنْتُ بَوَّابًا عَلٰی بَابِ جَنَّۃٍ — اَقُوْلُ لِھَمْدَانَ ادْخُلِیْ بِسَلَامٖ

یعنی خداوند عالم اہل ہمدان کو انکی کوششوں کے عوض میں جنت عطا فرمائے وہ روز جنگ دشمنوں کے مقابلہ میں میرے تیر ہیں اہل ہمدان کے اخلاق اور انکا دین اور ان کی نرمی کلام اور انکی حسن معاشرت انہیں آراستہ کئے ہوئے ہے۔ اگر تو انکے گھر میں مہمان ہو تو تیری تمام شب کھاتے پیتے اور انکی خوبیوں پر غبطہ کرتے ہوئے گذر جائے۔ آگاہ ہو کہ یقیناً اہل ہمدان ایسے ہی معزز ہیں جیسے مقام ابراہیم کے پاس کا رکن کعبہ ایسے لوگ ہیں جو نبی اور انکے اہلبیت کو دوست رکھتے ہیں اور بروقت جنگ کاہلی نہیں کرتے بلکہ نہایت سرعت کے ساتھ دشمن کے مقابلہ پر جاتے ہیں۔ پس اگر میں دروازہ جنت پر دربان ہوا تو اہل ہمدان سے کہونگا کہ سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

ابن عاتم کوفی کہتا ہے:۔ کہ ایک مرتبہ جنگ صفین میں عمر بن حصین سکونی جناب امیر علیہ السلام

کے پس پشت سے آگیا اور حضرت پر نیزہ چلانے کا ارادہ کیا سعید بن قیس ہمدانی نے فوراً اسکو قتل کر دیا اور چند شعر کہے جنکا خلاصہ یہ ہے :۔

کہ معاویہ کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ ہم لوگ انکے ہمیشہ دشمن رہیں گے کیا وہ نہیں دیکھتا ہے کہ ہمارے باپ علیؑ ہیں اور ہم انکے بیٹوں کے مثل ہیں اور سوا ئے انکے ہم کسی سے محبت نہیں کرتے اور وہی ہماری ہدایت اور وہی ہماری خوش قسمتی ہیں۔

جب معاویہ نے یہ سُنا تو قبیلہ یحصب۔ کندہ و لخم و جزام کو ذوالکلاع حمیری کی افسری میں بھیجا اور حکم دیا کہ :۔

"خاصکر اہل ہمدان کو قتل کرو"

حضرت علی علیہ السلام نے بھی اہل ہمدان کو آواز دی وہ سب لبیک لبیک کہتے ہوئے حاضر ہوئے حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ" اس فوج نے خاصکر تمہارے قتل کا ارادہ کیا ہے" یہ سُنتے ہی سعید بن قیس نے مع اپنے ہمراہیوں کے حملہ کر دیا اور دم بھر میں دشمن کو شکست دیکر میدان سے بھگا دیا۔

حضرتؑ نے خوش ہو کر ارشاد فرمایا کہ تم لوگ میری زرہ و میرے نیزہ و سناں اور میری سپر ہو خدا کی قسم اگر جنت میرے ہاتھ ہوئی تو میں خاص طور پر جنت میں داخل کرونگا۔ اور اسکے بعد ہی شعر ماسبق ارشاد فرمایا۔

امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے :۔ کہ حضرت امیر علیہ السلام امام حسن علیہ السلام کے زیادہ طلاق دینے سے ملول تھے ایک روز ممبر پر فرمایا کہ حسنؑ بڑا طلاق دینے والا ہے اسکو بیٹیاں نہ دو!

ایک شخص قبیلہ ہمدان سے کھڑا ہو گیا عرض کی یا امیر المومنینؑ خدا کی قسم حسنؑ جتنی لڑکیاں چاہیں گے ہم انکے ساتھ بیاہتے جائیں گے خواہ وہ رکھیں خواہ طلاق دیدیں۔

حضرت علی علیہ السلام کو اسکی محبت اہلبیت کے ساتھ پسند آئی اور اس قطعہ کا آخری شعر یہ ہے

شبام

سمعانی نے کتاب انساب میں کہا ہے: ۔ شبام بکسر شین معجمہ و فتح بائے موحدہ یمن کا ایک شہر ہے جہاں کے سب باشندے شیعہ غالی ہیں اور یہ قبیلۂ ہمدان ایک گروہ ہے جو کوفہ میں آکر رہ گیا تھا عبد الجبار بن عباس شبامی ہمدانی اس گروہ سے ہیں اور انہیں تشیع میں بہت غلو تھا اور دیوان امیر المومنینؑ میں بعض سرداران قبیلہ شبام کے مرثیہ میں یہ شعر وارد ہے:۔

یعز علی ما لقیت شبام ۔۔۔ وصحت علی شبام و لم یجبنی

یعنی پکارا میں نے شبام کو پس انہوں نے جواب نہ دیا نہایت سخت ہے مجھ پر وہ مصیبت جو قبیلہ شبام پر پڑی۔

مذحج

کتاب انساب سمعانی میں مذکور ہے کہ مذحج بفتح میم و سکون ذال معجمہ و کسر حائے مہملہ و میم ۔ یمن کا ایک قبیلہ ہے اور یہ قبیلہ قبل آپکی ظاہری خلافت کے بھی آپکے محبین میں سے تھا چنانچہ بعد اسکے ذکر آویگا اور حضرت کے دیوان میں ایک قطعہ ایسا موجود ہے جنمیں آپ نے قبیلہ مذحج اور بعض دوسرے قبائل کی مدح فرمائی ہے اور جنگ صفین پر لوگونکو ترغیب دی ہے۔ اور وہ قطعہ یہ ہے:

ما علتی و انا جلد حازم ۔۔۔ و فی یمینی ذو غرار صارم

و عن یمینی مذحج القماقم ۔۔۔ و عن یساری وائل الخضارم

القلب حولی مضر الجماجم ۔۔۔ و اقبلت ھمدان و الاکارم

و الازد من بعد لنا دعائم ۔۔۔ و الحق فی الناس قدیم دائم

یعنی کون روک سکتا ہے مجھے درحالیکہ میں ایک مرد شجاع اور صاحب عقل و ہوشیار ہوں

اور میرے داہنے ہاتھ میں نیزوں کے کاٹ دینے والی تلوار ہے اور داہنی طرف میرے قبیلۂ مذحج ہے اور بائیں طرف قبیلۂ وائل ہے اور قلب لشکر میں قبیلۂ مضر ہے اور قبیلۂ ہمدان اور بزرگ لوگ بھی آئے ہیں اور پھر قبیلۂ ازد بھی ہمارے لئے مثل ستونوں کے سب ہے اور حق گویوں میں ہمیشہ سے ہے اور پرانا ہے۔

ربیعہ

کتاب انساب سمعانی میں مذکور ہے کہ ربیعہ بن نزار ایک بہت بڑے قبیلے کے جد کا نام ہے کہ جسکے ضمن میں بہت سے بڑے بڑے قبیلے ہیں کہ جو بسبب اپنی بزرگی کے اسکے محتاج نہیں رہ گئے ہیں کہ ربیعہ کی طرف نسبت دیجاوے منجملہ قبائل ربیعہ کے قبیلۂ بکر بن وائل بن قاسط بن نہب بن اقصیٰ بن داحی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار ہے۔ اور جب اسکی طرف نسبت دیتے ہیں تو ربیعی کہتے ہیں اور ابن دُرَید نے کہا ہے کہ ربیعہ قبیلۂ ازد کے قبائل میں سے ایک قبیلہ ہے اور شیخ عبدالجلیل قزوینی نے کتاب نقض میں قبیلۂ ربیعہ کو شیعیانِ با اخلاص حضرت امیر علیہ السلام میں شمار کیا ہے۔ اور دیوان اعجاز بیان حضرت امیر علیہ السلام میں ایک اور قطعہ جو جنگ صفین کے حالات اور صاحبان حق کی فتحیابی کے حالات میں ہے اسمیں قبیلۂ ربیعہ کی شجاعت اور بزرگی وجان نثاری کی توصیف بھی حضرت نے فرمائی ہے جسکا خلاصہ یہ ہے:۔ کہ

ہمارا علم سیاہ کہ جسکا سایہ ہل رہا ہے جب حصین بن منذر ربیعی سے کہا جاتا ہے کہ وہ اسکو بڑھا لاوے تو وہ اسکو بڑھا لاتا ہے اور وہاں تک لے جاتا ہے جہاں موت کے حوض چھلکتے ہوتے ہیں اور وہ سختی کے وقت میں بھی ہراساں نہیں ہوتا اور اسوقت میں بھی صابر رہتا ہے کہ جب لوگوں کی آوازیں بیٹھ جاتی ہیں۔ اسکے بعد پھر اور اشعار

بھی فرمائے ہیں جنکا خلاصہ یہ ہے :۔ کہ

قبیلۂ عک اور قبیلہ لخم اور قبیلہ حمیر نے بھی صبر کیا خاص کر قبیلۂ مذحج کو کہ جنکو سوائے پشیمانی کے اور کچھ نتیجہ نہ بخشا اور قبیلہ جزام نے قبیلہ مذحج کو پکارا کہ ہم سے جو ظالم ہو خدا انکو جزائے بد دے آیا تم ہمارے بارے میں خدا سے نہیں ڈرتے ہو اور اسکا کچھ لحاظ نہیں ہے ؟ کہ خدا ہمسے کسقدر قریب ہے اور ہمکو اُسنے کسقدر بزرگی دی ہے خداوند عالم جزا دے اس قوم کو کہ جنھوں نے انکے مقابلہ میں مرتے دم تک قتال کیا اور ہمیشہ سے ایسے ہی کرتے آئے ۔

کسقدر بزرگ ہیں وہ لوگ اور کسقدر معزز ہیں وہ لوگ اُن سے مراد قبیلۂ ربیعہ ہے جو صاحبانِ شجاعت وسخی ہیں جبکہ وہ بہت بڑے لشکر سے مقابلہ کریں،،

اور شرح دیوان امیر علیہ السلام میں مذکور ہے کہ ایک روز جنگ صفین میں حضرت نے ایک علم سیاہ حصین بن منذر سردار قبیلۂ ربیعہ کو دیا اور معہ پانچسو پہلوان ربیعہ اور ایک سو دیران قبیلۂ مذحج کے لڑائی کے لئے بھیجا۔ حصین نے معاویہ کے خیمہ کا ارادہ کیا معاویہ نے قبائل عک ولخم اور حمیر کو انکے مقابلہ میں بھیجا آخر کار ایک جنگ عظیم واقع ہونے کے بعد حصین ان لوگوں پر غالب آگیا اور معاویہ کے خیمہ تک پہونچ گیا۔ تب قبیلہ جزام کے ایک شخص نے پکار کر کہا کہ اے اہل کوفہ کیا تم ہمارے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتے ہو درحالیکہ ہم تمہارے چچازاد بھائی ہیں پس آج کے بعد کل بھی آنے والا ہے ۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے وہ اشعار ارشاد فرمائے جنکا خلاصہ یہ ہے :۔ کہ ہند کے بیٹے (معاویہ) کو ہمارے نیزوں اور تلواروں کا مزہ چکھا دیا یہاں تک کہ اسنے فرار کیا اور لڑائی سے باز رہا درحالیکہ اسنے زبرقان بسر ظالم اور ذوکلیع اور کریب اور عمرو اور نعمان اور بشیر اور مالک اور حوشب اور کرز بن نبہان اور محرق کے دونوں بیٹوں

اور حریث اور قبیصی اور عبید اللہ اور ابو الاعور سلمی کو پکارا اور انکو انعام دیا اور یہ پکارنیوالا معاویہ تھا جس نے اندھیر کر دیا۔

زبرقان بزائے معجمہ مکسورہ و رائے مہملہ مکسورہ اور ذوکلع بفتح کاف ولام جو قبیلہ حمیر کے بادشاہان یمن میں سے تھا اور جنگ صفین میں مارا گیا۔ کریب کرب کی تصغیر ہے یہ صباح بن ذیزن حمیری کا بیٹا تھا۔ ایک دن میدان صفین میں آیا اور مبارز طلبی کرنے لگا مترفع بن وضاح خولانی نے مقابلہ کیا اور شہید ہوئے پھر شرجیل بن طارق بکری پھر حرث بن جلاج حکمی پھر عباد بن مسروق ہمدانی ان سب نے یکے بعد دیگرے مقابلہ کیا اور شہید ہوئے تب حضرت امیر المومنین علیہ السلام میدان میں آگئے اور اسکو واصل جہنم کیا۔

اور نعمان بضم نون بشر قیسی کا بیٹا تھا اور بشر ارطات فہری کا بیٹا تھا اور مالک مشہر قصاعی کا بیٹا تھا اور جنگ صفین میں سلیمان بن حجر بن عدی کندی کے ہاتھ سے مارا گیا اور حوشب بفتح حائے مہملہ وشین معجمہ اسکا لقب ذو الظلیم بھی تھا جنگ صفین میں سلیمان بن صرد خزاعی کے ہاتھ سے مارا گیا۔

کرز بضم کاف و تقدیم رائے مہملہ بر زائے معجمہ ونبہان بنون مفتوحہ و بائے موحدہ و محرق بحائے مہملہ و رائے مشددہ و حرث بثائے مثلثہ وداع حمیری کا بیٹا تھا اور قیس بن مطلب یہ دونوں کریب کے بعد امیر المومنین علیہ السلام کے ہاتھ سے مارے گئے اور حضرت ایک کو اٹھا کر دوسرے پر پھینکدیتے تھے اور یہ آیت تلاوت فرماتے تھے:

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ جسکا ظاہری ترجمہ یہ ہے:۔ کہ

شہر حرام کا عوض حرام ہے اور حرمتیں قصاص ہیں پس جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اسپر

زیادتی کرو ویسی زیادتی جیسی اسنے تم کی ہو اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ یقیناً اللہ متقین کے ہمراہ ہے۔"

اور عبید اللہ۔ عمر بن الخطاب کا بیٹا تھا اور عبد اللہ بن سوار عبدی کے ہاتھ سے مارا گیا۔

اور بعض نے لکھا ہے کہ حریث بن خالد تھا اور بعض کے نزدیک ہانی بن خطاب اور بعض کے نزدیک ہانی بن عمر اور بعض کے نزدیک محجر صحیح صحیح۔

مُضَر

بضم میم و فتح ضاد معجمہ و رائے مہملہ ایک قبیلہ کے جد کا نام تھا کہ قریش کا سلسلۂ نسب اس تک پہونچتا ہے اور وہ مضر بن نزار بن معد بن عدنان ابو ربیعہ بن نزار ہے اور ربیعہ اور مضر دونوں بہت بڑے قبیلے ہیں جنکے متعلق کہا گیا ہے کہ عرب میں ان سے بڑا کوئی قبیلہ نہیں ہے۔ اور ان دونوں قبیلوں سے علماء و محدثین متقدمیں و متاخرین کے بڑے بڑے گروہ پیدا ہوئے ہیں اور حضرت امیر علیہ السلام نے جو قطعہ قبیلۂ مذحج کی توصیف میں ارشاد فرمایا ہے اسمیں قبیلہ مضر کی جاں نثاری کی بھی تعریف فرمائی ہے جس کا ترجمہ سابق میں ہو چکا ہے۔

اَزْد

کتاب انساب سمعانی میں مذکور ہے کہ اَزْدِ بفتح الف وسکون زائے معجمہ و کسر دال مہملہ عرب کے ایک قبیلہ کے جد کا نام ہے۔ اور وہ ازد بن غوث بن نبت بن مالک بن زید بن کہلان ہیں اور حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے بعض اشعار میں جسکا ترجمہ مذکور ہو چکا ہے انکی تعریف فرمائی ہے اور اپنے ایوان خلافت کا ستون قرار دیا ہے اور بعض اشعار میں اپنی تلوار سے تشبیہ دی ہے اور ایک بے نظیر انکی توصیف میں ارشاد

فرمایا ہے جسکا خلاصہ ترجمہ یہ ہے :-

قبیلہ ازد مثل میری تلوار کے ہیں اور جناب رسالتماب صلعم کی تلوار وہ شخص ہے جسکی عرب نے اطاعت کی ہے (بظاہر اپنے نفس کو مراد لیا ہے) اہل ازد ایسے لوگ ہیں کہ اگر اچانک بھی کسی سے ملاقات ہو جاوے تو بھی اسکے حق کو ادا کریں اور اسکے ساتھ بے وفائی نکریں - اور اگر سوے اتفاق سے کبھی مغلوب ہو جائیں تو وہ بھاگنا نہیں جانتے کہ کیا چیز ہے"۔

قطعہ بزبان فارسی در ترجمہ قطعۂ عربیہ ؎

یاران من اند اہل شمشیر ہمہ — مائل بجذا و از جہاں سیر ہمہ
معنئ گریختن نہ دانند کہ چیست — باشند بروز حرب چوں شیر ہمہ

پھر فرماتے ہیں کہ وہ ایسے گروہ ہیں کہ جنکا لباس میدان جنگ میں چمکتی ہوئی ہلکی تلواریں ہیں اور ایسی داؤدی زرہیں جوانہوں نے اپنے دشمنوں کی لوٹ میں پائی ہیں - سروں پر انکے خود ہیں اور خود کے نیچے سے زرہ شروع ہے اور انکی انگلیوں میں گندم گوں نیزے ہیں انکی تلواریں ہنستی ہیں اور دشمنوں کی جانیں روتی ہیں انکے نیزے چمکتے ہیں اور خون آلودہ ہو جاتے ہیں اور دشمنونکی جانوں کی لوٹ پڑجاتی ہے

شد جامۂ قوم من زرہ روز مصاف — دارند تمام نیزۂ سنگ شگاف
از بسکہ خورد نیزۂ این طائفہ خوں — پیدا شدہ است در سرش رنج رعاف

پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ کون دن ایسا ہے جس دن ان سے افعال کریمہ صادر نہ ہوں جنکے دیکھنے سے دوسرونکو تعجب نہ ہو۔

قبیلہ ازد ہر اُس شخص سے کہ جو اپنے پاؤں سے چلتا ہے فضیلت میں افزوں ہے اور سوار ہوتے وقت قدر میں سب سے اعلیٰ ہے گروہ ازد تم صاحبان عزت ہو اور کسی کا ہاتھ تم تک نہیں پہونچ سکتا - جسوقت معاملہ سخت آپڑے اُسوقت تم کمزور

نہیں ہوتے وفائے عہد تمہاری خصلت ہے اور کبھی تمہاری صداقت کذب سے آلودہ نہیں ہوئی - جسوقت تم غصہ میں آتے ہو تو خلائق تمہارے حملہ سے ڈرتی ہے - اور تمہارے نزدیک یہ کوئی بات نہیں ہے - اے گروہ ازد میں تم سے راضی ہوں اور تم ہر کام میں پیش پیش رہتے ہو - پیچھے رہ جانے والوں میں نہیں ہو - ہرگز ہرگز قبیلۂ ازد رحمت و مغفرت خدا سے مایوس نہ ہو اور خدا انکی حفاظت کرتا ہے - جہاں کہیں وہ جائیں پاک ہو تم لوگ جسطرح سے تمہاری اصل پاک ہے - اور انگور کے درخت میں کانٹا نہیں ہوتا قبیلۂ ازد کے لوگ ایسے ہیں کہ اگر کوئی انپر سبقت کرنا چاہے تو وہ اُس پر سبقت کریں اگر کوئی فخر کرنا چاہے تو وہ اُس پر فخر کریں اور اگر کوئی انہیں مغلوب بنانا چاہے تو وہ اُس پر غالب آجائیں - اگر کثرت سے لوگ انکے دشمن ہوں تو وہ بھی کثیر ہو جائیں - اگر دشمن انکے مقابلہ میں بامردی کرے تو وہ بھی صبر سے کام لیں اگر اُنہیں کوئی گھبرانا چاہے تو وہ اُسے گھیر لیں اور اگر کوئی لوٹنا چاہے تو وہ اُسے لوٹ لیں - نہایت صاف دل لوگ ہیں جس سے محبت کرتے ہیں صفائی سے محبت کرتے ہیں انکی صفائی میں لہو لعب کی آمیزش نہیں ہوتی - انکے اخلاق حسنہ ہیں اور انکی مجلسوں میں شور و غل اور جہالت کی باتوں کا ذکر نہیں ہے - باران انکی عطا کے مقابلہ میں شرمندہ - اور شیر ہائے صحرا انکے غضب سے ترسندہ رہتے ہیں اگر اُن سے سوال کیا جائے تو تمام خلائق سے زیادہ سخی ہیں اور اگر میدان جنگ میں بلائے جائیں تو سب سے بڑھکر بہادر ہیں - وہ کونسی ایسی فوج ہے جسکو انہوں نے متفرق نہیں کر دیا پس خدا انکو جزائے خیر دے اسکے عوض میں کہ جو انہوں نے رسول صلعم کے ساتھ کیا اور اعمال صالحہ بجالائے ۵

یاران من اند بہر احسان و ادب — شیران ولایت اند در وقت غضب
در نصرت دین مصطفٰے امیکوشند — پابند جزا از فیض فضیلت یارب

قبیلۂ ازد کے آثار ایمان و شجاعت میں سے یہ امر بھی ہے کہ جب سراقد س

جناب امام حسین علیہ السلام کا کوفہ میں پہونچا ابن زیاد نے لوگوں کو جمع کیا اور مسجد کوفہ میں بالائے ممبر جاکر یہ کلمات ادا کئے :-

الحمد للہ الذی اظھر الحق و نصر امیر المومنین و حزبہ و قتل الکذاب ابن الکذاب ۔ یعنی شکر اس خدا کا جس نے حق کو ظاہر کیا اور امیر المومنین (یزید) اور انکے لشکر کی مدد کی اور کذاب بن کذاب کو قتل کیا ۔

ان کلمات کے سنتے ہی عبد اللہ بن عفیف ازدمی کھڑے ہو گئے اور کہا کہ "اے دشمن خدا تو جھوٹا اور تیرا باپ جھوٹا اور جسکی طرف سے تو حاکم ہے وہ جھوٹا اے مرجانہ کے بیٹے فرزند پیغمبر کو قتل کرتا ہے اور پھر ممبر پر صدیقوں کی جگہ بیٹھتا ہے؟ ابن زیاد نے کہا کہ انہیں گرفتار کر لو لیکن اہل قبیلۂ ازد نے ہجوم کر کے ملازمین زیاد سے چھین لیا اور گرفتار نہیں ہونے دیا۔

وائل

کتاب انساب سمعانی میں لکھا ہے کہ وائل بفتح واؤ و کسرہ یائے منقوطہ از تحتت ۔ چند قبیلوں کے جد کا نام ہے کہ وہ قبیلے حقیقت میں قبائل مضر و ازد و ہوازن کی شاخیں ہیں اور حضرت امیر علیہ السلام نے انکی بھی مدح فرمائی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بھی جاں نثاری اور مردانگی میں مثل ازد و مضر کے ہیں ۔

خزاعہ

کتاب انساب سمعانی اور کتاب صحاح اللغت میں مذکور ہے کہ خزاعہ بضم خا و فتح زائے معجمہ اور آخر میں عین مہملہ قبیلہ ازد کے ایک گروہ کا نام ہے اور انکے خزاعہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ خزع کے معنی جدا ہو جانے کے ہیں ۔ جب قبیلہ ازد کے لوگ مکہ سے

باہر آئے اور چاہا کہ تمام ملک میں متفرق ہو جائیں تو خزاعہ نے انکا ساتھ چھوڑ دیا اور مکہ ہی میں رہ گئے چنانچہ ایک شاعر ازدی نے کہا ہے :۔ شعر

فَلَمَّا هَبَطْنَا بَطْنَ مُرٍّ تَخَزَّعَتْ ‌ ‌ خُزَاعَةُ عَنَّا فِي حُلُولٍ كَرَاكِرِ

یعنی جب ہم لوگ مقام مُرّ میں اُترے تو خزاعہ ایک نشیبی وادی میں ہمسے جدا ہو گئے اور عبداللہ بن بدیل بن ورقاء خزاعی کے حالات میں صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ خزاعہ جناب رسالتماب صلعم کے صندوق تھے یعنی آپکے راز اور آپکے اسلحہ انکے پاس رہتے تھے اور یہ بھی اسی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ معاویہ کہتا تھا کہ قبیلہ خزاعہ کو علی علیہ السلام سے ایسی محبت ہے کہ اگر انکی عورتیں بھی ہمسے لڑ سکتیں تو باز نہ رہتیں مردوں کا کیا ذکر ہے۔

اور شیخ اجل ابوالفتوح رازی خزاعی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ بنی خزاعہ حالت اسلام اور حالت کفر دونوں میں جناب رسالتمآب صلعم کے دوست تھے اور حضرت سے عہد کئے ہوئے تھے اور یہ روایت لکھی ہے کہ جب ابو سفیان معہ اپنے ہمراہیوں کے جنگ احد سے واپس گیا تو اثنائے راہ میں ایک دوسرے کو ملامت کرتا تھا کہ کیوں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل نہ کیا ہم لوگوں سے کچھ نہ ہو سکا نہ آنکو قتل کیا اور نہ انکی عورتوں کو لوٹا اور نہ انکی قوم کو تباہ کیا درحالیکہ وہ قلیل التعداد اور کمزور تھے اب ہم لوگوں کو پلٹ چلنا چاہئے اور پھر جنگ کرنا چاہیے۔ جناب رسالتمآب صلعم کو جب کفار کے اس ارادہ کی خبر معلوم ہوئی تو حضرت نے بھی انکو خوف زدہ کرنے کیلئے چاہا کہ اپنی شان و شوکت اور مسلمانوں کی قوت انہیں دکھا دیں تاکہ کفار کو یہ گمان ہو کہ ابھی مسلمانوں میں طاقت باقی ہے اور وہ دوبارہ حملہ کا ارادہ نہ کریں لہذا آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ سب لوگ تیار ہوں رسول اللہ کفار کا تعاقب فرمائینگے باوجودیکہ حضرت کے اکثر اصحاب زخمی اور مجروح ہو گئے تھے۔

جابر بن عبداللہ انصاری کا بیان ہے کہ میرے باپ مارے گئے تھے اور سات لڑکیاں اُنہوں نے چھوڑی تھیں میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے باپ نے سات لڑکیاں چھوڑی ہیں میرے علاوہ کوئی مرد ایسا نہیں ہے جو انکا کفیل ہو اور مجھے یہ بھی منظور نہیں ہے کہ آپ جہاد پر تشریف لیجائیں اور میں ہمراہ رکاب نہ ہوں حضرت صلعم نے فرمایا کہ تم کسی کو اپنا نائب مقرر کردو جو گھر کا انتظام کرتا رہے اور تم میرے ساتھ چلو۔ غرضکہ حضرت معہ اپنے اصحاب کے روانہ ہو گئے اور مقام حمرا الاسد تک پہونچے جو مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔

ابن السائب روایت کرتے ہیں کہ بنی عبدالاشہل کے ایک شخص کا بیان ہے کہ میں بھی زخمیوں میں تھا اور میرا بھائی مجھ سے بھی زیادہ مجروح تھا آپسمیں ہم دونوں نے مشورہ کیا کہ ہم لوگوں کو کیا کرنا چاہئے اسطرح سے مجروح اور زخمی ہیں اور سواری بھی نہیں ہے اور پیدل چلنے کی قوت نہیں رکھتے رسول خدا صلعم کو کیونکر چھوڑدیں آخرکار یہی رائے قرار پائی کہ جسطرح سے ہو چلنا چاہیے اور حضرت کا ساتھ نہ چھوڑنا چاہئے۔ غرضکہ اس صورت سے روانہ ہوئے کہ دور ہم دونوں بھائی پیدل چلتے تھے اور جب وہ بالکل عاجز ہو جاتا تھا تو میں اُسے اُٹھا لیتا تھا اور پھر اُتار دیتا تھا۔ غرضکہ اس کشمکش کے ساتھ مقام حُمرالاسد تک پہونچے اُسی اثنا میں معبد خزاعی جو اسوقت مشرک تھا اُدھر سے گذرا اور رسول اللہ صلعم سے عرض کی کہ اے محمدؐ تمہارے اصحاب کی حالت نہایت نازک ہے اور مجھے اسکا بڑا رنج ہے اگر کچھ آرام کا موقع ملتا تو بہتر تھا۔ یہ کہتا ہوا گزر گیا جب مقام روحا پر پہونچا اور ابوسفیان کو دیکھا کہ پھر لشکر لیکر رسالتمآب صلعم سے لڑنے کیلیے جا رہا ہے تو اسنے سوال کیا کہ کہاں جاتے ہو۔ ابوسفیان نے جواب دیا کہ ابکی اسی ارادہ سے جاتا ہوں کہ اصحاب محمدؐ میں سے جو لوگ باقی رہ گئے ہیں اُن سب کو قتل کردوں۔ تاکہ جھگڑے کا خاتمہ ہی ہو جاوے۔

مُعبد نے کہا کہ تو عجب بے عقل ہے! میں نے ابھی محمدؐ اور اُنکے اصحاب کو ایک ایسے لشکر کے ساتھ دیکھا ہے کہ جسکا مثل میں نے نہیں دیکھا تھا۔ جو لوگ جنگ میں حاضر نہ تھے وہ بھی آ گئے ہیں اور تمام ساز و سامان سے آراستہ ہیں اور نہایت عجلت کے ساتھ تمہارے تعاقب میں آ رہے ہیں اور افسوس کرتے ہیں کہ تمہیں کیوں چھوڑ دیا اور مکہ تک تمہارا پیچھا نہ چھوڑینگے۔

ابوسفیان نے جب یہ کلام سُنا تو نہایت خائف ہوا۔ مُعبد سے کہنے لگا کہ میں تو انکو بالکل مجروح و زخمی اور پراگندہ چھوڑ کر آیا تھا۔

مُعبد نے کہا کہ اسکا حال تو مجھے معلوم نہیں لیکن ابھی جو میں دیکھتا آتا ہوں اس شان و شوکت نے مجھپر ایسا اثر کیا کہ میں نے انکی تعریف میں کئی شعر کہے۔

جب ابوسفیان اور انکے اصحاب نے یہ حال سُنا تو سب کے سب ڈر گئے اور اپنے ارادہ سے باز آئے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبیلہ خزاعہ کو عالم ارواح سے خاندان رسالت سے محبت تھی ورنہ ایک شخص کہ جو مشرک تھا اسکو بجائے عداوت کرنے کے محبت کرنے کی کیا وجہ تھی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ قبیلہ خزاعہ کے متقدمین و متاخرین صحابہ و تابعین و تبع تابعین سب کے سب اہل ایمان اور شیعیان خاندان رسالت سے تھے چنانچہ انکے اکثر اکابر کے حالات مجالس آیندہ میں مذکور ہونگے انشاء اللہ تعالیٰ

طےَ

سمعانی نے کہا ہے کہ ایک قبیلہ کے جد کا نام ہے جسکا سلسلہ نسب قحطان تک پہونچتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ قبیلہ طے سے تین بے نظیر شخص پیدا ہوئے ہیں۔ سخاوت میں حاتم۔ فقہ و زہد میں داؤد اور فن شعر میں ابو تمام تھے

اور شیخ اجل ابوجعفر طوسی نے کتاب امالی میں یزید بن جابر جعفی سے روایت کی ہے

کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے میرے پدر بزرگوار اور اُن سے اُنکے والد بزرگوار نے بیان فرمایا کہ جب حضرت امیرالمومنین علیہ السلام جنگ جمل کے ارادہ سے بصرہ کی جانب روانہ ہوئے اور مقام ربدہ پر نزول اجلال فرمایا تو وہاں سے کوچ کرتے وقت عبداللہ بن حنیفہ طائی حضرت کی خدمت میں مقام قائد پر حاضر ہوئے حضرت نے انکو پاس بلایا۔ پس عبداللہ نے عرض کی کہ شکر اس خدا کا جس نے حق کو اسکے اہل کے پاس پھیر دیا اور اسے اپنی جگہ پہنچا دیا خواہ لوگ اس سے خوش ہوں یا ناراض اسلیئے کہ لوگ تو محمدؐ کی رسالت سے ناراض رہے اور اُن سے مقابلہ اور مقاتلہ کیا پس مارے خوف کے انکے کلیجے مُنہ کو آگئے۔ اور خدا کی قسم میں آپ کے ساتھ ہر جگہ پر جہاد کرونگا تاکہ مجھ پر رسولؐ اللہ کا حق ادا ہو سکے۔

پس حضرت امیر علیہ السلام نے ان پر مہربانی فرمائی اور اپنے پہلو میں جگہ دی اور چونکہ وہ ہمیشہ سے حضرت کے دوست تھے اسلیئے آپ اُن سے مشورہ بھی فرماتے تھے۔ اور اپنے دوستوں اور دشمنوں کے حالات اُن سے پوچھا کرتے تھے۔ یہانتک کہ انکو تبہ ابوموسیٰ اشعری کے متعلق سوال کیا عبداللہ نے کہا کہ مجھے اسپر اعتبار نہیں ہے۔ میرا گمان ہے کہ اگر کوئی اسکا ساتھ دے تو وہ آپکی مخالفت پر آمادہ ہو جاوے حضرت نے فرمایا کہ مجھے بھی اعتبار نہیں ہے۔ وہ اُن لوگوں کے معتقدین میں سے ہے جو مجھسے پہلے حکومت کر چکے ہیں اور اسکو حکومت اور سلطنت دے گئے ہیں میں نے چاہا تھا کہ اسکو حکومت کوفہ سے معزول کردوں لیکن اشتر نے مجھسے خواہش کی کہ ابھی چند روز رہنے دوں میں نے بکراہت اشتر کی درخواست کو قبول کیا۔

ابھی یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ قبلہ طے کے کوہسار کی طرف سے ایک گرد اڑتی ہوئی دکھائی دی۔ حضرت نے اپنے اصحاب سے ارشاد فرمایا کہ تحقیق کرو کہ گرد و سیاہی کیسی ہے؟ چند اصحاب سوار ہو کر تحقیق کے لیئے گئے اور واپس ہو کر عرض کیا کہ

یہ قبیلہ طے کے لوگ ہیں جو اپنے گھوڑوں اور اونٹوں اور گوسفندوں کو لیکر اس غرض سے آئے ہیں کہ آپکی راہ میں کد کریں اور بعض انمیں سے مہیائے جہاد ہو کر اس غرض سے آئے ہیں کہ ہمراہ رکاب فیض انتساب مشغول جہاد ہوں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم طے کو جزائے خیر دے اور انہنے مجاہدین کے لئے گھر بیٹھنے والوں سے زیادہ اجر قرار دیا ہے۔

عبداللہ بن خنیفہ مذکور کہتے کہ جب وہ جماعت حضرت کی خدمت میں پہونچی اور سلام کیا تو انکا حسن وجمال اور شان وشکوہ دیکھ کر میں بہت خوش ہوا اور میں نے کوئی خطیب انکے خطبہ سے زیادہ بلیغ تر نہیں دیکھا۔

پس عدی بن حاتم جو رئیس قبیلہ تھے کھڑے ہوئے اور حمد وثنائے الہی بجالانے کے بعد عرض کرنے لگے کہ میں زمانۂ جناب رسول خدا صلعم میں مسلمان ہوا اور آپ ہی کے عہد میں زکوٰۃ دی اور بعد حضرت کے مرتدین سے جہاد کیا اور میرا ارادہ اس جہاد سے محض تحصیل ثواب کا تھا اور میں جانتا ہوں کہ خداوند عالم نیکوں کو ثواب عطا کرے گا اور چونکہ اس زمانہ میں میں نے سنا کہ اہل مکہ کے ایک گروہ نے آپ کی بیعت توڑ دی ہے اور مخالفت پر آمادہ ہیں اس لئے میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ کی نصرت کروں اور جو کچھ حکم دیجئے اسپر عمل کروں۔

حضرت نے انکو اور تمام قبیلہ طے کو دعائے خیر دی اسکے بعد سعید بن عبید بختری کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ اے امیرالمومنین بعض لوگ اپنے دل کا حال زبان سے بیان کرسکتے ہیں اور بعضونکو اسکی قدرت نہیں ہوتی اگر وہ بیان بھی کرنا چاہیں تو عاجز رہ جاتے ہیں اور پوری بات نہیں کہہ سکتے اور اگر نہیں بیان کرتے ہیں تو انکا دل نہیں مانتا اور اندوہ وملال میں مبتلا رہتے ہیں خدا کی قسم میں انہیں لوگوں میں سے ہوں کہ جو کچھ آپکی محبت میرے دل میں ہے اسکو زبان سے نہیں بیان کرسکتا لیکن باوجود

عدم مہارت کے کوشش کرتا ہوں کہ جو کچھ میرے دل میں ہے آپ کے ضمیر منیر پر ظاہر کروں اور خداوند عالم سے خواستگار توفیق ہوں اسوقت صرف اسیقدر رکھتا ہوں کہ میں آپ کا ہوا خواہ ہوں اور پوشیدہ و علانیہ دونوں طرح سے آپسے موافقت اور آپکے دشمنوں سے جنگ کرنے کیلئے آمادہ ہوں اور میرا یہ عقیدہ ہے کہ جو حق آپ کو حاصل ہے وہ نہ آپسے پہلے کسی کو حاصل تھا اور نہ اسوقت کسیکو حاصل ہے۔

اسلیئے کہ جو فضیلت سابق الاسلام ہونیکی حیثیت سے اور جہاد کرنے کے لحاظ سے اور رسول اللہ کی قرابت کے خیال سے آپ میں پائی جاتی ہے وہ کسی میں نہیں میں آپ سے ہرگز جدا نہ ہونگا یہانتک کہ آپ ظفریاب ہوں یا آپکے قدموں پر قربان ہو جاؤں حضرت امیر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ خدا تجھپر رحمت کرے جو کچھ تیرے دل میں پنہاں تھا وہ میری زبان نے ادا کر دیا میں خدا سے خواستگار ہوں کہ وہ تجھے عاقبت و بہشت کرامت فرمائے۔

عبداللہ کہتے کہ کچھ اور لوگوں نے بھی اپنا اخلاص ظاہر کیا لیکن مجھے سوائے ان دو بزرگواروں کے اور کسی کی باتیں یاد نہیں رہیں پس حضرت نے اس منزل سے کوچ فرمایا اور قبیلہ طے کے جنگ آزمودہ بزرگوں میں سے چھ سَو بہادر آپ کے ہمراہ رکاب روانہ ہوئے

الضمیریہ

کتاب انساب سمعانی میں مذکور ہے کہ ضمیر بصرہ کی نہروں میں سے ایک نہر ہے جسکے کنارہ پر چند گانوں آباد ہیں اور گروہ ضمیر دار الخوارج بصرہ کے باہر رہتے ہیں اور زمانہ قدیم سے انکے لوح دل پر محبت اہلبیت منقوش ہے۔ اور اس زمانہ میں انکے پانچسو گھروں سے زیادہ ہیں۔

النّاوریّہ

ایک گروہ کا نام ہے جو ناوہ کے رہنے والے ہیں اور وہ مضافات بغداد میں ایک موضع ہے لیکن مدت مدید سے اس گروہ نے شہر بصرہ کے اندر قیام کرلیا ہے اور وہاں کے خارجیوں کی صحبت سے پریشان رہتے ہیں اور زمانہ قدیم سے مذہب شیعہ امامیہ رکھتے ہیں اور ہمارے زمانہ میں انکے رئیس صالح فاضل شیخ ناصر تاجر ہیں جو ہر سال خمس وزکوٰۃ کی بڑی بڑی رقمیں لیکر نجف اشرف و کربلائے معلیٰ آتے ہیں اور وہاں سادات وفقرا اور طلباء پر تقسیم کرتے ہیں "جزاک اللہ خیراً"

عقیراویّہ

یہ ایک ایسے گروہ کا نام ہے جو زمانہ قدیم سے شہر بصرہ میں رہتے ہیں اور باوجود خارجیوں کی صحبت کے ایمان پر قائم و استوار ہیں اور انکے رئیس محبوب القلوب خواجہ یعقوب ہیں کہ جنکے امثال اس زمانہ میں مطلوب و مرغوب ہیں۔

بنی شُکر

یہ ایسے لوگ ہیں جنکا شکریہ ادا کرنا تمام اہل ایمان پر لازم ہے ان لوگوں نے شہر بصرہ کے خارجیوں کو چھوڑ کر بیرون شہر مقام کیا ہے اور تقریباً دو سو گھر ونکے ہیں جو سب کے سب مُحبّان اہلبیت علیہم السلام ہیں اور شکر نعمت محبت کے بجالانے میں محکم و استوار ہیں۔

مزرعیّہ

یہ بھی شہر بصرہ کے باہر رہتے ہیں۔ اور انکے بھی تقریباً دو سو گھر ہیں۔ ہمیشہ سے

اپنے کشتِ دل میں تخم محبت اہلبیت کی کاشت کرتے ہیں۔ خدا انکی کھیتی کو سیراب کرے اور انکی اصل و فرع پر رحمت نازل فرمائے۔

مُعتَزِلیہ

یہ لوگ شہر جویزہ سے آکر بصرہ کے باہر قیام پذیر ہوئے ہیں لیکن بعض ان میں کے محب خاندان رسالت ہیں اور بعضے مروانی خصلت ہیں لیکن شمالی حصہ کے سب موضعے معہ قلعۂ قرنہ کے جو بصرہ سے دو دن کی راہ پر واقع ہے اہل تشیع سے آباد ہے اور ملک مصر و یمن و حجاز میں کہ جہاں کے سنی خارجی المذہب نہیں ہیں بلکہ کم تعصب اور کم آزار ہیں ان میں بھی بہت سے شیعہ پائے جاتے ہیں جنکی تعداد معین نہیں کی جاسکتی۔

بنی کمونہ

انکو بنی عبداللہ بھی کہتے ہیں۔ انکا خاندان بہت بڑا ہے یہ لوگ سادات عالی درجات اور حسب و نسب میں مشہور ہیں اپنی کثرت تعداد اور اقتدار کے لحاظ سے تمام سرزمین عراق میں معروف ہیں در اصل انکا نام بنی کمگمہ ہے یہ لوگ شکر الاسود بن جعفر النفیس بن ابی الفتح محمد نقیب کوفہ کی اولاد سے ہیں عوام نے انکے نام میں تحریف کی اور بنی کمونہ مشہور ہوگئے اور یہ لفظ بھی مشہور غلطیوں میں سے ہے۔

اور سید فاضل میر محمد قاسم عالم علم الانساب مختاری سبزواری نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ سادات کمونہ نقبائے کوفہ میں سے تھے اور زمانہ قدیم سے نقابت و ریاست سادات عراق کی خصوصاً سادات کوفہ کی انہیں کے خاندان

میں تھی اور ان میں علماء و فضلاء بکثرت تھے۔ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کے
زمانہ میں یہ لوگ یا انکی نیابت میں یا بالذات نقیب بغداد و عراق مقرر ہوا کرتے
تھے اور وہاں کے بڑے نقبا میں انکا شمار رہتا تھا۔ یہیں سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی
ہے کہ جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ جن لوگوں کو ایسے امر اہم کے قابل سمجھیں وہ
لوگ یقیناً سادات رفیع الدرجات صاحبان علم و فضل متدین و متقی رہے ہونگے
اور یہی انکی فضیلت و سعادت کی صحت کے لئے کافی ہے انکے جد مکرمہ
عبد اللہ رابع کی نسل سے تھے کہ جنکا سلسلہ نسب عبد اللہ ثالث
تک اور انکا سلسلہ نسب عبد اللہ ثانی تک اور انکا سلسلہ نسب
عبد اللہ اول تک پہونچتا ہے جو حضرت حسین اصغر بن زین العابدین
علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ اور عبد اللہ ثالث کہ جنکی ابو طیب متنبی نے
مدح سرائی کی ہے اور اپنے دیوان کے پہلے قصیدے میں انکا ذکر کیا ہے انکے
بیس بیٹے تھے جنمیں سے آٹھ بیٹے صاحب اولاد ہوئے۔ جنکی اولاد ذکور اب تک
باقی ہے اور یہ لوگ تمام کوفہ کے مالک تھے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ :- اَلسَّمَاءُ وَ
الْاَرْضُ لِبَنِیْ عَبْدِ اللّٰہِ یعنی زمین و آسمان سب اولاد عبد اللہ کا ہے
اور اس سے مراد عبد اللہ ثالث ہیں اور عبد اللہ اول جنکا لقب عبد اللہ
اعرج ہے نہایت مشہور و معروف آدمی ہیں انکی حکایات میں مشہور ہے کہ ایک مرتبہ
ابو العباس سفاح خلیفہ اول عباسیان کے پاس گئے اسنے انکی بہت تعظیم و
تکریم کی۔ اور ایک علاقہ انکو بطور معافی کے جسمیں سالانہ اسی ہزار اشرفیونکی آمدنی
تھی۔ جسکو وہ سادات فقراء پر تقسیم کیا کرتے تھے اور خراسان بھی گئے تھے۔
ابو مسلم نے انکی بہت تعظیم و تکریم کی اور اہل خراسان نے بھی بڑا اعزاز و اکرام کیا
اور ہر طرح سے آمادہ خدمت رہے اس خاندان کے متاخرین میں سے سید محمد کمونہ

ہیں جو مشہد نجف کے نقیب اور تمام شیعیان عراق کے رئیس تھے جس زمانہ میں بادشاہ غفران پناہ شاہ اسمٰعیل صفوی عراق عرب کے فتح کرنیکے لیے تشریف لے گئے تھے تو بازیک بیگ کے خوف کے سبب سے قلعہ بندی کا ارادہ کیا چونکہ وہ سید محمد مذکور سے بدظن تھا لہذا انکو اسیر کرکے قلعہ بند ہو کر لڑنا شروع کیا لیکن آخرکار جب اسنے دیکھا کہ یہاں کے اکثر رہنے والے شیعہ ہیں جو بالاتفاق اسکی مخالفت کرینگے تو ڈر کر بھاگ گیا۔

اہل بغداد نے سید محمد کو اس اندھیرے کوئیں سے کہ جسمیں وہ قید تھے نکالا اور خطبہ و سکہ بادشاہ مرحوم مذکور کے نام پر جاری کیا۔

جب بادشاہ ممدوح بغداد پہونچے تو سید محمد موصوف کو عتبات عالیات کا متولی کیا اور بہت سے سوار مع طبل و علم انکے ماتحت قرار دیے اور ابتک منصب امارت و تولیت انکی اولاد میں باقی ہے۔

بنی مختار

یہ لوگ رسول مختار صلعم کی ذرّیت سے ہیں انکا سلسلہ نسب ابو علی مختار نقیب امیر الحاج تک پہونچتا ہے۔

مشہد امیر المومنین علیہ السلام کی نقابت اور امارت حج اسلام مدتوں انکے اکابر میں رہی ہے۔

اور سید جلیل نقیب النقباء ممالک عراق و خراسان شمس الدین ابوالقاسم علی عمید الدین عبد المطلب بن نقیب النقباء جلال الدین ابو نصر ابراہیم بن سید العالم الفاضل النقیب عمید الدین عبد المطلب بن شمس الدین علی ماضی کے فرزند ہیں جو آخر نقبائے بنی عباس تھے۔

اور یہ شمس الدین علی ثانی زمانۂ سلطنت بادشاہ عالیجاہ شاہرخ میرزا ہیں نجف اشرف سے خراسان آئے اور دارالمومنین سبزوار میں متوطن ہوئے اور انکے متاخرین میں سے ایک اور میر شمس الدین علی ہیں جو بادشاہ مغفور کی طرف سے حاکم صوبہ سبزوار اور صاحب طبل وعلم تھے اسیطرح سے سید فاضل میر محمد قاسم نسابہ جو سبزوار میں رہتے ہیں اور میر شرف الدین علی بزرگہ جو بادشاہ مرحوم سلطان حسین میرزا کے عہد سلطنت میں جب بلخ میں روضۂ حضرت امیر علیہ السلام ظاہر ہوا یعنی وہ روضۂ اقدس جو حضرت کی طرف منسوب ہے بنا کیا گیا تو سبزوار سے بلخ چلے گئے اور بادشاہ مذکور نے بلخ اور اسکے نواحی کی نقیب النقبائی انکے سپرد فرمائی وہ بھی اسی خاندان سے ہیں بادشاہ مذکور کی وفات کے بعد بسبب حوادث زمانہ کے بلخ سے بجانب ہند روانہ ہوئے اور اب بھی انکی اولاد ہندوستان میں مقیم ہے۔

موسویہ

اعلی حضرت بادشاہ دین پناہ اور سادات نقبائے مشہد مقدس رضوی کا نسب شریف احمد بن محمد اعرابی بن قاسم بن ابی القاسم حمزہ بن امام موسی کاظم علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے اور احمد اعرابی مذکور کی نسل انکے چند فرزندوں سے ہے۔

ایک ابو محمد اسمعیل جو شاہ دین پناہ کے جد اعلی ہیں دوسرے موسی اور تیسرے محمد مجدور تھے نقبائے مشہد مقدس کا سلسلۂ نسب ان لوگوں تک پہونچتا ہے۔ انکے متاخرین میں سے سید نقیب غیاث الدین محمد بن شریف بن نظام الدین علاء الملک بن عبدالمطلب بن نظام الدین عبدالحی بن طاہر بن محمد شاہ بن حسین بن طاہر نقیب ہیں

اور یہ ابن طاہر بادشاہ مغفور سلطان غازان کے زمانہ میں مشہد مقدس سے اپنے بھائی سید علاء الدین کے ہمراہ تبریز گئے سید علاء الدین درمیان راہ میں مقتول ہوگئے اور سید طاہر بادشاہ مذکور نے عہدہ نقابت پر فائز کیا۔ اور یہی وہ پہلے شخص ہیں جو سادات عظام موسویہ مشہد مقدس میں سے نقیب ہوئے اور اسوقت سے اس زمانہ تک نقابت موسویہ انہیں کی نسل میں باقی ہے۔

رضویہ

سادات عظام رضویہ مشہد مقدس اور سادات رضویہ قم کا سلسلۂ نسب ابوعبداللہ احمد نقیب قم بن محمد الاعرج بن احمد بن موسی المبرقع بن الامام محمد تقی علیہ السلام تک پہونچتا ہے اور سید نقیب امیر شمس الدین محمد جو ابوعبداللہ نقیب کی تیرھویں پشت میں ہیں۔

زمانۂ سلطنت شاہرخ میرزا میں شہر قم سے مشہد مقدس آئے اور میرزا ابوطالب مشہور انکی اولاد سے ہیں۔ وہ ایک مدت تک بادشاہ مغفور کی طرف سے حاکم ملک تبریز رہے اور اب بھی انکی اولاد اور ۱۲۶۱ مشہد مقدس میں بکمال شان و شوکت متوطن ہیں۔

بخاریہ

یہ سادات عظام کا ایک بڑا گروہ ہے جو ملک ہند کے مختلف شہروں میں مثل ملتان۔ لاہور۔ اور دہلی وغیرہ کے مقیم ہیں انکے جد اعلی سید جلال ماضی عراق سے بخارا آئے اور وہاں کے مروانیوں کی صحبت سے عاجز ہو کر دار الحرب کابل کی طرف روانہ ہوگئے لیکن جب اہل کابل کے دلوں کو

کو بھی اہل بخارا کی طرح مثل سنگ خارا کے پایا تو وہاں سے ملک ہند کی طرف روانہ ہوئے اور یہ شعر اہل کابل اور بخارا کی شان میں کہا **شعر**

قتل عام آرزو دارم ہلاکو خاں کجاست   زاں کہ از سرحد کابل تا بخارا کشتنی است

سُنیانِ ہند چونکہ فضلاء عقائد حنفیہ بخارا پر قائم ہیں سید مذکور نے وہاں اپنی اقامت ممکن سمجھی اور یہ ظاہر کیا کہ ہم اہل بخارا سے ہیں غرضکہ سید مذکور معہ اپنی اولاد امجاد کے مدت تک تقیہ کے ساتھ بسر کرتے رہے اور سلاطین ہند انکی بے انتہا تعظیم و تکریم کرتے تھے - زمانہ تقیہ کے طولانی ہونے کی جہت سے انکی اولاد میں سے بہتوں نے مذہب آبائی چھوڑ دیا اور دنیاداری و جہالت کے سبب سے گمراہ ہو گئے لیکن بعض ان میں کے جو صاحبانِ فضل و کرامت تھے مثل سید راجو کے کہ جنھوں نے ہمیشہ مذہب حق کی جستجو کی اور تقیہ سے نیز خوشامد چغتائیہ سے اپنے دامن کو پاک رکھا گویا بزبانِ حال یہ رباعی پڑھتے تھے :-

رباعی

در مذہب ما تقیہ و توریہ نیست   در ترک و شریح کار ما توطیہ نیست
از گردش چرخ شاد و غمگیں نہ شویم   در خانۂ ما عروسی و تعزیہ نیست

انجویہ

یہ لوگ اعیان سادات شیراز سے ہیں - اور قدیم تشیعہ ہیں دوسروں سے ممتاز ہیں انکا سلسلہ نسب قاسم الرسی بن حسن بن ابراہیم بن طباطبائی حسنی تک پہونچتا ہے اور انکے اکابر متاخرین میں سے سید اجل میر شاہ محمود ہیں جو صدارت پناہ میر شمس الدین اسد اللہ شوشتری مغفور کی امداد سے مقربانِ بادشاہ مغفور سے ہو گئے تھے اور دار الملک فارس کی شیخ الاسلامی

انہیں سے متعلق نہیں اور سید فاضل میر شاہ ابو تراب جو فارس کے قاضی القضاۃ تھے اسی خاندان سے تھے اور انکی اولاد امجاد ابتک شیراز میں مقیم ہے اور انکے بعض اعزا ہندوستان چلے گئے ہیں لیکن وہاں بھی تقیہ نہیں کرتے اور وہاں کے بادشاہوں کی طرف سے صاحبان حکومت اور مالکان طبل و علم ہیں۔

مرعشیہ

کتاب صحاح اللغت میں مذکور ہے کہ جزیرہ موصل کے ایک شہر کا نام مرعش ہے اور سید اجل عز الملت والدین نسابہ نے لکھا ہے کہ مرعش آرمینیہ اور دیار بکر کے درمیان میں ایک قلعہ ہے نتیجہ ان دونوں قوموں کا ایک ہے لیکن سید مذکور کے کلام سے اسکا بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ علی مرعشی جو سادات مرعشی کے جد اعلیٰ ہیں اُسی قلعہ کی طرف منسوب ہیں اسلئے کہ انہوں نے لکھا ہے کہ علی مرعشی امیر کبیر تھے اور مرعش آرمینیہ اور دیار بکر کے درمیان ایک قلعہ ہے اس کلام کا ظاہر یہی ہے کہ علی مذکور وہیں کے رہنے والے تھے اسلئے کہ لفظ مرعش کو انکے ذکر کے ساتھ ہی ذکر کیا ہے لیکن یہ ثابت نہیں ہے کہ علی مذکور اس قلعہ میں متوطن یا وہاں کے امیر رہے ہوں لہذا یہ اولیٰ ہے کہ مرعش کو دوسرے معنوں پر حمل کریں اور وہ بھی صاحب صحاح اللغت نے لکھے ہیں کہ مرعش کبوتر بلند پرواز کو کہتے ہیں چونکہ علی مذکور اپنی علو شان و رفعت منزلت و مکان میں بے نظیر تھے اس سبب سے انکو مرعشی کہنے لگے۔ اس قول کا موید سمعانی کا قول بھی ہے کہ جس نے مرعش کا ذکر اور اسکی توضیح کرنے کے بعد علی مذکور کو بلاد ساحل کے شہروں میں سے ایک شہر سے نسبت دی ہے۔

اور احمد بن علی علوی نسابہ سے نقل کیا ہے کہ مرعش ایک شخص علوی کا نام ہے

اور سادات مرعشی کے ذکر میں جب علی مذکور تک پہونچا ہے تو ذکر کیا ہے کہ یہی علی مرعش بن عبداللہ بن محمد ملقب بہ سیلق بن الحسن بن حسینی الاصغر بن علی بن حسین بن علی بن ابیطالب علیہم السلام ہیں غرضکہ اس گروہ بزرگوار کے چار حصے ہیں۔

حصہ اوّل سادات عالی درجات مازندراں ہیں جنکا تشیع مشہور ہے اور مجالس سلاطین میں انکا ذکر کیا جاویگا۔

حصہ دوم سادات صاحب سعادات شوشتر کہ در اصل مازندران ہی سے شوستر آئے ہیں اور مذہب حق کی ترویج میں انہوں نے جو کوشش کی ہے وہ نہایت واضح اور آشکار کالشمس فی نصف النہار ہے انکے اکابر متاخرین میں سے صدر عالی قدر امیر شمس الدین اسد اللہ مشہور بہ شاہ میر اور بدر منشرح الصدر میر شریف ہیں جو اپنے زہد و تقویٰ میں مشہور و معروف ہیں بیت

فتادگان سر کوے دوست بسیار اند

ولیکن از سر کویش چو من فتادہ نخواست

حصہ سوم۔ مرعشیہ اصفہان ہیں اور وہ بھی مازندران ہی سے اصفہان میں آئے ہیں جنکے افاضل متاخرین میں سے خلیفۃ اسد اللہ ہیں جو امیر شمس الدین اسد اللہ صدر مذکور کی مدد سے بادشاہ مغفور کے مقربین میں سے ہو گئے اور مشہد مقدس کی تولیت انکے متعلق تھی۔

حصہ چہارم۔ مرعشیہ قزوین جو زمانہ قدیم سے اس خارزار میں جہاں سُنّیان مردم آزار کی کثرت ہے بطور تقیہ بسر کرتے رہے اور بڑے ظلم و ستم سہتے لیکن ہمیشہ مذہب حق کے احکام پر عمل کرتے رہے لیکن اس زمانہ میں امیر شمس الدین مذکور کی عنایت سے بعضے انمیں کے نقیب ہیں اور بعض شاہزادہ حسین کے

آستانہ کے متولی ہیں اور بعضے شہر قزوین میں کوتوال ہیں اس زمانہ میں انکے افاضل سے میر علاء الملک مرعشی ہیں جنہوں نے شاہی فیض سے تعلیم و تربیت پائی ہے اور لشکر ظفر اثر کے قاضی ہیں۔

عقیلی

یہ ایک بہت بڑا گروہ ہے جنکے تقریباً ایک ہزار گھر ہیں یہ لوگ مومنین صاحب مروت ہیں اور شوشتر کے نواحی میں ایک نہایت بافضا زمین پر مقیم ہیں اور اس زمانہ میں انکے امرائے کبار میں سے امیر کبیر میر حسین عقیلی ہیں جو جود و سخا میں مثل حاتم ہیں اور شجاعت و بہادری میں بھی یکتائے روزگار ہیں۔ یہ لوگ سادات شوشتر کے لئے باعث زینت ہیں اور عروس محبت خاندان رسالت کے لئے زیور ہیں یہ لوگ اپنے کو عقیل بن ابیطالب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

دیلمیہ

یہ گروہ بزرگانِ قزوین میں سے ہے اور یہ لوگ اپنے کو نسل مالک سے جانتے ہیں انکے اکابر و متاخرین سے ملک محمود خاں دیلمی ہیں جو ابتداءً سلطان یعقوب کے وزیر تھے اور پھر صاحب قراں مغفور کی خدمت میں پہونچے اور انکے مقربین میں سے ہو گئے اور خلعت وزارت سے سرفراز ہوئے۔ اور ان کے بیٹے شاہ میر بھی اس گروہ کے اعیان میں سے ہیں کہ جنکا نام فہرست فضلاء میں شمار کرنے کے قابل ہے اکثر علوم میں ملا شاہ محمود نیریزی کے شاگرد ہیں۔ اور انکا ذہن نہایت تیز اور طبیعت تصرف انگیز واقع ہوئی ہے بعد اپنے بھائی امیر بیگ کے صاحبقراں مغفور کے وزیر ہو گئے تھے لیکن تھوڑے عرصہ تک

وزارت کرنے کے بعد ترک کر کے قناعت اختیار کر لی۔

کُرجیہ

تاریخ گزیدہ میں مذکور ہے کہ یہ لوگ ابو دلف عجلی کی نسل سے ہیں جو ہارون الرشید کے حکم سے ملک ایران میں آئے تھے اور شہر کُرج کی بنا ڈالی تھی اور وہیں ساکن ہو گئے اپنی اولاد کو قزوین بھیج دیا تھا جس نے وہاں نشو و نما پائی۔ انکے تشیع کے حالات مجلس اُمرا میں مذکور ہونگے۔

بعضے ثقات اہل قزوین سے سُنا گیا ہے کہ وہاں کے رہنے والوں میں سے دو گروہ شیعہ امامیہ ہیں اور آٹھ گروہ حنفی ہیں اور بقیہ عام آبادی شافعی المذہب ہیں جنکی تعداد بہ نسبت مذکورین کے بہت زیادہ ہے۔

بوہرہ

یہ لوگ بھی مومنین میں سے ہیں اور احمد آباد گجرات اور اسکے نواحی میں مقیم ہیں۔ تقریباً تین سو سال پیشتر صالح فاضل ملا علی کی ہدایت سے یہ لوگ داخل اسلام و ایمان ہوئے اور انکی قبر شہر کنبائت میں ہے جو ساحل بحر ہند پر واقع ہے۔ مولانا مذکور جب گجرات میں تشریف لے گئے اور وہاں کے لوگوں کے کفر کو ملاحظہ فرمایا کہ سب کے سب کافر ہیں اور ایک پیر کبیر السن کے مرید و معتقد ہیں تو مولانا نے یہ تدبیر سوچی کہ پہلے خود بھی چلکر اس پیر کے مرید ہو جاویں اور پھر دلائل مذہب حق انکے سامنے پیش کریں جب وہ مسلمان ہو جائے تب پھر اسکی قوم کا ہدایت کر لینا بہت سہل ہے چنانچہ اسی تدبیر پر عمل کیا اور چند سال تک اس بڈھے کی مریدی کرتے رہے۔ ان لوگوں کی زبان بھی سیکھ لی اور انکی کتابوں کا مطالعہ

بھی کیا آخر کار وہ پیر روشن ضمیر بھی مشرف باسلام ہو گیا۔
اسکے مسلمان ہونے سے بہت سے مرید خود بخود مسلمان ہو گئے یہانتک کہ اس ملک کے وزیر نے جب سُنا کہ اسکے پیر نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ تو وہ بھی حاضر ہوا اور ایمان قبول کیا لیکن عرصہ تک پیر و وزیر نیز دیگر مسلمانان بادشاہ کے خوف سے اپنے مذہب کو چھپاتے رہے۔ آخر کار اسلام وزیر کی خبر بادشاہ تک پہنچ ہی گئی بادشاہ نے اسکے حالات دریافت کرنے کیلئے بہت کوشش کی یہانتک کہ ایک روز بے اطلاع وزیر کے مکان میں آگیا اور اسکو حالت رکوع میں پایا اور فوراً خفا ہونا شروع کیا کہ "یہ کیا کر رہا ہے"
وزیر نے اپنی جان بچانے کیلئے بادشاہ سے کہا کہ "ابھی ابھی ایک سانپ گوشہ مکان میں نکلا تھا جسکو میں جھک جھک کر دیکھ رہا تھا"
قدرت خدا کہ بادشاہ نے گوشہ مکان کی طرف جو نظر کی تو ایک سانپ نظر آیا آخر وزیر کے عذر کو قبول کیا اور سوء ظن رفع ہو گیا۔ لیکن رفتہ رفتہ نتیجہ یہ ہوا کہ دین اسلام کی خوبیوں نے بادشاہ کو بھی مسلمان بنا کر ہی چھوڑا۔
عمر بھر اسنے اپنے مذہب کو ظاہر نہیں کیا لیکن مرتے وقت وصیت کی کہ میری لاش مثل کفار کے نہ جلائی جائے بلکہ مثل اہل اسلام کے تجہیز و تکفین کر کے دفن کردیجائے
اس بادشاہ کے مرنے کے بعد سلطان ظفر نے جو امرار سلطان فیروز شاہ میں سے تھے ملک گجرات پر قبضہ کرلیا انکے ساتھ بہت سے علمائے اہل سنت تھے جو لوگوں کو مذہب اہل سُنت کی ترغیب و تحریص کرتے تھے چنانچہ بعض بوہرہ نے مذہب اہل سُنت اختیار کرلیا لیکن بہت سے مذہب امامیہ پر باقی رہے۔
انمیں سے جو لوگ مذہب امامیہ پر باقی ہیں انکے دو ہزار گھر ہیں اور ہمیشہ ان کے درمیان میں ایک شخص فضلا میں سے رہا کرتا ہے جو انکو مسائل دینیہ تعلیم کیا کرتا ہے

اکثر ان میں تجارت پیشہ ہیں اور زبان گجراتی میں بوہرہ کے معنی تاجر کے ہیں یہ لوگ اپنا مال خمس سادات مدینہ طیبہ کے لئے بھیجتے ہیں۔ اور زکوٰۃ اپنی قوم کے عالم کو دیتے جو انکے فقرا پر تقسیم کرتا ہے انہیں کے خاص و عام سب کے سب صالح و متقی و پرہیز گار ہیں اور ہمیشہ اہلبیت محبت کے سبب سے حکام اہل سنت کے ظلم و جور سہا کرتے ہیں اور بلائے تقیہ میں گرفتار ہیں۔

صدیقیہ

مومنین صاحبان یقین ہندوستان کا ایک گروہ ہے یہ لوگ سید کبیر الدین کے مرید ہیں اور اپنے نسب کو اسمعیل بن امام جعفر صادق علیہ السلام سے منسوب کرتے ہیں چونکہ ان لوگوں نے سید مذکور کی دعوت کو قبول کیا اور انکی تصدیق کی۔ اگرچہ شخص ظاہر جو اسوقت متعارف ہے وہ یہ ہے کہ جو ابوبکر بن ابو قحافہ کی طرف منسوب ہو اُسے صدیقی کہتے ہیں عجب نہیں کہ اس گروہ نے بضرورت تقیہ یہ لقب اختیار کیا ہو لیکن پھر بھی اُنکو کچھ فائدہ نہ پہونچا بلکہ متعصبان اہل ہند جو معاویہ پسر ہند کے عاشق و شیدا ہیں ہمیشہ ان کو تکلیف پہونچاتے رہتے ہیں اور انکے تشیع پر مطلع ہو گئے ہیں اور ان لوگوں کو ملحد و مرتد کہتے ہیں اور طرح طرح تہمت لگا کر ایذا رسانی کرتے ہیں خصوصاً ملا عبداللہ لاہوری کہ جو مخدوم الملک کے نام سے مشہور ہے انکے ہاتھ سے ان لوگوں کو بہت اذیتیں پہونچیں لیکن بمقتضائے کلام وحی آثار کہ ہم بنی عبدالمطلب ہیں جس گھر نے ہماری عداوت کی وہ ویران ہوا اور جس کتے نے ہماری دشمنی کی وہ خارشتہ ہو گیا۔ اس ملعون کا بھی وہی حال ہوا کہ اسکا گھر تباہ ہوا اور قعر سقر میں جگہ ملی

ع با آلِ علی ہر کہ در افتاد بر افتاد

اُنکے امام ابو حنیفہ نے اشعار ذیل جنکو شارح دیوان مرتضوی نے نقل کیا ہے

گویا انہیں لوگوں کی شان میں کہتے ہیں :-

اشعار

حُبُّ الیھُودِ لِاٰلِ مُوسیٰ ظاھِرٌ — وَوِلَاءُھُمْ لِبَنِیْ اَخِیْہِ بَادِ
وَاِمَامُھُمْ مِنْ نَسْلِ ھَارُوْنَ الْاُوْلیٰ — بِھِمْ اِقْتَدَوْا وَلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادِ
وَکَذَا النَّصَارٰی یُکْرِمُوْنَ مَحَبَّۃً — لِمَسِیْحِھِمْ نَجْرًا مِنَ الْاَعْوَادِ
فَمَتیٰ یُوَالِیْ اٰلَ اَحْمَدَ مُسْلِمٌ — قَتَلُوْہُ اَوْ وَسَمُوْہُ بِالْاِلْحَادِ
لَمْ یَحْفَظُوْا حَقَّ النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ — فِیْ اٰلِہٖ وَاللّٰہُ بِالْمِرْصَادِ

یعنی یہود کی محبت جناب موسیٰؑ کے ساتھ ظاہر اور انکی ولا جناب موسیٰ کے برادر زادوں کے ساتھ واضح و ظاہر ہے اور امام انکے نسل ہاروں سے ہیں جنکی وہ اقتدی کرتے ہیں اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوا کرتا ہے اور اسی طرح سے نصاریٰ بھی اپنے مسیح کی محبت کے سبب سے لکڑی کی صلیب کی بھی تعظیم و تکریم کرتے ہیں لیکن جب کوئی مسلمان آل محمد کو دوست رکھتا ہے تو یا تو اُسے لوگ مار ڈالتے ہیں یا ملحد کہتے ہیں - ان لوگو نے رسولؐ کے حق کی کوئی رعایت انکی آل کے متعلق نہ کی اور خداوند عالم موقع کا منتظر ہے

الغرض ملک ہند میں ان لوگوں کی آبادی قریب تیس ۳۰ ہزار آدمیو نکے ہے جو شہر ملتان - ولاہور - و دہلی اور گجرات میں رہتے ہیں اور اکثر تجارت پیشہ کرتے ہیں یہ لوگ اپنے مال کا خمس اپنے پیر سید کبیر کی اولاد کو دیا کرتے ہیں اور پیرو مرید سادات اور انکے تابعین سب کے سب شیعیان اہلبیت میں سے ہیں -

ہزارہ کابل

انکی تعداد بیشمار ہے کابل و غزنیں و قندھار میں مقیم ہیں اور انہیں کے اکثر شیعہ اہلبیت

اظہار ہیں۔

اس زمانہ میں انکے روسا میں سے عزرا شادمان ہیں جنکے وجود ذی جود سے اہل ایمان شاد اور خارجیان کابل وغزنیں انکے فتوحات سے مشغول نالہ و فریاد ہیں

بلوچ سندھ

ان میں کے بھی اکثر شیعہ ہیں اور اہل ایمان کو علیؑ دوست کے نام سے یاد کرتے ہیں سید راجوے بخاری نے انکی ہدایت میں بہت کوشش کی ہے۔ اور بالفعل انکی اولاد امجاد انہیں لوگوں میں مقیم اور انکی اصلاح میں مشغول ہے انکے مشاہیر میں سے عارف بلوچ ہیں جنکی یہ رباعی مشہور ہے :۔ رباعی

عارف پے تیر نے نہ کے خواہم کرد ۔ در رشتہ جان خصم پے خواہم کرد

بر سینۂ دشمن علی خواھم زد ۔ شنجرف زخونِ دلِ وے خواہم زد

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی رسولہ واٰلہ الطاہرین

تمام شد مجلس دوم

اگر رہے تو ہے جس دم مقصود کا سب انتظار ۔ دیکھنا ہے قدر کیا کرتے ہیں اسکی شائقین

کیوں نہ خوش ہو کر کہوں انجم بفضل پنجتن ۔ دوسری مجلس بھی چھپ گئی اے مومنین

نوٹ جس کتاب پر ہماری مہر نہو وہ مال مسروقہ ہے کوئی صاحب ایسی کتاب نخریدیں جسپر ہماری مہر نہو۔

شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری علیہ الرحمہ

اِن فاضل بزرگ کی شہادت کو اتنا طویل زمانہ گذرا مگر ہماری نظر سے کوئی تصنیف مطبوعہ ایسی جو اہل ہند کیلیئے کارآمد ہو نہیں گذری اور نہ ان بزرگ کے مصنفات کی اشاعت کی جانب کسی کو متوجہ پایا جو نہایت ضروری امر تھا ایسے جید عالم زبردست کی شہرت دیگر ذرایع سے ہورہی ہے نہ علمی ذریعہ سے خاکساران نے خداوند عالم کی توفیق اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی مدد اور مومنین باتمکین کی قدردانی دبھروسہ پر **مجالس المومنین** مصنفہ جناب شہید موصوف کا اردو ترجمہ پانچ سال کی محنت دکوشش بلیغ سے بصرف زر کثیر تیار کرایا ہے کتاب مذکورہ بارہ (۱۲) مجلسوں پر منقسم ہے جسمیں سے دو مجلسیں طبع کرکے پیشکش ناظرین ہیں باقی دس مجلسیں ہر دو ماہ کے بعد طبع ہوکر ہدیۂ قدردانان ہوا کرینگی قیمت موجودہ مطبوعہ دو مجلسوں کی صرف دو روپیہ ہے گویا ایک سال کے عرصہ میں یہ بارہ مجلسیں پہونچ جائیں گی اور کتاب مکمل ہوجائیگی جسکی کامل قیمت مبلغ بارہ روپیہ (عـــہ۱۲) ہوگی خریداروں کی آسانی کے لیئے ایسا کیا گیا ہے کہ دو دو روپیہ کرکے چھ مرتبہ میں باسانی متوسط حضرات بھی اسکی قیمت ادا کرسکیں اور یکمشت کا بار نہو اس کتاب گوہر بےبہا سے جسمیں شیعہ آبادیوں کا جغرافیہ کل شیعوں کا نسب مذہب شیعہ کی حقیقت کافی طریقہ سے موجود ہے اور ایسی تصنیف کسی عالم کی اسوقت تک شائع نہیں ہوئی ہے کل مومنین ومسلمین مستفید ہوں اور احقران کو دعاے خیر سے یاد فرمائیں۔

امید ہے کہ اس کتاب کی خریداری آپ لوگ اپنے لیے قابل فخر قرار دینگے اور نیازمندان کی حوصلہ افزائی فرماکر ہمت کو بڑھائیں گے۔ محصول ڈاک ذمہ خریدار

المشتہر

سید وزارت علی انجم و سید لطافت علی رضوی سبزواری کٹرہ حاجی حسن آگرہ